

# بھگت گرو کا ادب و اخلاق

مفت

PDFBOOKSFREE.PK



## ترتیب

- 9 1- شکار سے پہلے
- 89 2- بیرکنڈ کا آدم خور
- 205 3- بھگت گڈھ کا بھوت
- 301 3- سفید برف..... سرخ خون

## شکار سے پہلے

یہ کتاب اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق دوبارہ تحریر کر رہا ہوں۔ پہلا مسودہ مکمل کر کے لاہور بھیجا اور خیال یہ تھا کہ وہ ملک مقبول احمد صاحب کو پہنچا دیا جائے گا لیکن متاسفانہ وہ عابد انصاری صاحب کے دولت خانے سے گم ہو گیا..... انا اللہ وانا الیہ راجعون..... انگریزی کا مسودہ تو مکمل کرنا آسان ہے۔ ٹائپ رائٹر پر کاغذ لگایا اور ٹائپ کرنا شروع کر دیا لیکن اردو کا مسئلہ ہی یہ ہے کہ قلم سے لفظ بہ لفظ تحریر کیا جاتا ہے۔ جس میں وقت صرف ہوتا ہے۔ اور اگر یہ مسئلہ بھی پیش نظر ہو کہ اس کی کتابت بذریعہ کاتب تقدیر عمل میں آئے گی تو پھر اور بھی آہستہ لکھنا ہوتا ہے..... ایسی تحریر کہ کاتب اس کو بہ آسانی پڑھ سکے۔

اس موضوع پر میری متعدد کتابیں شائع ہو چکیں جو ساری کی ساری میرے

گھبراہٹ کا باعث ہوتا ہے اکثر ایسے لوگ ہیں جو دن کے وقت گئے اور ایسے جنگل میں جانے سے احتراز کرتے ہیں جہاں کسی قسم کا خطرہ موجود ہو۔ رات کو تو ویران سڑک پر لٹکا ایسے لوگوں کے لئے جان لیوا ہوتا ہے۔

میں چلی بار۔ گیارہ سال کی عمر میں۔ اپنے ایک عزیز گرامی کی معیت میں۔۔۔۔۔ دن کے وقت پچان پر بیٹھا۔ اور مجھ پر خفیف گھبراہٹ طاری ہوئی جسے میرے بزرگ محترم کے چند حوصلہ افزا محسوس نے دفع کر دیا۔ اس روز۔۔۔۔۔ چھ گھنٹے پچان پر منتظرہ کر۔۔۔۔۔ پھر کو ساڑھے تین بجے میں نے پہلا درندہ۔۔۔۔۔ چپتا۔۔۔۔۔ شکار کیا۔ یہ ایک چوٹ ساڑھے سات انچ کا نہایت صحت مند جوان چپتا تھا۔ اور وہ سارا منظر۔۔۔۔۔ جیسے کہ جھازی میں سے سر نکال کر دو گھنٹے بار بار اس گارے (BAIT) کی طرف دیکھتے رہتا جو اسی کی ضیافت کے لیے باندھا گیا۔ پھر بے چینی اور شک کی حالت میں کس گاہ بدلتا۔ ایک جھازی سے دوسری میں جاتا۔ آخر کار جھازی کے لبثا روشن حصے میں آتا۔ اس طرح کہ اس کو صاف دیکھا جاسکے۔ میرے اپنے محترم بزرگ کی ہدایت کی مطابق سینے کے زیریں حصے کا شانے اور کبھی سے فوراً نزدیک نشانہ لینا۔ سانس روکنا۔۔۔۔۔ اور آہستگی کے ساتھ زنگر دبانا۔ شانے پر فحربی اسپرنگفیلڈ رائفل کا دھکا (Recoil) زبردست دھماکہ جس کا میں عادی تھا جیسے کا اپنی جگہ پر اچھلتا جیسے گولی کے زور نے اس کو اچھال دیا ہو۔ پھر زمین پر گرنا۔ اور چاروں ہاتھ پیر ہوا میں چلانا۔۔۔۔۔

میں نے بولٹ کو حرکت دے کر خالی کارٹوس (EJECT) ہونے دیا۔ اور دوسرا جیبر میں لگا کر فائر کے لیے تیار ہو گیا۔ لیکن۔۔۔۔۔ چپتا تو ہو گیا۔ میری خوشی۔۔۔۔۔ اطمینان۔۔۔۔۔ فخر۔۔۔۔۔ کی حدود کا اندازہ دھوا ہے۔ پہلا شکار وہ بھی چپتا۔ ایک فائر۔ اور اس قدر کامیاب۔ جب چپتے کا سینہ چاک کر کے دل دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ گولی سیدھی دل میں اترتی۔۔۔۔۔ آدھا دل بیل گیا تھا۔!

شکار کی مہمات پر مشتمل ہیں۔۔۔۔۔ سچے واقعات ہیں۔۔۔۔۔ اور میرے اپنے تجربات کو منسلک بیان کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کو یہ واقعات تعجب خیز معلوم ہوتے ہیں۔ اور فطرت انسانی کچھ ایسی ہے کہ جو واقعات کو غیر معمولی یا حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے اس کے یقین کرنے پر اس کی طبیعت آمادہ نہیں ہوتی۔ انسان وہی کچھ یقین کرنا چاہتا ہے جو اس کے اپنے تجربات اور مشاہدات کے مطابق ہو۔ اسٹیروپس بھی ہوا کہ جو غیر معمولی واقعہ یا مسئلہ پیش کیا گیا انسان نے اس کے وجود سے ہی انکار کر دیا۔ حتیٰ کہ کافروں کو جب یہ بتایا گیا کہ اس تمام کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ تو ان کافروں نے اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر توحید کی اطلاع دی گئی تو انھوں نے اس بات کو سننے ہی بیزاری ظاہر کی۔

میرے شکار کے تجربات واقعات اور مہمات پر اگر اکثر قارئین کو یقین نہ آئے۔ یا شک ہو تو کوئی عجیب بات نہیں۔ جب خدا تعالیٰ سبحانہ کے وجود سے انکار کیا جاسکتا ہے تو اللہ تعالیٰ سبحانہ سے ایک لمحہ کی کہانی ہر شک حیرت انگیز نہیں۔۔۔۔۔ خصوصاً وہ لوگ جو شہروں آبادیوں کی رونق سے بے گھر کہ فراق بھی گوارا نہیں کرتے۔ جن کی تعریف صرف ڈرائنگ روم اور ڈائننگ روم تک محدود ہے۔ جو کبھی عجائب گھر بھی نہیں گئے کہ وہاں گرفتار قفس شہر چپتے اور پچھتے ہی دیکھ لیتے۔ ان کی شہر چپتے اور پچھتے کے بارے میں معلومات ان تصاویر تک محدود ہیں جو گاہ بگاہ اتفاق ان کی نظروں سے گزریں۔

میرے تجربات مشاہدات تجربات اور بعض انتہائی خطرناک واقعات غیر معمولی ہیں۔ حیرت انگیز ہیں اور صرف اسی شخص کو پیش آسکتے ہیں جس نے میری طرح پچاس سال مہم جوئی زندگی بسر کی ہو۔ خونخوار درندہ خطرناک جنگلوں اور دہشتناک علاقوں میں کئی کئی دن اور کئی کئی راتیں بسر کی ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ سبحانہ کی عنایت کے طفیل سلامت بھی رہا ہو۔

بیشمار لوگ تو ایسے بھی ہیں جو خود اپنے گھر کی محفوظ چار دیواری کے اندر رات کے اندھیرے میں تنہا جانے سے ڈرتے ہیں۔ ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جانا

زیادہ خوش آئند کام اور کیا ہو سکتا تھا۔۔۔ میں ہر بار وہاں تین چار روز ضرور قیام کرتا۔۔۔  
 نزدیک ہی بکثرت ہڑیاں تھیں۔۔۔ گاؤں کے نام سے سانپ کے برابر ہرن  
 کے قبیل کے جانور ہوتے۔۔۔ خوبصورت زرد رنگ کھال۔۔۔ اچھے بڑے سینک جو  
 پرانے جانوروں میں چالیس انچ تک بڑھ کر تقریباً اٹھائیس انچ تک پھیل جاتے  
 تھے۔۔۔ پیچھے تھے لیکن کم۔۔۔

ایران کے لوگ۔۔۔ بڑے مہمان نواز۔۔۔ تہایت خوش اخلاق اور خوش مزاج  
 ہو کر رہتے تھے۔۔۔ لیکن۔۔۔ جھوٹ کو ایمانوں نے فن کا درجہ عطا کر دیا تھا۔۔۔ بے ایمانی  
 ان کی عادات کا حصہ بن گئی تھی۔۔۔ مکاری ان کے اخلاق کا تقاضا ہو گیا تھا۔۔۔ اور ان  
 ہی سب "صفات" کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے اپنی بد بختی کو خود پکارا۔۔۔ اور اس نے بلیک  
 کہا۔۔۔

شاہ پسند کی شکار گاہ میں شکار ممنوع تھا۔۔۔ ایران میں ہر جگہ شکار ممنوع  
 تھا۔۔۔ اس لئے کہ قابل شکار جانوروں کی کمی تھی۔۔۔ پھر حکومت کو کام کا ہتھیار بند ہونا  
 ہرگز گوارا نہیں تھا۔۔۔ بندوق خریدنے کے لیے لائسنس لینا ہوتا تھا۔۔۔ اس زمانے میں  
 ایران میں ساواک (SAVAK) کا زور تھا۔۔۔ لائسنس کی درخواست دینے والا اتنی  
 گہری اور شدید تفتیش و تحقیق کا شکار ہوتا کہ توبہ بھلی۔۔۔ تہران میں خیابان فردوسی پر  
 بندوق فروشی کی دو دوکانیں تھیں۔۔۔ ان کے پاس صرف شاٹ گن ہوتی تھی۔۔۔  
 راتھیں میرے دس سالہ قیام میں کبھی نظر نہیں آئیں۔۔۔ ان بندوقوں کی قیمت بھی اتنی  
 زیادہ تھی کہ کم لوگ خرید سکتے تھے۔۔۔ لیکن لائسنس مل جاتے تھے۔۔۔ اور لوگ خریدتے  
 ہی تھے تب ہی دوکان میں قائم تھیں۔۔۔

مجھے حکومت کی خصوصی اجازت کے تحت دو راتھیں اور ایک شاٹ گن رکھنے  
 کی اجازت تھی اور یہ آسانی لائسنس مل گئے تھے۔۔۔

ریوالو بھی اسلحہ فروشوں کی دوکان پر نہیں ملتے تھے۔۔۔  
 حیرت کی بات یہ ہے کہ جب ایران میں انقلاب آیا۔۔۔ اور ساواک ایرانی

ان دنوں نواب حمید اللہ خاں کا عروج تھا۔۔۔ ان کے مرشد۔۔۔ میرے  
 تاتا۔۔۔ الحاج حافظ سید ضیاء الدین حسن نقوی بخاری۔۔۔ بقیہ حیات تھے۔۔۔ تاتامیاں  
 کے عزیز دوست اور مرید۔۔۔ بھوپال کے سابق وزیر علی اور نواب سلطان جہاں نیگم والہ  
 بھوپال کے مشیر خاص۔۔۔ سید منصب علی صاحب ریاست کے باثر ترین شخص تھے۔۔۔  
 ان کے نواسے خمیر میاں میرے ہم عمر تھے۔۔۔ جب میرا شکار خمیر میاں کو معلوم ہوا تو  
 انھوں نے بھی اپنے والد طیل میاں سے شکار کا تقاضا کیا۔۔۔ لیکن "آلیا" ان کو اجازت  
 نہیں ملی۔۔۔ منصب علی صاحب نے ضرور مجھے توسیع الفاظ میں مخاطب کیا اور حوصلہ  
 افزائی کی۔۔۔

خمیر میاں جوانی میں شکار کے بڑے شائق ہو گئے تھے اور بڑے کردار کے  
 ساتھ شکار پر جاتے۔۔۔ جو اکثر شخص چمک کی نوعیت اختیار کر جاتا۔۔۔ اللہ تعالیٰ مرحوم  
 خمیر میاں کی مغفرت فرمائے۔۔۔ جوانی میں ہی انتقال ہو گیا۔۔۔!

اب میں گزرے ہوئے پچاس سال کے عرصے پر نگاہ ڈالتا ہوں تو مجھے  
 واقعات کا ایک پورا ملک آباد نظر آتا ہے۔۔۔ ایک زنجیر ہے جو ملے جلتے پچلتے چلی گئی  
 ہے۔۔۔ اور اس کے حلقوں میں۔۔۔ ہر حلقے میں۔۔۔ داستانوں کا ایک خزانہ چھپا ہوا  
 ہے۔۔۔ ہندوستان پاکستان برما۔۔۔ نیپال۔۔۔ بھوٹان۔۔۔ شمالی علاقہ جات ایران  
 یوگنڈا۔۔۔ کنگو۔۔۔ اور۔۔۔ آخر کار امریکہ۔۔۔!

اللہ تعالیٰ ہیسانہ کی عنایت کا کتنا شکر ادا کیا جائے۔۔۔ انسان تو اس کے  
 احسانات کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہے۔۔۔ وہ رحیم و کریم تو صرف احسان ہی فرماتا  
 رہتا ہے اور اپنے ناپیڑ بندوں پر مہربان ہی رہتا ہے۔۔۔

ایران کی شکار گاہ سلطنتی شاہ پسند سے چالیس میل شمال مشرق میں شہر جانے  
 والے ہائی وے کے شمال مغرب میں گنبد قابوس کے مشرقی سمت واقع تھی۔۔۔ اس شکار  
 گاہ کے قیام اس کے انتظام اور متعلقہ اور سب میرے مشوروں کے مرہون منت ہوا  
 کرتے تھے اور مجھے بار بار اس شکار گاہ کا دورہ کرنا ہوتا تھا۔۔۔ میرے لئے اس سے

لگا اس نے اس پر قبضہ کیا..... اور شاہ کے جمع کئے ہوئے اسلحہ کو جس پر مرحوم نے اربوں ڈالر خرچ کر دیے تھے چند ہی دن میں غارت کر دیا گیا..... اس طرح گویا شاہ کی اپنی اسکیم ان کے خلاف محاذ آرائی کے لئے کارآمد ثابت ہوئی..... جو اسلحہ انھوں نے کشور کشائی کے ارادے سے جمع کر کے ایران کو مشرق وسطیٰ کی عظیم طاقت بنایا تھا وہ چند دن میں ہی ہاتھوں ہاتھ تقسیم ہو گیا..... بلکہ انہی کے خلاف کام آیا.....!

مستوطن شاہی کے بعد چند ہفتے ایران میں دہشت گردی کے دن تھے..... نو جوان مجاہدین..... جنھوں نے پولیس اور فوج کا کام سنبھال لیا تھا جسے چاہتے گرفتار کرتے..... جسے چاہتے ملزم قرار دیتے..... لاقانونیت کا دور تھا..... شاہ کے معاونین کو پکڑ پکڑ کر موت کے گھاٹ اتارنا وسیع پیمانے پر ہو رہا تھا..... اور بہت دن تک ہوتا رہا.....

دراصل ایران میں شاہ کے خلاف محاذ پیدا کرنے میں ملاؤں نے زبردست کردار ادا کیا اور بالاخر ایرانی عوام کی بڑی اکثریت کو شاہ کے خلاف کرنے میں کامیاب ہوئے..... اس اکثریت میں کچھ تو وہ لوگ تھے جو واقعاً شاہ کے مخالف ہوئے اور بہت بڑی جمعیت محض تماش بینی کے شوق میں اس بجوم اعدا میں شامل ہو گئی..... خصوصاً وہ نو جوان جو سارے گناہ کبیرہ انجام دیتے تھے لیکن ملا کے ساتھ نعرے بازی میں بھی شریک ہو گئے تھے..... یہی ان کے بچنے کی صورت تھی.....

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ جمہوریت کو پسند کرنے لگے ہیں..... شاہ ایران نے اتنی طویل حکمرانی کے دوران ملک کو ترقی دینے اور دنیا کے جدید و پیشرفتہ ملکوں کے برابر لے آنے کی سخت کوشش کی اور جہاں تک عمارتوں، سڑکوں، لباس اور بڑے شہروں کی رہائش کا تعلق ہے..... سب کچھ یورپ کے برابر آ پہنچا تھا..... بڑے شہروں کے لوگوں کے اخلاق و کردار میں وہ ساری خرابیاں شامل ہو گئی تھیں جو یورپ کے ممالک کا طرہ امتیاز ہیں..... شراب، قمار، راگ رنگ، کذب، اور ان تمام عادات کے ساتھ جو حرکات منسلک ہوتی ہیں وہ سب..... اور ان تمام حرکات کی کامل آزادی تھی..... کوئی

فوج اور پولیس کا قلع قمع ہوا تو لوگوں کے پاس اس کثرت سے اسلحہ نکلا کہ ہر جوان شخص ریوالور..... آٹومٹک رائفل اور ملٹری کی رائفلیں لئے پھرتا تھا.....

اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شہنشاہ ایران نے جو زبردست فوج تیار کی تھی جسے جدید ترین اسلحہ سے لیس کر دیا تھا..... وہ اس قدر بزدل اور نمک حرام ثابت ہوئی کہ سب ہی راتوں کے اندھیرے میں اپنی وردیاں اتار کر چھاؤنیوں کو اللہ کے سپرد کر کے بھاگ گئے..... روپوش ہو گئے..... صرف چند ایسے وفادار تھے جو اپنی اپنی جگہ موجود رہے اور بالآخر ان میں سے اکثر نے جان گوائی..... ان کے منصب کا تقاضا ہی وہی تھا.....

میرے ایک دوست شاہ صاحب پادگان جمشید یہ کے قریب ہی رہتے تھے..... انقلاب کے دنوں میں ان کے دروازے پر کسی نے رات کے وقت گھنٹی بجائی..... نیچے آ کے دروازہ کھولا تو ایک ایرانی صرف انڈرویئر پہنے ننگ دھڑنگ کھڑا تھا.....

”حالت خوب اے آغا.....؟“ (تم اچھے تو ہو؟)

انھوں نے پوچھا

”خوب..... آغا..... می شئے یک شلوار و پیراہن بدہید..... قربانت

بریم.....“

”چراخت شدی.....؟“ (نگے کیوں ہو؟)

”ارتشی ام..... از پادگان فرار کردم.....“ (فوجی ہوں چھاؤنی

سے فرار کر دیا ہے)

یہ حال ہوا تھا فوجیوں کا.....!

ان فوجیوں کے فرار کے ساتھ ہی چھاؤنیوں پر ”مجاہدین خلق“ نے قبضہ کر لیا..... شہنشاہ نے فوجی تربیت لازمی قرار دے کر سارے ایرانیوں کو اسلحہ کا استعمال ٹینک اور توپوں کا استعمال سب سکھا ہی دیا تھا..... اب جوان کے قبضے میں سب کچھ آ گیا تو ان کو استعمال کے طریقے سیکھنے کی ضرورت بھی نہیں رہی جس کے ہاتھ جو ہتھیار



معاشرے میں اس طرح سیاستدانوں کے ہاتھوں کا کھلونا بن کر اپنی جان سے ہاتھ دھوتے ہیں..... یا وہ تماش بین تھے جو وقت ضائع کرنے کے لیے جلوس کے ساتھ ساتھ ہو گئے تھے..... بچوں کو کھیل تماشہ جلوس جلسہ دیکھنے کا شوق ہوتا ہی ہے..... یہ بچے بھی ان ہی طبقات میں سے تھے جن طبقات کے بچے آوار گردی کرتے ہیں..... اور یہی دوسروں کے ساتھ گولیوں کا شکار بھی ہوئے.....

لوگوں کو بے چین کرنے میں ساواک (SAVAK) نے بڑا اہم کردار ادا کیا..... اس خفیہ تنظیم کو شاہ نے اپنی حکومت کا پاسبان بنا دیا تھا..... لیکن اس تنظیم نے جس طرح ظلم و ستم کے کاروبار کو فروغ دیا اور گناہ گار و بے گناہ لوگوں کو جن مظالم کا نشانہ بنایا وہ رفتہ رفتہ سب کو معلوم ہوئے اور سب ہی اس ادارے سے متنفر ہو گئے..... عوام کو خوفزدہ رکھنا نہایت قلیل عرصے کے لیے تو درست ہے اور سیاسی فوائد کا باعث ہو سکتا ہے..... لیکن سارے ملک کی عظیم جمعیت کو چھتیس سال مسلسل دشت زدہ رکھنا کسی حکومت کے لیے سودمند نہیں ہو سکتا..... تاریخ میں ایسی بے شمار مثالیں ہیں..... لیکن شاہ ایران نے اپنی فہم و فراست کے باوجود ان مثالوں سے سبق نہ سیکھا اور نتیجہ یہ ہوا کہ تاج و تخت سے ہاتھ دھونا پڑے..... اور وہ عظیم اور پر شکوہ شہنشاہیت جس کی تاریخ دو ہزار پانچ سو سال پر پھیلی ہوئی تھی نہایت بے بسی کے ساتھ دم توڑ گئی..... اس کا اختتام..... عبرتناک ہے.....!

شاہ ایران کا دبدبہ..... شان و شوکت..... عظمت و جلال..... ایرانی عوام کا ان کا نام آتے ہی یا شکل دیکھتے ہی یک میزبان ہو کے شہنشاہ شہنشاہ کے نعرے لگانا..... ان پر شمار ہونے کی ادا کاری کرنا..... ان کا بہت ہی ہر دلعزیز ہونا..... سب کو کچھ غیر معمولی تھا.....!

اس کے باوجود..... تخت طاؤس میں زلزلہ آ گیا..... اور ”آریا مہر“ یکبارگی ملعون قرار دے دیئے گئے..... وہی جمعیت جو ان کے نام پر جان نثار کرنے کو آمادہ رہتی تھی..... ان کی جان کی دشمن بن گئی..... اگر کہیں وہ مجاہدین خلق کے ہاتھ لگ جاتے

روک ٹوک نہیں تھی..... لیکن ترقی کی بنیاد کوئی نہیں تھی..... ملک میں نہ کوئی قابل ذکر صنعت تھی نہ صنعتیں قائم کرنے کی فکر..... نہ ملک کے اندر کوئی قابل ذکر وسائل تھے..... تیل کے سوا اور کچھ نہیں تھا..... اگرچہ تیل کی بدولت سارا شاہی خاندان اور ان سے منسلک خاندان مالا مال ہو گئے تھے..... حکومت ایران کے پاس دولت کی فراوانی تھی..... لیکن اس دولت سے نچلے طبقے کے عوام کو فائدہ کم پہنچتا تھا.....

عوام کا ایک طبقہ تو ہمیشہ غیر مطمئن ہی رہتا ہے..... یہ وہ طبقہ ہوتا ہے جو اپنی کوتاہیوں کے باعث جدوجہد کے اس دور میں..... بلکہ ہر دور میں..... دوسرے طبقات سے پیچھے رہ جاتا ہے..... تعلیم کی کمی..... کسی فنی علم کا فقدان..... کسی تربیت کا نہ ہونا..... وہ سارے مسائل ہوتے ہیں جو اس کو نچلے طبقے میں باندھے رکھتے ہیں..... اس طبقے کے لوگ اپنے سے بلند تر طبقات کے لوگوں کی حالت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو ان کو طیش آتا ہے..... اور یہی ان کی بے چینی کا باعث بن جاتا ہے.....

اس کے بعد درمیانی طبقہ..... یہ لوگ ایک طرف تو نچلے طبقے سے بہتر ہوتے ہیں..... دوسری طرف ان کو متحمل طبقے کی عشرت و راحت سے دلچسپی ہوتی ہے..... ان کے وسائل محدود ہوتے ہیں..... لیکن اپنے سے بہتر لوگوں کی نقل کا شوق ان کو بالآخر اس مقام پر لے آتا ہے جہاں ان میں بھی بے اطمینانی، نا آسودگی اور بے چینی پیدا ہونے لگے.....

یہی دونوں طبقے ایران میں بھی بے چینی کا شکار ہوئے.....

شاہ نے ان دونوں میں صرف نچلے درجے کا خیال کیا..... مثلاً کم آمدنی والے لوگوں کے لیے جنوب تہران میں چھوٹے چھوٹے مکانات بنوا کر بہت قلیل قیمتوں پر مستحقین کو دے دیئے تاکہ ان کو بے انتہا بڑھے ہوئے کرایوں والے مکانات کی مصیبت سے نجات مل جائے..... لیکن درمیانی طبقہ اور زیادہ پریشان حال ہو گیا.....

میدان شہناز میں جو پہلا واقعہ ہوا..... اس کے مقتولین میں نہ ملا تھے..... نہ ثروت مند تھے..... نہ سرکاری ملازمین تھے..... نچلے طبقے کے وہ بیوقوف لوگ تھے جو ہر

تھی..... میں متعدد دفعہ اس پانی کے قریب بنی ہوئی مچان پر دن اور رات کے اوقات میں بیٹھ کر جانوروں کی نقل و حرکت اور آمد و رفت کا تماشا دیکھتا رہا تھا..... ہڑیال..... ہرنوں کے بہت بڑے بڑے مندے..... گاؤ زرد..... اور صرف ایک دفعہ دو چیتے پانی پینے آئے..... ہرن ہڑیال اور گاؤ زرد روزانہ آنے والے جانور تھے..... میں نے ایک بار دو سو ہرن شمار کیے جو بیک وقت ہی پانی پینے آتے تھے..... گاؤ زرد کے جتھوں کی سب سے بڑی تعداد میں تھی..... ہڑیال مختلف اوقات میں سات سے پندرہ تک کے گروہوں میں آتے رہتے تھے.....

اس شکار گاہ میں ہرن بکثرت تھے..... میں جب پہلی بار اس شکار گاہ کا معائنہ کرنے آیا تو دس روز قیام کیا اور شکار گاہ کے ہر علاقے کا دورہ کیا..... ایک شکار بان میرے ساتھ ہوتا تھا جو اس سارے علاقے کے چپے چپے سے واقف تھا..... لیکن میرے قیام اور معائنے کے دوران مختلف درجات کے متعلقہ افسران مجھ سے مشورہ اور گفتگو کرنے میرے پروگرام کے مطابق آتے رہے..... اور میں ان کو مختلف ہدایات دیتا رہا..... جن پر فوری عمل ہوتا تھا.....

وہ میدان جن میں تقریباً ڈیڑھ ہزار ہرن تھے..... تیس مربع میل کے وسیع قطعے پر پھیلا ہوا شاداب گھاس کا میدان تھا..... اس میدان کے تین حصوں میں جا بجا خوبانی اور آلوچے کے درخت تھے..... ہر سال ان کی فصل جمع کر کے فروخت کی جاتی تھی..... میں نے دیکھا کہ ہرن ان درختوں کے پاس اکٹرا آتے تھے..... چنانچہ میں نے معتمد شکار گاہ سے مشورہ کر کے حکومت کو مشورہ دیا کہ ان درختوں کی فصلیں جانوروں کے کھانے کے لیے چھوڑ دی جائیں..... اس مشورے کو قبول کیا گیا..... اور دوسرے ہی سال اس کا فائدہ نظر آیا کہ ہرنوں نے بڑی تعداد میں بچے دیئے..... ہرن شماری میں اس سال کی تعداد میں سترہ فیصد کا اضافہ ہوا..... ورلڈ وائلڈ لائف فنڈ کی طرف سے جو شرح مقرر تھی اس میں تقریباً دس فیصد اضافہ ہوا..... یہ نتائج بہت حوصلہ افزا تھے..... اس لئے کہ تیسرے سال پھر جو نتائج زیر مطالعہ آئے ان میں بائیس فیصد اضافہ ثابت

تو بڑی ذلت اٹھاتے..... اچھا ہوا کہ ایران سے نکل گئے..... اگرچہ واقعہ یہ ہے کہ دنیا کی بے مروتی..... خود غرضی اور شرارت کی حد ہے..... عبرت ناک صورت حال تھی..... ایران کا سب سے قریبی تعلق معاہدات اور تجارت امریکہ سے ہوا کرتی تھی..... اور شاہ ایران امریکہ کے بے حد عزیز دوست اور حلیف خیال کئے جاتے تھے..... امریکہ ایران کے پٹرول کا سب سے بڑا خریدار تھا..... عام طور سے مشہور تھا کہ شاہ ایران..... مشرق وسطیٰ میں امریکی مفاد کے سب سے بڑے محافظ ہیں..... اور اس عام خیال میں بڑی حد تک یقین کا عنصر تھا..... لیکن.....!

شاہ ایران نکلے تو سب سے پہلے امریکہ نے ہی ان کو ویزا دینے سے انکار کیا..... حتیٰ کہ علاج کے لیے بھی امریکہ میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا..... اکاپکو میں چند روز قیام بھی امریکہ کے ایماء سے ہی دشوار ہو گیا اور حکومت میکسکو نے ان کو وہاں سے چلے جانے کو کہا..... یورپ کے کسی ملک نے ان کو داخلے کی اجازت نہیں دی..... اور وہ شخص جس کی آمد پر یورپ اور امریکہ پھول برساتے تھے..... سرخ قالین اس کے لئے بچھاتے تھے..... جس کے سامنے بڑے بڑے آمر جھک جاتے تھے..... اس پر زمین ایسی تنگ ہو گئی تھی کہ کوئی ملک اس کی آمد..... اس کے داخلے پر رضامند نہ تھا..... بالآخر مصر نے ان کو داخلے کی اجازت دی اور وہ رضا شاہ پہلوی جو چند ہی دن پہلے تک شہنشاہ اعلیٰ حضرت محمد رضا شاہ پہلوی آریا مہر ہوا کرتا تھا..... حکومت مصر کے خصوصی مہمان کے طور پر مصر میں داخل ہوا..... اور قصر کو بہ میں مقیم ہوا..... لیکن..... وہ صدمہ جو اس کو ہوا ہوگا اس کا اندازہ کسے ہو سکتا ہے..... زندگی کے چند آخری دن پئے بہ پئے جراحت کی تکلیف میں گزار کر جان دے دی..... ان کو کینسر تھا جس کی پہلے تو کسی کو خبر ہی نہیں تھی.....

شاہ پسند کی شکار گاہ میں مجھے شکار کی اجازت بھی مل گئی.....

ریسٹ ہاؤس سے کوئی دو میل کے فاصلے پر ایک خوبصورت اور شاداب وادی کے وسط میں پانی کا تالاب تھا..... یہاں جانوروں کی بہت بڑی تعداد پانی پینے آتی



ریاست کے حکمران کا اس طرح سرراہ رک کر مجھے پہچان لینا، خیریت پوچھنا اور میری نانی صاحب کے بارے میں دریافت کرنا ان کی انتہائی شرافت کی دلیل ہے..... مجھے وہ اس وجہ سے پہچانتے تھے کہ میں کبھی کبھی نانی صاحبہ کے ساتھ احمد باد کے محل پر جاتا رہتا تھا..... نانی صاحب ان کی پیرانی تھیں اور نہ صرف آفتاب بیا بلکہ محل کی اور خواتین بھی ان کی معتقد تھیں.....

نواب بہد اللہ خاں کا سارا خاندان..... میری مراد وہ خود..... بیگم بھوپال..... اور ان کے والدین وغیرہ..... نہ ہی رحمان اور اسلامی شعائر کے احترام کرنے والے تھے..... حمید اللہ خاں کی اولاد میں مذہب کا وہ احترام باقی نہیں رہا..... حمید اللہ خاں ایک تعلیم یافتہ حکمران تھے..... اور اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کا بڑا خیال رکھتے تھے..... ہندوستان میں سب سے بڑی اسلامی ریاست حیدر آباد دکن ہوا کرتی تھی..... اور نظام دکن اگرچہ بذات خود مذہبی نہیں تھے لیکن انھوں نے اپنی بے انتہا ثروت کو اسلامی ارادوں کے لیے وقف کر رکھا تھا..... بھوپال کا دکن کے بعد دوسرا نمبر تھا..... اور نواب صاحب اپنی وسعت کے مطابق ہزار ہا افراد کی پرورش کرتے تھے..... کتنے ہی اسلامی تعلیمی اور مذہبی اداروں کی مالی امداد کرتے تھے اور خاص خاص موقعوں پر عطیات دیتے رہتے تھے.....

بھوپال کو اللہ تعالیٰ نے ایسی پربہار جانفزا اور صحت افزا مقام پر آباد کیا تھا..... جہاں دلکشی و حسن رنگینی اور لطافت نے اپنا مرکز بنا رکھا تھا.....

بھوپال..... بہاروں کا نام تھا.....!

بھوپال..... زندگی کی رنگینی کا نام تھا.....!

شہر بھوپال کو عروس البلاد کہنا نہ صرف درست بلکہ عین صحیح تھا..... ”عروس البلاد“ کا لقب ہی اس شہر کے لیے اختراع کیا گیا..... شاداب درخت..... ذرے ذرے سے پھوٹتا ہوا سبزہ..... جابجاہ شفاف اور شیریں پانی کے چشمے.....

چشموں کے پانی کی صفائی کا یہ حال تھا کہ میں نے کئی مقامات پر بارہ

ہوا.....

گاؤ زرد کے شکار کی مجھے اجازت ملی تو میں نے وہی تالاب مناسب سمجھا جہاں یہ جانور پانی پینے آتے تھے..... لیکن مجھے تالاب پر کسی جانور کی ہلاکت کرنا یا فائر کرنا ہرگز گوارا نہیں تھا..... تالاب کے کنارے جو بچان بنائی گئی تھی وہ شہزادہ رضا کے لیے تھے..... وہ بھی سال میں صرف ایک بار اس بچان پر بیٹھے اور چند جانور شکار کئے..... میں نے سوچا اس بچان کو نکلوا دوں تاکہ کسی پانی پینے والے جانور کو نہ مارا جا سکے لیکن مجھے ایسا کرنے کی جرات اس لئے نہیں ہوئی کہ وہ شہزادے کو بچان تھی..... نہ جانے اس کے حاشیہ بردار اس نیک کام کو کس رنگ میں شہزادے کے گوش گزر کریں..... یوں بھی مجھے ان کے شکار پر اعتراض کا حق نہیں تھا.....

تالاب جس وادی میں تھا وہ سطح ضرور تھی لیکن بلندی پر واقع تھی..... غالباً ڈیڑھ میل مربع رہی ہوگی تین طرف پہاڑیاں..... چوتھی جانب..... جو مغربی سمت تھی زمین یکبارگی نشیب کی طرف ڈھل گئی تھی یہ ڈھلان کوئی سو گز نشیب میں جا کر ایک اور وادی میں ختم ہوتا تھا جس میں چھدرہ جنگل تھا یہ سارا علاقہ پہاڑی تھا..... بعض بلند پہاڑیوں کی چوٹی پر گرمیوں میں بھی برف کی ہلکی تہہ جا بجا نظر آتی تھی.....

تہران شہر ہی تقریباً تین سے ساڑھے تین ہزار فٹ کی بلندی پر ہے..... شہر کے بعض علاقے..... مثلاً نیاوران..... شمیران..... وغیرہ پانچ چھ ہزار فٹ بلند ہیں..... سعد آباد اور عباس آباد کا علاقہ چار ہزار پر تھا..... شکار گاہ کا ارتفاع چار ہزار فٹ کے قریب ہے.....

میں کئی سال زرد گاؤ کے تالاب پر آنے جانے کے راستوں کو دیکھتا رہا تھا..... اور جانتا تھا کہ ان کی آمد تو پہاڑی کی طرف سے ہوتی ہے..... لیکن واپسی کے وقت زرخلی گھاٹی کی طرف جاتے تھے اور مادائیں کچھ تو پہاڑی کی طرف..... اور کچھ وادی کی طرف.....

جس طرف یہ گاؤ زرد آتے ادھر بیٹھنا میری نظر میں ظلم کے برابر تھا..... ان کو

”خیریت..... آپ کیسے آئے.....؟“  
 ”تھانیدار صاحب نے آپ کو بلایا ہوگا.....؟“  
 ”کیوں.....؟“

انہوں نے سانہر کی ساری تفصیلات بیان کر دیں.....

میرے شکار کا سامان تو گویا ہمہ وقت آمادہ رہتا تھا..... والد صاحب سے اجازت طلب کی جو فوراً ہی مل گئی..... والدہ صاحبہ سے رخصت ہوا..... رانفلین اور بندوق سپاہی پر لادیں اور تانگے پر بیٹھ کر بیرون بدھوارہ دروازہ آ پہنچے جہاں سے گڈھی جانے والی بسیں ملتی تھیں.....

یہ 1949ء کا زمانہ تھا..... نواب حمید اللہ خاں اس زمانے میں بھی ریاست بھوپال کے حکمران تھے ابھی وہ دن نہیں آئے تھے جب ان کو حکومت ہند بے دخل کرتی..... لیکن معاملہ زیر غور ضرور تھا..... اور قصر احمد آباد میں نجانے کیوں کسی قدر بے رونقی کبھی کبھی نظر آنے لگی تھی..... لیکن حمید اللہ خاں کی شرافت و جاہت، حکمرانی کے باوجود مروت و انکسار اسی طرح روایت بنا ہوا تھا..... شرافت کی مثال یہ کہ..... ایک دوپہر کے بعد میں کالج سے واپس آ رہا تھا..... پیادہ پا..... منٹو ہال میں ہمارا کالج ہوا کرتا تھا..... ایک سڑک منٹو ہال کے جنوبی سمت جا کر چار بنگلے اور شملہ پہاڑی کے راستے کے بیچ سے نکل کر کملا پارک سے گزرتی پرانے قلعے اور ریت گھاٹ سے ہو کر موتی مسجد کے قریب احمد آباد جانے والی سڑک میں مل جاتی تھی.....

میں ان دنوں پرانے قلعے والی حویلی میں رہتا تھا..... اس لیے چار بنگلے کی طرف سے گویا چھوٹے تالاب کے جنوبی کنارے کا چکر لگا کر بہ آسانی کملا پارک سے گزر کر گھر آ جاتا.....

میں غالباً چار بنگلے سے راہے کے قریب سے گزر رہا تھا کہ ایک کار آنے کی آواز آئی میرے ساتھ میرا کلاس فیلو..... اختر خان تھا..... ہم دونوں نے پیچھے گھوم کر دیکھا..... بڑی سی بھورے رنگ کی بیوک تھی..... اور نواب حمید اللہ خاں خود ڈرائیو کر

پانی پر آنے سے پہلے مارنے کا مطلب یہ ہوتا کہ اس کو پیاس بجھانے سے پہلے مار دیا گیا.....

بھوپال میں جب ہمارے گھر قربانی کے لیے جانور آتے تھے تو ذبح سے قبل ان کو پانی ضرور دکھایا جاتا تھا اکثر جانور پیاسے ہوتے تھے اور پانی پی لیتے تھے..... میں نے اسی زمانے میں یہ بات گرہ میں باندھ لی تھی کہ کسی جانور کو پیاس کی حالت میں ہلاک کرنا گناہ ہے..... میں بارہا پانی کے کناروں پر مختلف علاقوں میں جیتل، سانہر، چیتے اور شیر کے شکار میں بیٹھا ہوں لیکن ہمیشہ یہ خیال رکھا کہ جانور پانی اچھی طرح پی کر واپس جانے لگے تب اس پر فار کیا جائے..... ایک دلچسپ واقع کا تذکرہ کرنا نامناسب نہیں ہوگا.....

بھوپال میں مشرقی علاقے کا ایک مشہور مقام گڈھی سانہر کے شکار کے لئے مشہور تھا..... گڈھی سے میرے خالو..... رحیم الدین حسن صاحب نے بہت بڑا سانہر شکار کیا تھا جس کے سینگوں کا بہت دن چرچا رہا..... رحیم الدین خالو بھوپال پولیس میں سرکل انسپکٹر تھے اور گڈھی ان کے علاقے کا ایک حصہ تھا.....

میں ان دنوں حمید یہ کالج بھوپال میں فرسٹ ایر میں تعلیم حاصل کر رہا تھا..... میرے پھوپھی ذات بھائی عظیم الدین ان دنوں گڈھی کے قریب ایک جگہ بنام دیہ گاؤں کے تھانے پر متعین اور سب انسپکٹر انچارج ہوا کرتے تھے..... وہ کسی جرم کی تفتیش کے سلسلے میں کسی مقام پر جاتے ہوئے جنگل کے ایک حصے سے گزر رہے تھے کہ تھوڑے فاصلے پر انھیں وہ سانہر نظر آیا جس کا کئی گاؤں والے ان سے تذکرہ کر چکے تھے..... بہت بڑے سینگوں والا یہ سانہر جس کو سب نے سانڈ کے برابر بتایا تھا..... وہ جب تھانے واپس آئے تو ایک سپاہی کو بھوپال بھیجا کہ مجھے اطلاع دے اور ساتھ ہی لے آئے.....

میں سہ پہر کو کالج سے واپس آیا تو سپاہی یہاں دروازے پر ہی سیلوٹ کر کے مسکرائے.....

بورشاٹ گن سے مچھلیاں شکار کی ہیں..... جو بایاب پانی میں ہوتی ہیں.....  
 شہر کو چاروں طرف سے نہایت حسین سبز پوش پہاڑیوں نے گھیر رکھا ہے.....  
 شہر کے دونوں کناروں پر دوشیریں پانی کے تالاب..... بڑا تالاب..... جو کہ ایک عظیم  
 جھیل ہے..... اور چھوٹا تالاب جو اس سے کمتر..... لیکن حسن شہر کی یہ بات ان دنوں کی  
 ہے جب اس شہر پر لوگوں نے یورش نہیں کی تھی..... آخری بار جب میں نے اس شہر  
 بہاراں کا دیدار کیا ہے تو وہ ۱۹۶۳ء کا زمانہ تھا..... اور اس وقت سے ہی پاکستان اور  
 ہندوستان سے تعلقات ناخوشگوار ہونے لگے تھے..... میں ۱۹۶۴ء تک ہندوستان جاتا  
 رہا..... لیکن وہ زمانہ حیدر آباد دکن اور ربوا میں شکار کا تھا میں بھوپال نہ جاسکا.....  
 ۱۹۶۹ء کے بعد تو ہندوستان کا شکار ختم ہی ہو گیا..... اس کے بعد میں ایران پہنچ گیا اور  
 میرے شکار کا ایک اور دور شروع ہوا جواب برما، نیپال اور افریقہ میں یوگنڈہ اور کارنگو  
 تک پھیلا ہوا تھا تہران میں نیپال کے سفیر میرے دوست تھے..... اور میرے قیام  
 تہران کے دوران انھوں نے کئی بارے میرے لیے کھٹمنڈو جانے اور شکار کرنے کا  
 انتظام کر دیا..... ساتھ کے صفحے پر ان کے ساتھ میری تصویر دیکھی جاسکتی ہے جو نیپال  
 کے سفارت خانے کی ایک تقریب میں کھینچی گئی.....

رہے تھے..... ہم دونوں سڑک سے ہٹ گئے اور ٹھہر کر دیکھنے لگے..... نواب صاحب  
 نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا..... کار قریب آ کر رک گئی..... شیشہ اتر..... نواب صاحب کا  
 وجہ مسکراتا چہرہ نظر آیا..... ساتھ ہی آفتاب بیا بیٹھی تھیں ہم دنوں نے سلام کیا..... وہ  
 مسکرائے.....

”کیا تم مولانا کے نواسے ہو.....؟“ ان کا استفسار میرے نانا حضرت  
 ضیاء الدین حسنؒ کے بارے میں تھا جو ان کے مرشد تھے..... اس زمانے میں ان کا انتقال  
 ہو چکا تھا.....

”جی ہاں.....“

میں نے جواب دیا..... حیرت تھی کہ وہ مجھے پہچانتے تھے یاد رکھتے تھے.....

”کالج سے آرہے ہو؟.....“

”جی ہاں.....“

آفتاب بیا کسی قدر آگے کو جھک کر بولیں  
 ”پیرانی صاحب کہاں ہیں.....“ انھوں نے پوچھا..... سوال میری نانی صاحبہ  
 کے بارے میں تھا.....

”وہ تو اناؤ گئی ہوئی ہیں.....“

میں نے ادب سے جواب دیا

”آجائیں تو بتلانا.....“

”بہت اچھا.....“

”تم اچھے تو ہونا.....“ نواب صاحب نے پوچھا

”جی ہاں آپ کی عنایت ہے..... شکریہ.....“

کار کا شیشہ بند ہونے لگا تو میں نے سلام کیا..... آفتاب بیا اور نوا  
 صاحب دونوں نے مسکرا کر سر کے اشارے سے جواب دیا اور کار آگے بڑھ گئی  
 دونوں پھر اپنے راستے پر ہوئے.....

بات میں نے گڈھی کے شکار کی شروع کی تھی..... ہمیشہ یہی ہوتا ہے کہ بات میں سے بات نکلتی چلی آتی ہے..... میرے ذہن میں یادوں کا اتنا ذخیرہ ہے کہ ابھی شاید اس کا چوتھائی حصہ بھی بمشکل ہی زیر تحریر آیا ہوگا.....

میں اس رات تھانے پہنچا..... چھوٹا سا گاؤں نہ بجلی نہ پانی..... کچی دو چار گلیاں..... پندرہ بیس گھر..... ایک تھانہ..... بھائی کا گھر بھی کچا..... نیم پختہ.....

گاؤں سوچکا تھا..... صرف کتے جاگ رہے تھے..... بھائی کے گھر پر دستک دی تو وہ فوراً ہی دروازہ کھولنے آ گیا..... میں نے اس سے شکار پر جانے کی بات کی تو وہ راضی ہو گیا.....

دوسری صبح ہم نے رواںگی کی تیاری کی..... بھائی نے ہی یہ ہدایت کی کہ میں ایک شکاری سپاہی کے ساتھ گڈھی کے تالاب کے کنارے کسی مناسب درخت پر بیٹھوں..... مچان باندھی جاسکتی تھی لیکن مجھے اس سے آسانی یہ معلوم ہوا کہ سپاہی میاں کے علاوہ ایک اور شخص بھی ساتھ ہو جو دو عدد پیڑھیاں اٹھا کر لے جاسکے..... پیڑھی ایک نیچی..... چار پائے کی کرسی کہی جاسکتی ہے جو کبھی بان کبھی نواز سے بن لی جاتی ہے اور ان باورچی خانوں میں بیٹھنے کے لیے استعمال کی جاتی تھی جہاں چولھے زمین پر بنے ہوتے تھے..... پہلے تو ایسے ہی چولھوں کا رواج تھا اب نہیں معلوم کہ پاکستان میں کس قسم کے چولھے استعمال ہوتے ہیں..... لیکن گیس اور مٹی کا تیل اس زمانے میں بھی چولھوں میں جلانے جاتے ہیں.....

دوپہر سے پہلے میں ایک سپاہی اور ایک ساتھی گڈھی کے تالاب کی طرف روانہ ہو گئے..... سردیوں کا آغاز تھا..... ابھی سردی نے شدت اختیار نہیں کی تھی..... لیکن رات تو ٹھنڈی ہو ہی جاتی تھی..... اور ہمیں رات جنگل میں ہی بسر کرنا تھی..... اس لیے دیہاتی آدمی نے کمبل لپیٹ رکھا تھا اور دو عدد پیڑھیاں اٹھا رکھی تھیں..... سپاہی میاں میری دونالی چار سو پچاس ایکسپرس لیے تھے اور میرے شانے پر بارہ بورشات گن تھی جو میں ہمیشہ ساتھ رکھتا ہوں..... دوسرا ضروری سامان سپاہی کے پاس اور کچھ گاؤں



قمر نقوی نیلسن کے میدان میں ہرن کے شکار کے دوران

جنگت گڈھ کا آدم خور..... اس حالت میں معرض وجود میں آئی کہ میرا سارا کتب خانہ اور اسباب آتشزدگی میں ضائع ہو چکا..... اس کتاب میں جو تصاویر شامل ہیں وہ راکھ کرید کر نکالے ہوئے اسباب سے دستیاب ہوئیں..... بعض جل گئیں..... کچھ حرارت سے جھلسا دیں..... خراب کر دیں..... شاید ہی کوئی بچ گئی ہے..... جو تصویریں بچ گئیں وہی اس کتاب میں شامل ہیں..... ایسی تصاویر کی تعداد بہت کم ہے..... جدید تصاویر اب انشاء اللہ اکتوبر ۱۹۹۵ء سے پھر جمع ہونا شروع ہوں گی..... اکتوبر سے امریکہ میں شکار کھلنا شروع ہوتا ہے..... اس سال میں کولورڈو (COLORADO) میں ELK کے شکار سے آغاز کروں گا..... انشاء اللہ.....

انسان کے لیے تو جنگلی بلی بھی نہایت خطرناک شے ہے..... لیکن بالعموم ریچھ حملہ آور نہیں ہوتا.....

امریکی ریچھ قطعاً مختلف ہے..... جسامت میں بہت بڑا..... نہایت بد مزاج اور واقعی خطرناک..... گزشتہ سال میں امریکہ کے مشہور نیشنل فارسٹ یلو اسٹون (YELLOWSTONE PARK) محض تفریناً گیا تھا..... ایک جگہ ریسٹوران میں ایک شخص سے گفتگو کے دوران معلوم ہوا کہ ایک ہفتہ قبل وہاں سے دو میل دور اندر دنی علاقہ میں ریچھ نے ایک شخص کو شدید زخمی کیا تھا.....

### YELLOWSTONE پارک SANCTUARY

ہے..... اس لیے اس پارک میں شکار ممنوع ہے..... لیکن میں نے گھنے جنگل میں گئے بغیر جس قدر کثرت اور جتنے خوبصورت ELK اور جنگلی بھینسے دیکھے..... وہ میرے لیے بڑی مسرت کا باعث تھے..... میرے ساتھ بیگم بھی تھیں اب ہم ویڈیو کیمرے سے ہر خوشنما منظر اور ہر نظر آنے والے جانور کی فلم بناتے رہے..... تصویریں کھینچتے رہے ریچھ..... یا پوما (MOUNTAIN LION) نظر نہیں آئے.....

میں الاسکا میں ریچھ شکار کر چکا ہوں..... اس کا مفصل واقعہ اس کتاب میں شامل ہے..... بحمد اللہ اور یہ ریچھ بھی بہت بڑا ریچھ تھا.....

اس ضمن میں ایک یہ بیان بہت اہم ہے کہ میں غالباً واحد پاکستانی شکاری ہوں جو الاسکا کے شمالی علاقے میں..... دائرہ قطب شمالی کے تیس میل اندر جا کر شکار کر چکا ہوں..... الحمد للہ مجھے یہ بڑا شرف معلوم ہوتا ہے..... میں جب الاسکا کے شہر فورٹ یوکان پہنچا تو لوگ مجھے حیرت سے دیکھتے تھے..... کسی نے مجھے امریکن انڈین سمجھا کسی نے میکسیکن، کسی نے پیورٹوریکن..... میں جس جگہ مقیم ہوا..... وہاں چند لوگوں سے بات چیت بھی ہوئی..... کوئی پاکستان کے نام سے واقف نہیں تھا..... ظاہر ہے کہ فورٹ یوکان جیسی دور افتادہ جگہ جہاں نہ کوئی سڑک پہنچتی ہے نہ کوئی ہوائی جہاز..... وہ لوگ صرف ان ناموں یا ملکوں سے واقف ہیں جن کا ذکر وہ ٹی وی یا ریڈیو پر سنتے رہتے

والے کے پاس تھا.....

”میاں خاں.....“ رواگئی کے وقت بھائی نے مجھ سے کہا..... ”سات میل کے علاقے میں غالباً دو شیر تو ضرور رہتے ہوں گے خیال رکھنا.....“ میں نے پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا کہ ان جنگلوں میں یہ خیال کہ شیر نہیں ہوگا غلط ثابت ہوتا..... شیر بھوپال کے جنگلوں میں ہر طرف تھے..... جنگل میں قدم رکھنے والا خوب جانتا تھا کہ کسی جھاڑی..... کسی موڑ..... کسی نالے سے شیر کسی وقت بھی برآمد ہو سکتا ہے..... اس مقابلے کے لیے تیار رہنا لازمی ہے.....

امریکہ میں بھی صورت حال کچھ ایسی ہی ہے..... وہ مقامات جہاں واقعاً شکار پایا جاتا ہے..... جیسے الاسکا، مائنیا (MONTANA) والیومنگ (WYOMING) نارتھ ڈکوتا (NORTH DAKOTA) وغیرہ..... وہاں بھی جنگل میں قدم رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ کے خونخوار اور خطرناک درندے سے کسی لمحے بھی سامنا ممکن ہے..... اور یہ درندہ ہے سیاہ ریچھ..... پاکستان میں تو اب ریچھ غالباً نہیں ہوتا میں نے ۱۹۵۸ء، ۱۹۶۰ء کے دوران سوات کے بھی بہت شمال میں ریچھ دیکھے اور ایک نہایت خطرناک ریچھ کو ہلاک بھی کیا جس نے کئی آدمی زخمی کیے تھے..... لیکن ۱۹۶۰ء میں کالام گیا تو لوگوں نے بتایا کہ وہ پہاڑی علاقے جہاں شکار ہوتا تھا اب خالی ہیں..... میں اس بار بھر تقریباً ساٹھ میل شمال کی طرف گیا مجھے کوئی نشان نہیں ملانے سارے جانور ہجرت کر کے کسی اور طرف نکل گئے..... یا کیا ہوا.....!

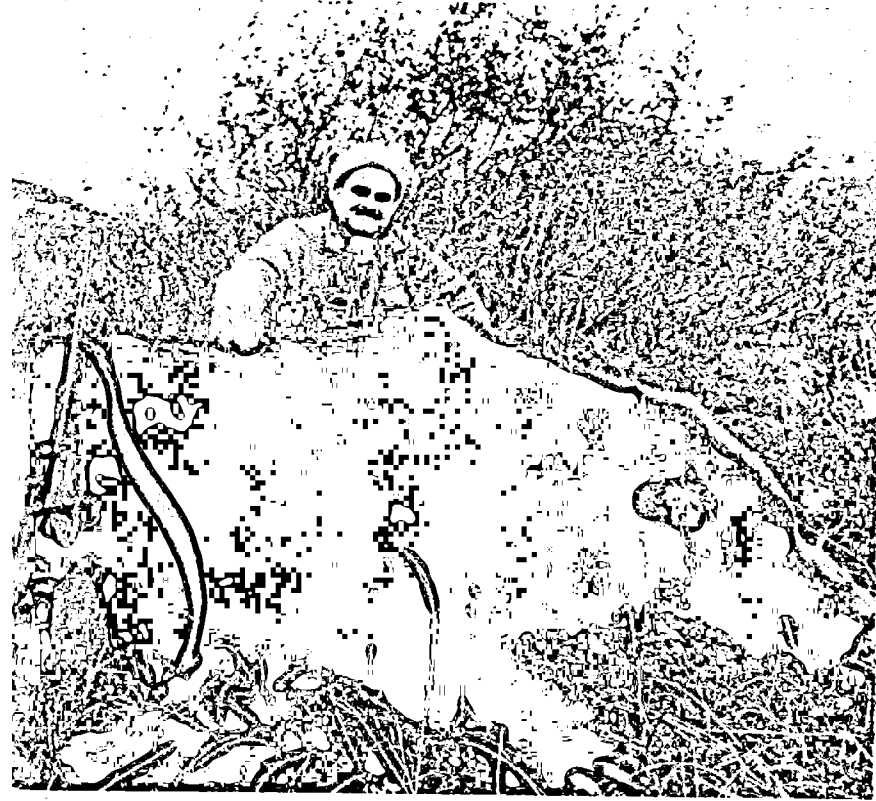
ہندوستان میں بھوپال..... اجین..... بھیلیسا..... ناگپور..... بلہار شاہ..... حیدر آباد دکن اور اوڑیسہ تک بکثرت ریچھ پایا جاتا تھا..... موجودہ زمانے کا علم مجھے کم ہے..... لیکن بھوپال اور حیدر آباد دکن کے احباب کے خطوط سے اب بھی ان کی موجودگی اور کثیر تعداد کا علم ہوتا رہتا ہے..... ایران میں ریچھ قطعاً نہیں تھے..... افریقہ میں یوگنڈا اور کانگو جہاں میں گیا..... ریچھ نہیں ہوتے..... ہندوستان کا ریچھ چھوٹا ہوتا ہے..... خطرناک تو بہر حال ہوتا ہی ہے.....

دوسری اہم نوع نشریات وہ ہو سکتی ہے جن میں اسلام کو ایذا پہنچانے کا امکان روشن ہو..... ان کے علاوہ دنیا کے ممالک کی اخبارات امریکہ میں کیوں نشر کی جائیں..... پاکستان کی خبروں کا امریکہ میں نشر ہونا غیر ضروری ہی نہیں بلکہ فضول ہے..... جب تک کوئی ایسا واقعہ نہ ہو جو بین الاقوامی سیاست پر اثر انداز ہوتا ہو اس وقت تک پاکستان کی خبروں کی نوعیت مقامی ہی رہتی ہے..... اور امریکہ میں پاکستان کی مقامی خبروں کو بھلا کیا اہمیت ہو سکتی ہے.....

امریکہ..... دنیا کا آزاد ترین ملک ہے..... اس ملک میں رہنے والوں کو ہر قسم کی مذہبی معاشرتی، معاشی سیاسی اور اخلاقی آزادی ہے..... امریکہ آزادی انسان کا سب سے بڑا علمبردار ہے..... اور اس میں شک نہیں کہ امریکہ جس طرح دنیا کے ہر حصے میں مفلوک فاقہ زدہ اور بیمار معاشروں کی امداد کر کے ان کی حالت درست کرنے کی مسلسل کوشش کرتا رہتا ہے وہ کوئی دوسرا ملک نہیں کر سکتا..... امریکہ دولت مند بھی ہے..... اور اس دولت کو بنی نوع انسان کی فلاح کے لیے استعمال کرنے کا طریقہ بھی اس کو آتا ہے..... ہمدردی بھی ہے..... انسانی درد بھی..... رواداری بھی.....!

گاؤں سے نکلنے ہی سپاہی میاں ایک پگڈنڈی پر ہو لیے جو سیدھی دوہستا چلی پہاڑیوں کے درمیان سے گزرتی تیار درختوں کے جنگل میں داخل ہو گئی..... جو لوگ پاکستان میں جنگل دیکھتے رہتے ہیں ان کو بھوپال کے جنگلوں کی کیفیت کا کوئی اندازہ نہیں ہو سکتا..... اب پاکستان میں پیدا ہونے والے اور جوان ہونے والے بچوں کو تو گھنے جنگل کا اندازہ ہی نہیں..... اس لئے کہ پاکستان میں گھنے جنگل نہیں ہوتے.....

وسط ہند..... بلکہ مالوے کا مانسونما جنگلات..... جانوروں سے قطع نظر..... دہشت ناک ہوتے ہیں..... برگد..... املی..... پمپل..... سال..... کیتھ..... مہوہ..... نیم..... وغیرہ سارے ہی درخت پچاس سے سو فٹ تک بلند..... سو ڈیڑھ سو مربع گز پر پھیلے ہوئے..... ان کی شاخیں ایک دوسرے سے ایسے گلے ملتی ہیں کہ سورج کی کرنیں بھی اکثر مقامات پر ان چلمنوں سے نہیں گزر سکتیں.....



الاسکا کے عظیم الجثہ سیاہ رچھ کو شکار کرنے کے بعد..... سامنے ہی ۳۷۵ میگنیم رائفل رکھی ہے۔ تصویر آتشزدگی کی وجہ سے کسی قدر خراب ہو گئی ہے یہ تصویر ۱۹۹۱ء میں کھینچی گئی.....

ہیں..... امریکہ کے ٹی وی یا ریڈیو پر پاکستان کی خبریں نشر نہیں ہوتیں..... مہینوں میں کہیں ایک بار سرسری طور پر کوئی خبر آ جائے تو جدا بات ہے..... اس میں امریکن نشر و اشاعت کا قصور بھی نہیں..... پاکستانی سفارت خانے کی کوتاہی یا ان اداروں کی فرض ناشناسی کا دخل ہے جو پاکستان کے نام کی اشاعت کا کام کرتے ہیں..... ویسے بھی امریکی حلقہ اشاعت کو صرف ان واقعات اور معاملات سے دلچسپی ہوتی ہے جن میں کسی نہ کسی طرح امریکی ملوث ہو یا جہاں امریکہ کا مفاد وابستہ ہو.....



گوشت بھی ان لوگوں کو بہت کم ہی میسر آتا ہے۔۔۔۔۔

یہی وہ خوراک ہے جو ان کو جفاکش، صحت مند اور توانا رکھتی ہے۔۔۔۔۔ ان چھوٹی چھوٹی آبادیوں کے لوگ حیرت انگیز طور پر بیماریوں سے محفوظ رہتے ہیں۔۔۔۔۔ معمولی نزلہ زکام کے علاوہ انھیں کوئی مرض لاحق نہیں ہوتا موت یا تو سانپ کے کاٹنے سے۔۔۔۔۔ شیر کے آدم خور ہونے سے یا عمر طبعی کو پہنچنے سے ہی ہوتی ہے۔۔۔۔۔ البتہ بچے بعض حالات میں کم عمری میں فوت ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔ جو غالباً بداحتیاطی کا نتیجہ ہوتا ہے۔۔۔۔۔

ہم جس پگڈنڈی پر چل رہے تھے وہ پہاڑیوں کے دامنوں پر گھنے جنگلوں کو بچاتی بالاخر اس تالاب کے کنارے آنکلی جہاں ہمیں جانا تھا۔۔۔۔۔ چار بج رہے تھے۔۔۔۔۔ ہم راستے میں دوبار شیر کی دھاڑ بھی سن چکے تھے لیکن وہ ایسی دھاڑ تھی جو شیر کے اطمینان اور شکم پری کے دوران اتفاقاً ہی اس کے خونخوار حلق سے رہا ہوتی ہے۔۔۔۔۔ شیر۔۔۔۔۔ فطرتاً خاموش جانور ہے۔۔۔۔۔ شور شغب نہیں کرتا۔۔۔۔۔ خصوصی مواقع پر ہی آواز کرتا ہے۔۔۔۔۔ شیر کے لیے بار بار آوازیں کرنا غیر مفید بھی ہے۔۔۔۔۔ کیونکہ اس کی کامیابی سکوت اور اخفا میں



دن کے وقت ان درختوں کی چھت کے نیچے نیم تاریکی یا شام کی سی کیفیت ہوتی ہے۔۔۔۔۔

اس پر مزید ستم۔۔۔۔۔ جھاڑیاں۔۔۔۔۔ اور جھاڑ جھکاڑ بھی گھنے۔۔۔۔۔ اور نہایت خاردار۔۔۔۔۔!

وہ پگڈنڈیاں جو ان جنگلوں سے گزرتی ہیں۔۔۔۔۔ اور جن پر سے گزر کر گاؤں کے رہنے والے ایک دوسرے سے تجارتی اور معاشی روابط قائم رکھتے ہیں۔۔۔۔۔ وہ اکثر ایسے خطوں سے گزرتی ہیں جو نسبتاً صاف ہوں لیکن ایسے علاقوں میں جیسے راسین، گڈھی وغیرہ کے جنگل۔۔۔۔۔ یہ پگڈنڈیاں بہر حال گنجان حصوں کے درمیان سے ہی گزرتی ہیں اور یہی وہ خطے ہیں جہاں کبھی کبھی ناخوشگوار حادثات ہوتے رہتے ہیں۔۔۔۔۔

ان جنگلوں کے درمیان جا بجا مختصر آبادیاں ہیں۔۔۔۔۔ بعض تو صرف دو تین گھروں پر مشتمل ہوتی ہیں۔۔۔۔۔ جن میں کل آٹھ دس افراد ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ سوال کیا جا سکتا ہے کہ یہ لوگ ایسے دور دراز ساری دنیا سے منقطع مقامات پر کیوں رہ رہے ہیں۔۔۔۔۔؟

اس سوال کا جواب کوئی نہیں۔۔۔۔۔ غالباً یہ لوگ کسی ندی۔۔۔۔۔ چشمے یا دریا کے نزدیک ایسی جگہ جا بے ہیں۔۔۔۔۔ جہاں ان کو مفت زمین مل سکے۔۔۔۔۔ جنگل جھاڑی کو صاف کر کے دو چار کھیت زمین نکال لی ہے۔۔۔۔۔ اس پر بیلوں گدھوں کے ذریعے زمین میں ہل چلا کر گندم، ارہڑ چنا، وغیرہ کی فصلیں پیدا کرتے ہیں۔۔۔۔۔ یہی ان کے گذر اوقات کا ذریعہ ہے۔۔۔۔۔ لیکن ان کی زندگی شہریوں کے معیار کے مطابق غربت میں گزرتی ہے۔۔۔۔۔ اور خود ان کے معیار کے مطابق۔۔۔۔۔ خود کفیلی میں۔۔۔۔۔! ان کی ضروریات محدود ہوتی ہیں۔۔۔۔۔ اس لیے ان کو کسی کی یا دشواری کا احساس نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ جہاں تک غذا کا تعلق ہے وہ لوگ ہم شہریوں سے بہتر صحت بخش اور خالص غذا کھاتے ہیں۔۔۔۔۔ مکئی، جو، جوار یا گندم کی روٹی۔۔۔۔۔ چاول ان کو میسر نہیں آتے۔۔۔۔۔ خالص دودھ یا مکھن۔۔۔۔۔ اگر یہ نہ ہو تو پودینے، یا کھیر کی چٹ پٹی چٹنی۔۔۔۔۔ یا پیاز۔۔۔۔۔ یا کوئی سبزی

دھپا بھی کیے گئے..... اس وقت کہیں دور سے شیر کے دھاڑنے کی آواز آئی..... یہ وہ آواز تھی جو جنگل کا بادشاہ قصر سلطانی سے سرشام برآمد ہونے کے بعد کھلی ہوا میں آکر انگڑائی لینے کی حالت میں نکالتا ہے..... آواز غالباً ایک آدھ میل کے فاصلے سے آئی ہو گی.....

لیکن اس آواز کا یہ اثر اور دبدبہ تھا کہ گیدڑ دم دبا کر بھاگ لیے..... اور تھوڑی دیر کے لئے جنگل ایسا ساکت ہو گیا جیسے کسی نے اس کی روح قبض کر لی ہو..... ابھی جھٹ پٹا ہی تھا کہ لا تعداد ہرنوں کا ایک گول سبزہ زار کے جنوب سے نمودار ہوا اور میدان میں ٹھہر گیا.....

پانی کی طرف بڑھنا نہیں..... کئی پرانی مادہ ہرنیاں ان جھاڑیوں کی طرف بغور نگران تھیں جو چالیس پچاس گز کے فاصلے پر تھیں..... اس حالت میں تقریباً دس منٹ گزرے..... پھر دو ہرنیاں بڑھ کر پانی پر آئیں..... ذرا ادھر ادھر دیکھا پھر پانی پینے لگیں..... لیکن انداز یہ بتاتا تھا کہ ذرا سے شک پر بھاگ پڑنے کے لیے تیار ہیں..... ان کے پانی پر سے ہٹتے ہی گویا سب کو آزادی مل گئی اور وہ سارا غول یکبارگی ہی پانی پر پل پڑا..... میں نے کئی بار ان کو شمار کرنے کی کوشش کی لیکن تیس پچیس سے زیادہ نہ بڑھ سکا اس لیے کہ ہرن برابر ادھر اسے ادھر حرکت کیے جا رہے تھے.....

چند منٹ میں ہی سارے فارغ ہو گئے اور سفری وادی کی طرف بھاگ لیے جدھر سے شیر کے دھاڑنے کی آواز بھی آئی تھی..... تالاب کی طرف آتے وقت میں نے بلندی پر سے اس جانب کے علاقے پر نظر ڈالی..... ادھر کئی وسیع و عریض میدان تھے..... غالباً یہی ہرنوں کے میدان ہوں گے.....

ان کے بعد تو مختلف چھوٹے بڑے جانور جابجا تالاب کے وسیع کناروں پر نظر آتے رہے تا آنکہ بالکل اندھیرا ہو گیا..... لیکن اس اندھیرے میں بھی وہ سبزہ زار جو میرے درخت کے مغرب میں پھیلا ہوا تھا صاف روشن تھا..... اتنا کہ میں ادھر سے آنے والے جانوروں کو ان کے ہیولوں سے شناخت کر سکتا تھا.....

ہے.....

میں نے تالاب کا مختلف زاویوں سے جائزہ لیا..... بے شمار جانوروں کے پروں کے نشانات جابجا تھا..... جنوبی سمت دور تک سبزہ زار تھا..... گویا جنگل کسی قدر فاصلے سے تھے..... میں جانتا ہوں کہ پانی پینے کے لیے وہی کنارہ زیادہ مفید اور محفوظ تھا.....

سپاہی اور دیہاتی نے مل کر میری ہدایت کے مطابق برگد کے ایک گنجان درخت پر جو پانی سے کوئی پچاس گز دور..... جنگل کے کنارے پر ہی تھا..... ایک پیڑھی تو اس شاخ پر باندھی جہاں سے سارا سبزہ زار صاف نظر آتا تھا..... دوسری ذرا فاصلے پر ایسی جگہ کہ سپاہی اس پر بیٹھ کر عقب کی طرف نظر رکھ سکے..... دیہاتی نے بھی اس کے ساتھ بیٹھنے کا انتظام کر لیا.....

عصر کی نماز کے بعد میں اپنی جگہ بیٹھ گیا..... پیڑھی کشادہ تھی اور نرم تلی کی بنی ہوئی ہونے کی وجہ سے آرام دہ تھی..... اس کے نیچے ہی ایک ایسی مضبوط شاخ بھی تھی جس پر میں پیرہ آسانی رکھ سکوں.....

مغرب کی نماز میں نے پیڑھی پر بیٹھے بیٹھے ہی پڑھی..... اس کے بعد راقل لوڈ کر کے ہاتھ میں لے لی..... اور تھوڑی ہی دیر میں اندھیرا ہو گیا..... غروب کے بعد ابتدائی رات کا جو وقت تھا وہ تو بے حد تاریک رہا..... باوجود یہ کہ تاروں کی روشنی سبزہ ہزار اور تالاب کے کناروں کو نیم تاریک کئے تھی لیکن میں تقریباً سو گز تک کچھ نہ دیکھ سکتا تھا.....

شام سے تالاب کا کنارہ آباد ہو گیا میں نے جب مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد تالاب کی طرف نظر ڈالی تو تین چار رمور..... پانی پر تھے..... ایک نہایت خوبصورت اور لابی دم والا نہ تھا..... ذرا دیر میں ہی وہ تیز چل کر جھاڑیوں میں غائب ہو گئے..... ابھی سارا تالاب نظر آتا تھا..... اس لیے میں گیدڑوں کے اس غول بیابانی کو بھی دیکھ سکا جن کی آمد نے موروں کو بھاگنے پر مجبور کیا تھا..... یہ پانی تو پیتے ہی رہے لیکن دھول



جنگلی بھینسوں کا ایک غول جس میں سات نر تھے اور اکیس مادائیں..... مشرقی جنگل سے..... گویا میرے نشست والے درخت کے عقب سے برآمد ہو کر بے خطر پانی پر آ گیا..... ان سب کے پیچھے ایک نہایت پرانا اور جسیم بھینسا تھا..... جو اس غول کا سر براہ رہا ہو گا..... ان کو نہ شیر سے خطرہ ہوتا ہے نہ چیتے سے..... چیتے تو خیر ان کو کیا چھیڑیں گے..... شیر بھی ان سے تعرض کرنے میں احتیاط کرتا ہے..... اور جب تک اس کو یقین نہ ہو کہ کسی مزاحمت کے بغیر ایک کو ہلاک کر سکتا ہے اس وقت تک ان پر حملہ نہیں کرتا.....

بھینسوں میں بڑا اتحاد ہوتا ہے..... نہ صرف یہ کہ دوسرے کی نقل و حرکت پر نظر رکھتی ہیں بلکہ بچوں کی خصوصاً بڑی حفاظت کرتی ہیں..... میں نے چالیس سال میں اک بار بھی کسی بچھڑے کو کسی جانور کا شکار ہوتے نہیں دیکھا..... اگر شیر چیتے یا بھٹیڑیوں نے حملہ کیا بھی تو سب مل کر اس کے مقابلے میں ایسی مضبوط دفاعی دیوار بن جاتی ہیں کہ ان کی آتش بار آنکھوں اور تلوار جیسے سینگوں کے سامنے درندوں کی ہمت جواب دے جاتی ہے..... جنگلی بھینسوں کی تعداد اس زمانے میں بھی (۱۹۴۹ء) کم ہو گئی تھی..... ان کا دیدار مشکل سے ہی ہوتا تھا البتہ دکن کے جنگلوں میں اس زمانے میں بھی ان کی اچھی خاصی تعداد تھی.....

مالوے میں جو جنگلات دریائے نریدا کے ساتھ ساتھ پھیلتے چلے گئے تھے ان میں ان کے کئی غول میں نے وقتاً فوقتاً دیکھے ہیں..... لیکن کم تعداد.....! نوبے کے قریب چاند نکل آیا..... اور تھوڑی ہی دیر میں سارا جنگل جگمگا اٹھا.....

رات کے وقت..... جنگل میں جو عجیب طلسماتی کیفیت ہوتی ہے اس کا اندازہ شاید ہی کسی کو ہو سکے..... گھنے گھنے تناور درخت ایسے لگتے ہیں جیسے کہ کوہ پیکر دیو ساکت کھڑا ہو اور دیکھنے والوں پر اس کی دہشت طاری ہونے لگے..... ہر تاریک گوشہ پر جھازی پر چٹان..... مجسم خطرہ بنی ہوئی ہے..... خصوصاً مالوے کے جنگل جہاں قدم

اس کے چڑچڑ پانی پینے کی آواز میں سن ہی رہا تھا کہ یکبارگی ہی شیر نے اس پر حملہ کیا اور ایسی زبردست دھاڑ نکالی کہ مجھے محسوس ہوا جیسے وہ درخت جس پر میں بیٹھا تھا تھرانے لگا..... جنگل میں زلزلے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی.....

سپاہی گھبرا کر جاگا..... ساتھ ہی دیہاتی بھی..... وہ دونوں جنگل کے ہی راز دار..... اتنے خوفزدہ نہیں ہوئے.....

شیر کی گرج کے ساتھ ہی سور نے بھی نعرہ مبارزانہ لگایا..... اور میں نے شیر کو چشم زدن سے بھی کم عرصے میں سبزہ زار طے کرتے دیکھا..... اور..... حیرت انگیز طور پر سور نے بھی اسی برق رفتاری کے ساتھ حملہ کیا.....

شیر..... اس کا اعلان جنگ..... نعرہ مبارزانہ..... جس کو سن کر دور دور تک جنگلی جانور دہشت زدہ ہو کر فرار ہو جاتے ہیں..... انسان اکیلے دور سن کر چوکنا ہو جاتا ہے..... لیکن سور پر اس گرج کا کوئی اثر نہیں ہوا..... دراصل..... یہ مبارزہ دیکھنے کا میرا پہلا اتفاق تھا..... اس سے پہلے میں نے سور کو شیر سے جنگ آزما ہوتے نہیں دیکھا تھا..... عظیم بھائی اور دوسرے بزرگوں نے اس قسم کے واقعات بیان ضرور کیے تھے اور مجھے تمنا تھی کہ اس قسم کے مقابلوں کا مشاہدہ کروں.....!

سور..... ہنڈیلا..... وہ سور ہوتا ہے جو اپنی جسامت، طاقت اور بد مزاجی کی وجہ سے عام غولوں سے علیحدہ تنہائی کی زندگی بسر کرتا ہے..... صرف بہار کے دنوں میں رفاقت گوارا کرتا ہے..... دماغ کی خرابی کا یہ عالم کہ شیر کے حملے سے فرار ہونے کے بجائے نہایت ہمت اور بے جگری کے ساتھ مقابلہ کرتا ہے..... اور بالآخر مارا جاتا ہے..... شیر اگر کسی جانور کو مارنے کا ارادہ کر لے تو شاذ و نادر ہی ناکام ہوتا ہے..... حملہ اس قدر نپاٹلا..... اتنا سریع اور اس قدر خوفناک ہوتا ہے کہ ہدف کے اوسان ہی خطا نہیں ہوتے..... بلکہ جان ہی آدھی رہ جاتی ہے..... نعرے کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ اس کی شدت سے شکار کے اعصاب متاثر ہوں اور ان کے معطل ہونے سے اعضا کی حرکت مفلوج ہو جائے..... یہی سبب ہے کہ شیر کے حملہ کرتے ہی شکار کی حرکت معطل

قدم پر شدید خطرہ کہیں گاہ میں ہوتا ہے..... البتہ یہ خطرات صرف انسان کے لیے ہوتے ہیں..... جانوروں کے لیے نہ خطرہ نہ دہشت وہ تو ان ہی کے درمیان رہتے بستے ہیں..... انھیں سے تو خطرہ ہوتا ہے.....!

پگڈنڈیاں..... گھاس..... جھاڑ جھنکاڑ..... جس پر نظر پڑتی ہے وہ ایک خوفناک ہیولا نظر آتا ہے..... لیکن..... چاندنی نکلتے ہی جیسے..... سب اپنا لباس اتار کر سنہری پوشاک زیب تن کر لیتے ہیں..... اور وہ جو دہشت کا اثر ہوتا ہے..... وہ یکبارگی زائل ہو کر ایک فرحت سی پیدا ہو جاتی ہے..... سارے مناظر جواب تک ہیولے بنے ہوئے تھے وہ خوبصورت اور دلکش ہو جاتے ہیں.....

ابھی تک جس سبزہ پوش کنارے پر تاریکی کا تسلط تھا وہاں اب سنہرا فرش بچھ گیا..... اور پانی ایسے جھلملانے لگا جیسے کسی نے سونا پگھلا کر پھیلا دیا ہو..... تالاب کی ساکن سطح پر بھی دور..... پانی کے اندر..... چاند کا عکس درخشاں تھا.....

سپاہی میاں اور دیہاتی دونوں میری ہدایت کے مطابق نزدیکی شاخ سے اپنے کو مضبوط باندھ کر غافل سو گئے تھے.....

جھینگروں کے گیت کے علاوہ نہ کوئی آہٹ نہ آواز.....!

اس گیت کی یہ خوبی ہے کہ تھوڑی دیر تو سماعت کو اس کا احساس رہتا ہے لیکن گھنٹہ دو گھنٹے بعد یہ مسلسل جاری رہنے والا ترانہ اس طرح ماحول میں جذب ہو جاتا ہے کہ معلوم ہی نہیں ہوتا..... یا شاید جنگل کا سناٹا اس کو جذب کر کے شکاری کو اس شور سے بے نیاز کر دیتا ہے.....

کنارا..... یعنی وہ سبزہ زار..... ذرا دیر ساکت رہا..... دور ایک سیبی ذرا دیر پانی پیتی رہی لیکن سیبی آواز نہیں کرتی..... اس کے قدموں کی آہٹ بھی نہیں ہوتی اس لیے کہ پیروں کے نیچے نرم گدی ہوتی ہے..... میں اس کو دیکھ ہی رہا تھا..... کہ یکبارگی جنوبی سمت کی جھاڑیوں میں سے ایک بہت قدر آور بنڈیلا..... یعنی نرسور..... نمودار ہوا..... اور بے تکلفانہ سیدھا پانی پر آیا.....

شیر کے چار چار انچ لائے نوکیلے دانت اس کی گردن میں گھسے ہوں گے.....  
 سوزا دیر ہاتھ پیر چلانے اور شیر کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کرتا رہا.....  
 بتدریج اس جدوجہد میں کمزوری آتی گئی پھر اس کا دم نکل گیا ہوگا..... ساکت ہو گیا.....  
 شیر اس کی گردن اس طرح دبائے تقریباً دس منٹ بیٹھا رہا..... اس کے بعد  
 ایک قدم پیچھے ہٹ گیا..... گرفت چھوڑ دی..... لیکن نظریں اس طرح گردن پر جمی  
 تھیں..... سور میں خلیفہ سی جنبش ہوتی..... اور شیر نے چشم زدن میں پھر گردن  
 دبا لی..... اس بار چھ منٹ یہ گرفت قائم رہی..... پھر اس نے سور کو چھوڑ دیا..... چند لمحے  
 دوبارہ اس میں کسی حرکت کا منظر رہا..... جب یقین ہو گیا کہ اب وہ موذی مرہی گیا ہے  
 تو وہ تین گز ہٹ کر بیٹھ گیا..... اور غالباً بیس منٹ بہ آرام بیٹھا رہا..... اس کے بعد اٹھ  
 کر لاش کے پاس آیا..... اس کو سونگھا..... ایک بچہ اس پر رکھ کر شاید لاش کو ہلایا اور دو  
 لمحے اس کو دیکھتا رہا..... پھر تالاب کی طرف آ گیا.....  
 شیر پانی پینے میں جلدی نہیں کرتا..... خصوصاً ایسی حالت میں کہ اس کا شکار  
 سامنے پڑا تھا..... اور شکار بھی وہ جو اس کو بہت مرغوب ہوتا ہے..... اس نے ٹھہر ٹھہر کر  
 پانی پیا اور تقریباً بیس بائیس منٹ کے بعد اٹھ کر سور کی لاش کے پاس آیا..... اور چند  
 لمحوں بعد ہی اس کو کھانا شروع کر دیا..... شیر کی عادت ہے کہ دونوں ٹانگوں کے بیچ میں  
 نرم پیٹ پر پنجے سے ایک چیرا لگاتا ہے شیر کا جیسا مشاق جراح..... سارا پیٹ سینے سے  
 دم کے نیچے تک ایک ہی ضرب میں کھل جاتا ہے..... پیٹ کی آلائش و نجس کا بیشتر حصہ  
 تو تر تھانے کی طرح اس کے حلق سے فوراً ہی اتر گیا..... پھر سینے کے جوف میں سر ڈال  
 کر اس نے دل و جگر و پھیپھڑے وغیرہ نوش کیے اس کے بعد لاش کے پاس سے ہٹ کر  
 منہ چائنا اور غالباً چہل قدمی کے طور پر کسی قدر ٹھٹھارتا رہا پھر دو چار گھونٹ پانی پی کر دوبارہ  
 لاش کے پاس آیا اور رانوں کا نرم گوشت نوچ نوچ کر کھانا شروع کیا.....  
 یہ تماشا صبح تک جاری رہا..... نہ سانہر آیا..... نہ اور کوئی جانور..... بھلا ایسی  
 حالت میں شیر اسی جگہ اتنا فساد کرنے کے بعد سور کو ہلاک کر چکا اور ضیافت بھی وہیں اڑا

ہو جاتی ہے اور بھاگنے کے بجائے جانور اپنی جگہ پر منجمد رہ جاتا ہے.....  
 لیکن شیر ہر دفعہ حملے سے پہلے نعرہ نہیں لگاتا..... بالعموم خاموشی سے نکلتا اور  
 برق کی سی حرکت کے ساتھ جانور کو دبا لیتا ہے..... نہ شور نہ آواز..... نعرہ صرف اس  
 وقت لگاتا ہے جب کسی طاقتور دشمن کو ہلاک کرنے کا ارادہ ہو.....  
 سور کا حملہ اکثر بہت مہلک ہوتا ہے..... اس کے بڑے بڑے نوکیلے دانت  
 اس کا بہت کامیاب ہتھیار ہیں..... جن کی ایک ضرب تلوار کی طرح گہرا اور لانا زخم  
 پہنچاتی ہے..... لیکن یہ سر جھکا کر ایک دفعہ سیدھا دوڑتا ہے اور اپنے زور میں بھاگا  
 چلا جاتا ہے..... اس کی پتلی ٹانگیں اور بھاری بھر کم جسم اس کی تیز رفتاری کے دوران  
 فوری رکنے یا برق رفتاری کے ساتھ گھومنے میں ہارج ہوتا ہے.....  
 سور نے حملہ کیا..... شیر کی برق رفتاری کا دنیا کا کوئی جانور مقابلہ نہیں کر  
 سکتا..... تیز رفتاری کے باوجود وہ بجلی کی طرح ایک طرف ہو گیا تحریک اور سور اپنے  
 تھکر کے زور میں قریب سے گذرا..... شیر نے اس کی ران پر ایک تھپڑ رسید کیا..... اور  
 سور لڑکھڑا کر رہ گیا..... میں یہ نہ دیکھ سکا کہ اس تھپڑ نے اس کو زخم پہنچایا کہ نہیں.....  
 میرے پاس دوز بین نہیں تھی..... لیکن مجھے یقین ہے کہ گہرا زخم آیا ہوگا..... سور بالآخر  
 چند فٹ آگے جا کر پلٹا اور پھر حملہ کیا..... یہ جنگ تقریباً سات منٹ جاری رہی اور اس  
 عرصے میں سور نے جس قدر زخم کھائے اور جتنا خستہ ہوا اس کا اندازہ صرف اس سے کیا  
 جاسکتا ہے کہ آخر میں شیر اس سے کھیل رہا تھا..... ادھر سے تھپڑ مارتا تو سور چیختا ہوا ایک  
 طرف لڑھک جاتا..... دوسری طرف سے تھپڑ پڑتا تو ادھر لڑھک جاتا..... اب میں  
 صاف دیکھ رہا تھا کہ وہ لہو لہان ہو چکا تھا..... سارا خون میں تر تھا..... لیکن اس کی ہمت  
 اور مقاومت کی داد دینا چاہیے کہ اتنے زخموں اس قدر بے بسی کے باوجود اس نے شیر پر  
 حملے کرنا بند نہیں کیے..... تاہم آخر کار ایک دفعہ شیر نے اس کی گردن زخملے کی جانب  
 سے پکڑ کر جو جھکا دیا تو سور دھڑام سے گرا اور شیر نے اس کو وہیں دونوں پنجوں سے دبا  
 دیا..... سور کی گردن تو پہلے ہی اس کے سنگ شکن جبڑے کی زبردست گرفت میں تھی اور



کار میں بیٹھتا اور تین ساڑھے تین گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد میں شکار گاہ میں ہوتا تھا..... ایک دو بار محض تفریح کی غرض سے میں ٹرین سے بھی گیا..... اور ایک بار ملک وال اور دوسری بار ہرن پور میں اتر کر اونٹ پر سوار ہو کر پہاڑوں میں گھومتا پھرا..... یہ علاقے قربت کی وجہ سے میری جولان گاہ بن گئے تھے.....

امریکہ میں بھی میں نے اسی طرح اپنی جولان گاہ بنا رکھی ہے..... میں ٹلسا میں رہتا ہوں..... اوکلاہوما شکار کی جگہ نہیں ہے..... یہاں ہرن کے سوا اور کوئی ایسا قابل شکار جانور نہیں ہوتا جس کے لیے میں جاسکوں..... اوکلاہوما کی جنوب مغربی پہاڑیوں کے محفوظ علاقے میں الگ (ELK) ہوتا ہے..... لیکن اس کے شکار کے لیے سال بہ سال قرعہ اندازی ہوتی ہے اور تین لائسنس جاری کیے جاتے ہیں..... قرعہ اندازی میں شرکت کرنے والے کم از کم بیس تیس ہزار لوگ تو ضرور ہوتے ہیں.....!

لیکن جس کو جنون صحرا نوردی ہو وہ اپنے ذوق کی تسکین کا کوئی نہ کوئی سامان ضرور کر لیتا ہے..... چنانچہ میں کم از کم جنگل نوردی کے لیے ہی شکار گاہوں میں گشت کرتا رہتا ہوں..... بعض علاقوں کے فاریسٹ رینجرز اور گیم وارڈن مجھے پہچان گئے ہیں..... ویسے بھی اخبارات میں کبھی کبھی میرے انٹرویو شائع ہوتے ہیں ان میں تصویر بھی ہوتی ہے..... اور جن لوگوں کو شکار سے دلچسپی ہے وہ مضمون پڑھتے ہیں تو تصویریں بھی دیکھتے اور مجھے پہچان لیتے ہیں.....

ٹلسا کے اطراف میں کئی اچھی شکار گاہیں ہیں جن میں کافی تعداد میں ہرن ہیں..... سال میں ایک دفعہ..... نومبر کی اکیس تاریخ کو رائفل کے ذریعے شکار دس روز کے لیے کھلتا ہے..... الگن (ELGIN) کی شکار گاہ بہت مقبول ہے..... وہاں تو ان دنوں میں میلے کی سی کیفیت ہوئی ہے..... شکار گاہ کے پارکنگ لائٹ میں کم از کم چھ سات خیمے لگے ہوتے ہیں..... ساتھ باریکو ہو رہا ہوتا ہے..... ریڈیو ہلکی آواز میں چل رہا ہوتا ہے اور چند لوگ عیش کر رہے ہوتے ہیں..... اصل جنگل وہاں سے کوئی آدھے

چکاب کس جانور کی مجال تھی کہ وہاں آتا.....

میرے لیے یہ مشاہدہ بہت دلچسپ اور نیا تھا..... اس کے بعد تو جیسے جیسے میرے شکار کا دائرہ وسیع تر ہوتا گیا میں اس قسم کے کھیل کا مشاہدہ کرتا ہی رہا.....

آصف آباد کے جنگلوں میں دور قیب شیروں کی خوں آشام جنگ..... ایسی حالت میں کہ وہ حسینہ جس کے لیے یہ جدال و قتال ہو رہا تھا قریب ہی بیٹھی بے نیازانہ دونوں عاشقان زار کو لہو لہان ہوتے دیکھ رہی تھی.....

غرضیکہ..... یہ شکار.....!

یہ سب اس وقت نظر آتا ہے جب شکاری سارا سارا دن..... بلکہ ہفتوں..... گھنے جنگلوں میں بسر کرے..... اور اس طرح جنگل میں موجود ہو کہ اس کی موجودگی جنگل کی امن و سکون میں حارج نہ ہو..... شکاری اسی وقت کامیاب ہوتا ہے جب وہ جنگل کے سکوت، ماحول اور لوازمات کے مماثل ہو جائے..... جنگل کے ماحول میں گھل مل جائے..... جنگل کا ایک حصہ بن جائے.....

امریکہ کے بعض جنگلات خطرناک ہیں..... ہر لمحہ ہوشیار رہنا پڑتا ہے.....! پاکستان میں گھنے جنگل تو نہیں ہوتے البتہ شمالی علاقوں میں چیل کے درخت بلند و بالا اور قریب ہوتے ہیں بعض جگہوں پر خاصے گھنے ہو جاتے ہیں..... نتھیا گلی اور ایوبیہ کی طرف بھی بعض جگہوں پر جنگل گھنے ہیں لیکن وہاں قابل شکار جانور کوئی نہیں..... چترال میں البتہ بہت شکار ہے..... ہڑیال..... چکارا..... غزال..... اور موہال..... گلگت اور سکرو کے علاقوں میں ہرن بھی ہوتے ہیں.....

پاکستان میں..... ۱۹۵۱ء سے ۱۹۶۸ء تک میں نے مختلف علاقوں میں شکار کیا..... اور مجھے ان سارے علاقوں سے جہاں جہاں میں گیا عشق ہو گیا..... خصوصاً جہلم..... کوہستان نمک..... اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ میں لاہور میں رہتا تھا اور جو چو عاسیدن شاہ غریب والی..... پنڈ دادن خاں..... میر پور..... ترکی..... یہ سب علاقے لاہور سے قریب ترین شکار کے علاقے ہوتے تھے اور میں جب دل چاہتا ہندوق لے کر



لیکن اب بھی کچھ نہ کچھ نظر تو آ ہی جاتا ہے..... کم از کم ایک یادگار تو ہے ہی.....  
الاسکا کے ریچھ کے شکار کا قصہ روزنامہ مشرق میں قسط وار شائع بھی ہوا

تھا.....

کینڈا میں شکار کی کثرت ہے..... لیکن دشواری یہ ہے کہ حکومت کینڈا غیر ملکی شکاریوں سے خطیر رقم بطور فیس طلب کرتے ہیں جو ضرورت سے زیادہ ہوتی ہے..... رقم اتنی دشوار نہیں اگر صرف اسی کی بات ہو تو ایک بار دو ہزار ڈالر دینا ہی پڑیں تو مضائقہ نہیں..... لیکن انھوں نے قانون بنا دیا ہے کہ باہر سے آنے والے شکاری کسی (OUTFITTER) کی خدمات بھی حاصل کرے..... اور آؤٹ فٹر کی فیس کم از کم تین ہزار ڈالر تو ضرور ہے..... اس طرح تقریباً چھ ہزار ڈالر تو یوں ہوتے ہیں..... پھر دوسرے اخراجات..... ٹرائی فیس، لائسنس فیس وغیرہ ملا کر کوئی دس ہزار کا خرچ تو ہے ہی..... میں جب الاسکا گیا تھا تو بہ آسانی اور نہایت ارزاں کی ریبو شکار کا لائسنس بھی مجھے مل گیا تھا اور میں نے وہ عدد کیریبو مارے..... یہ جس کثرت سے پائے جاتے ہیں اس کا اندازہ اگلے صفحے کی تصویر سے کیا جاسکتا ہے..... ان کے غول سینکڑوں پر مشتمل ہوتے ہیں..... اور اس طرح ملے ہوئے بھاگتے ہیں کہ اگر آنکھ بند کر کے بھی رائفل فائر کر دی جائے تو ایک نہ ایک کے گولی لگ جانا لازمی ہے نشانہ لینے کی ضرورت ہی نہیں.....

امریکہ میں قابل شکار جانوروں کی کثرت ہے..... اور اس کی وجہ صرف وہ سخت قوانین..... اور قوانین کے اجراء میں انتہائی غیر جانبدارانہ تعزیرات ہیں..... خلاف قانون شکار کرنے والی کی گرفت بڑی سخت ہے..... امریکہ میں قانون نے نہایت غیر معصبانہ غیر جانبدارانہ اور کسی قسم کی رعایت کے بغیر ہوتا ہے.....

کوئی گرفت میں آجائے تو سفارش، رسوخ یا رشوت کچھ نہیں چلتا کہ لوگ شادی بیاہ کی جا کر ہی رہتا ہے..... اور فوری کارروائی ہوتی ہے..... معالاً تے تھے اور ان کا گوشت فیصلے کے انتظار میں لٹکے رہنے کا طریقہ نہیں ہے.....

میل پر شروع ہوتا ہے اس لیے کیمپنگ سائٹ میں شور و غل سے شکار پر فرق نہیں پڑتا..... جو لوگ عیش کر رہے ہوتے ہیں انھیں کے چند ساتھی جنگل میں ہرن کی فکر کر رہے ہوتے ہیں.....

امریکہ کے ہرن بھی بہت چالاک اور انسانوں کی سرشت سے واقف ہوتے ہیں..... ویسے تو شکار گاہوں میں ہی رہتے ہیں جہاں ان کے لیے گندم اور مکئی کی فصلیں تیار کی جاتی ہیں اور خوراک کی افراط ہوتی ہے لیکن ادھر شکار کھلا ادھر یہ بھاگ کے نزدیکی شخصی زمینوں پر نکل جاتے ہیں جہاں ان سے کوئی تعرض نہیں کرتا..... گرمیوں کا اختتام ہوتے ہوئے میری شکاری مصروفیات بڑھ جاتی ہیں..... ان دنوں نہ میں مشاعروں میں شرکت کرتا ہوں..... نہ مذہبی جلسوں میں..... مجھے ایک بار کولورائیڈو جانا ہوتا ہے جہاں مجھے ایک الک (ELK) اور ایک میول ڈیر (MULE DEER) کا لائسنس بہ آسانی ملتا ہے..... الک کے لائسنس کی فیس ڈھائی سو ڈالر اور میول ڈیر کے لائسنس کی فیس ڈیڑھ سو ڈالر ہوتی ہے..... یہ شکار اکتوبر کی سات تاریخ سے چودہ اکتوبر تک کے لیے ایک بار کھلتا ہے..... دوسری بار میں تاریخ سے تیس تاریخ تک دس دن کے لیے نیو میکسیکو میں (ELK) اور ہرن کا شکار کھلتا ہے..... میں وہاں بھی پہنچتا ہوں..... اور دونوں کے لیے کوشش کرتا ہوں..... کچھ سال یعنی ۱۹۹۴ء میں میں صرف ELK مار سکا اس میں اتنا وقت صرف ہو گیا کہ ہرن کے لیے نکلنے کا موقعہ نہیں ملا..... صرف دو روز رہ گئے تھے اور میں اس قدر خستہ و ماندہ تھا کہ واپسی ہی بہتر معلوم ہوئی.....

نومبر میں مانیٹنا میں کالے ریچھ ELK □ موز MOOSE □ اور ہرن کا شکار کھلتا ہے..... میں وہاں بھی ریچھ کے لیے پہنچتا ہوں..... تین سال سے ہر موسم میں کوشش کرنے کے باوجود مجھے مانیٹنا میں ریچھ کے شکار میں کامیابی نہیں ہوئی..... میں نے صرف الاسکا میں ایک ریچھ شکار کیا..... اس کی ایک نقصان رسیدہ تصویر اس کتاب میں شامل ہے تصویر میرے اثاثے میں آتشزدگی میں نذر آتش ہو کر خراب ہو گئی.....

سرت کے ساتھ حرام خوری کی تبلیغ فرماتے..... نیاز محمد خاں جو خود نہایت متقی اور پرہیز گار شخص تھے..... ان تیتروں میں سے دو ایک خود کھالینے سے تقویٰ متاثر تھوڑی ہوتا تھا..... ایسی حالت میں کہ سکر میٹری زراعت..... جو محکمہ شکار کے سربراہ بھی تھے..... خود نمازی ہی ہوں گے..... ہر مسلمان نام کے شخص کے بارے میں یہی حسن ظن رکھنا چاہیے کہ وہ صاحب ایمان نمازی ہوگا..... ان سکر میٹری زراعت کو حکومت پاکستان نے اقوام متحدہ کے FAO کو مستعار دیے دیا تھا..... اور کچھ عرصہ یہ صاحب تہران میں بھی معین رہے..... نمازی ہی تھے..... تیتر کھا کھا کر نماز پڑھنا بڑا خشوع و خضوع پیدا کرتا ہے..... اور اگر تیتر مفت ہاتھ آئیں تو برا کیا ہے.....!

پاکستان میں شاید ہی کسی کو احساس ہو کہ جنگلی جانور ملک کی بیش بہا دولت ہیں.....! اور ان کی حفاظت اور بقا کس قدر اہم ہے.....؟

کئی سال گزرے کہ ایک بار میں پاکستان گیا اور لاہور میں جا بجا ایک نہایت مضحکہ خیز اشتہار لگا دیکھا..... اس پر لکھا تھا..... خدا کے لیے پاڑے پر رحم کیجئے اور اس کو نہ ماریئے..... مجھے بتایا گیا تھا کہ لوگ سورمانے کے بہانے سے جہاں پاڑا پایا جاتا ہے وہاں سور مارنے کے ارادے سے آتے ہیں..... سور کا مارنا بہت اچھا اور ضروری ہے..... لیکن سور کے بجائے پاڑے مارنے کا کام کرنے لگتے ہیں..... اور پاڑے بھی اسی قدر جیسے اس کا نام نشان مٹانے کے درپے ہوں.....

غالباً..... پاکستانی ہندو تپتی اب تک پاڑے کو نیست و نابود کر چکے ہوں گے.....!

شکار..... شاہ کار ہے.....!

شکار..... شاہانہ کام ہے..... بشرطیکہ اس کو شرافت، تہذیب، عقلمندی اور وقار کے ساتھ انجام دیا جائے..... قصابوں اور تباہ کاروں کا شکار میں کوئی کام نہیں.....

ایک زمانے میں بھوپال میں شکار کی کثرت کا یہ دور تھا کہ لوگ شادی بیاہ کی تقریب میں گوشت خریدنے کے بجائے بارہ ہرن مار لاتے تھے اور ان کا گوشت

میرے گزشتہ پاکستان کے دورے کے موقع پر ابو خورشید حقانی صاحب کے ایک دوست مرزا صاحب مجھے اپنے ہڑیال کے شکار کا قصہ سنا رہے تھے..... اور بیان کیا کہ وہ جہلم کے کسی علاقے میں شکار پر گئے اور کسی مقامی زمیندار کے مہمان ہوئے..... اسی زمیندار نے ان کو مدعو کیا تھا..... اتفاق سے اسی روز اس علاقے میں پولیس وارد ہوئی..... مرزا صاحب نے فرمایا کہ زمیندار بہت برا فروختہ ہوا کہ اس کے علاقے میں پولیس کو داخل ہونے کی جرات کیسے ہوئی..... اور یہ کہ پولیس کی کیا مجال کہ کسی کو اس کے علاقے میں شکار سے روک سکے.....!

امریکہ میں تو ملک کے صدر کو بھی ایسی بات کرنے کی جرات نہیں ہو سکتی.....! جب عام زمیندار کا یہ حال ہو کہ اس کے علاقے میں پولیس کی ورود کی جرات نہیں تو شکار کی حفاظت کے قوانین کون نافذ کر سکتا ہے..... اور جانوروں کی حفاظت اور بقا کیسے ممکن ہے..... اسی لیے پاکستان میں شکار کے قابل جانور بتدریج ختم ہوتے جا رہے ہیں..... حقانی صاحب کی زبانی ہی معلوم ہوا تھا کہ اب ہڑیال تو جہلم میں بمشکل ہی نظر آتے ہیں..... اللہ جانے.....!

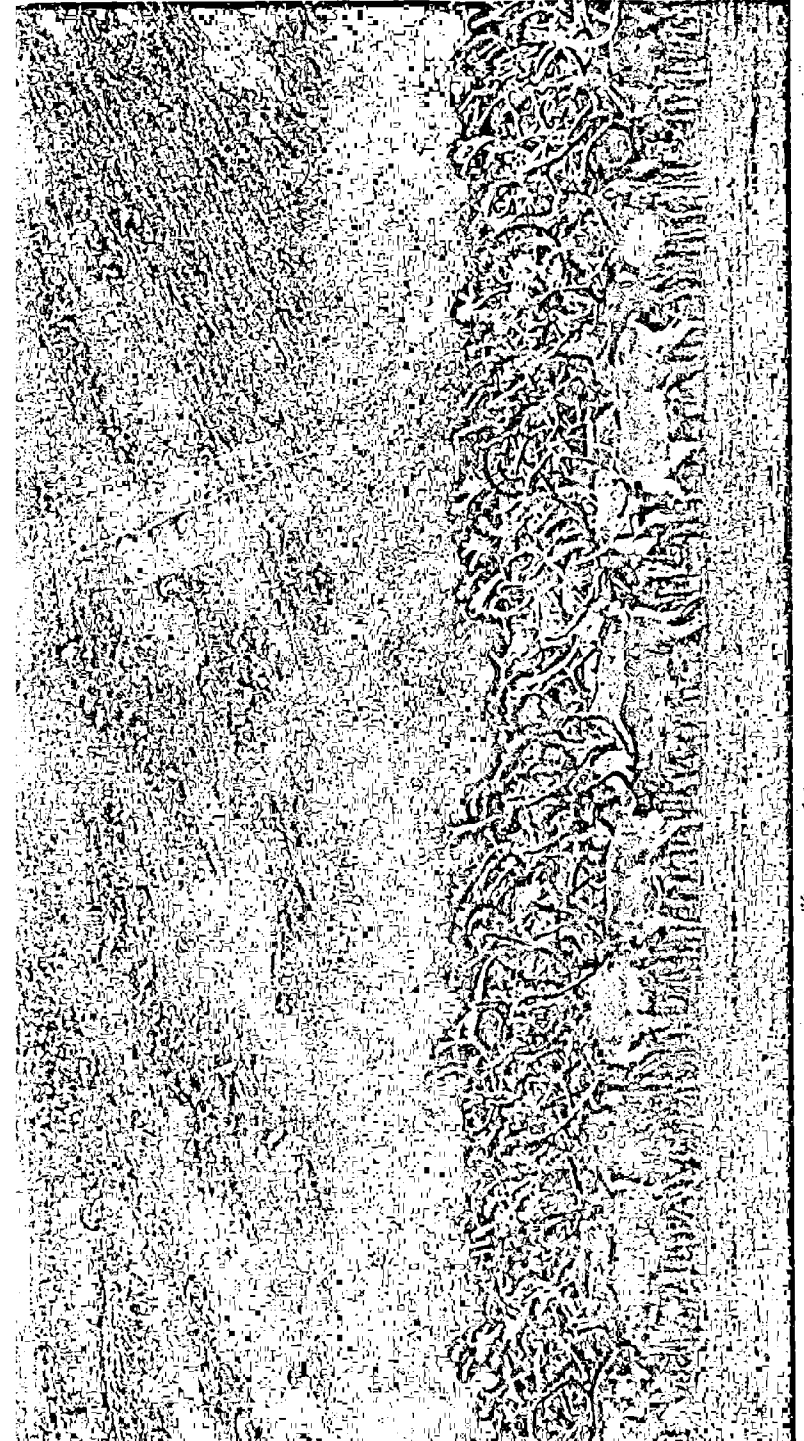
میں جس زمانے میں پاکستان میں تھا اور پاکستان ایک ہی صوبہ ہوا کرتا تھا ان دنوں..... نیاز محمد خان صاحب گیم وارڈن ہوتے تھے انھوں نے شکاریات پر نہایت مناسب سختی کر رکھی تھی لیکن وہ بھی گیم واچر کے نام کی نہایت حقیر شے کو رشوت خوری اور خود غرضی سے روک نہیں سکے تھے..... دراصل جب تک خود گیم واچر میں دیانت اور کام کی عبادت سمجھنے کے جذبہ نہ ہو تب تک شکار کی نگرانی ممکن نہیں.....!

خود سکر میٹری محکمہ زراعت..... اس زمانے میں جبکہ تیتر کا شکار بند ہوتا تھا..... نیاز محمد خاں سے تیتر مہیا کرنے کا تقاضا کرتے تھے اور نیاز صاحب اپنے اسٹنٹ رحیم صاحب کو دباتے وہ گیم واچر کو دباتے اور وہ غریب تیتر پکڑ پکڑ کر ان کو پہنچاتا اور نیاز صاحب پنجرے اٹھائے سکر میٹری صاحب کو سلام کرتے..... اور سکر میٹری صاحب نہایت

ضیافت میں استعمال ہوتا تھا..... تا انیکہ خود نواب حمید اللہ خاں نے شکار پر پابندی عائد کی اور اختر علی خاں جب چیف کنسرویٹر آف فارسٹ مقرر ہوئے تو انھوں نے اس طریقے کی اصلاح جس قدر ممکن تھی کی مگر کاملاً روک نہیں سکے..... اس وقت نہ تو حمید اللہ خاں کو یہ خیال آیا نہ اختر خاں کو کہ بھوپال کے جنگلات میں جو بیش بہا خزانہ حیات حیوان کی شکل میں موجود ہے اس کی بقا کے لیے کوشش کریں..... تاکہ وہ لا تعداد شیر جو بھوپال کے ہر علاقے میں بکثرت تھے بے شمار چیتے..... سیکڑوں سیاہ ریچھ..... ہزاروں سانہرے بارہ سنگھے، چیتل، ہرن، چکارے وغیرہ سب اس طرح قائم رہ سکیں جس طرح وہ اس دور میں ہوا کرتے ہیں..... لیکن ایسا نہیں ہوا.....!

حیدر آباد دکن میں بھی اس سلسلے میں کوئی اقدام نہیں کیا گیا..... حیدر آباد..... ہندوستان کی سب سے بڑی اور نہ صرف اس برصغیر کی متمول ترین ریاست تھی بلکہ دنیا کی دولت مند ترین رہاستوں میں سے ایک تھی..... اور ۳۵-۱۹۳۰ء میں بھی سارے برطانوی ہند کے ہر علاقے سے زیادہ پیشرفتہ و ترقی یافتہ ریاست تھی..... شکار کی جو کثرت حیدر آباد دکن میں تھی اس کا مقابلہ افریقہ کے علاقوں کے سوا اور کہیں ممکن نہیں تھا..... شیروں کی تعداد کا یہ عالم تھا کہ صرف آصف آباد کے جنگلوں میں تقریباً دس بارہ میل کے فاصلے پر دو ایک شیر رہتے تھے..... میں کہہ سکتا ہوں کہ اس تناسب کے تحت صرف آصف آباد میں کم از کم ڈھائی سو شیر ہونے چاہیے..... اور اگر اسی حساب سے دکن کا تخمینہ کروں تو ممکن ہے..... تقریباً تین ہزار شیر ہوں..... کم و بیش..... اس طرح بھوپال اور دکن میں ہی پانچ ہزار شیر ہوئے.....

برصغیر کی حیات حیوانی کو..... خصوصاً شیر چیتے اور ریچھ..... سب سے زیادہ نقصان برطانوی شکاریوں نے پہنچایا ہے ان لوگوں کو ہندوستان کی دولت لوٹنے غارت گری کرنے اور ملک کو تباہ کرنے کا فریضہ منصبی ادا کرنا تھا..... ہر وہ انگریز جو ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس کے بعد حکومت انگلستان کے تحت متعین کیا جاتا اس نے خواہ تمام عمر کبھی راقط نہ چلائی ہو..... لیکن ہند آتے ہی وہ شیر کے شکار کی فکر سب سے



کامیاب ہو گئے کہ میرے ساتھ شکار پر جائیں..... اور اب وہ خود بخود شکار کے سارے انتظامات کر رہے ہیں.....

سات اکتوبر کی شام ہم ٹلسا سے روانہ ہو کر..... انشاء اللہ تعالیٰ سبحانہ..... آٹھ اکتوبر کو قبل دوپہر کالورڈو کے برف پوش پہاڑوں میں بولڈر (BOULDER) پہنچیں گے..... اور ایک گھنٹہ بعد پہاڑ کی بلندی پر واقع کیمپ میں..... یہاں پیٹ Pet خیمے نصب کریں گے..... پھر اس روز مکمل آرام کریں گے اور سوئینگے وہاں ایک دن اس طرح گزارنے کا سبب یہ کہ دس ہزار فٹ کی بلندی پر آکسیجن نسبتاً کم ہو جاتی ہے..... ایک روز وہاں کے رہنے کے بعد جسم اس ہوا سے مناسبت پیدا کر لیتا ہے.....

اس شکار کی تفصیل اور تصاویر ایک مکمل کتاب کی شکل میں انشاء اللہ سبحانہ..... شائع ہوں گی میں نے اس کتاب کا آغاز ابھی نہیں کیا..... امید ہے کہ اکتوبر کی پہلی تاریخ سے اس کی تحریر کا کام شروع ہو گا..... اور دسمبر تک کتاب مکمل ہو کر ناشر کو پہنچ جائے گی..... وہ کب شائع کریں یہ ان کی مصلحت پر منحصر ہے..... اس کتاب کا نام ہے.....

قطب شمالی کے قریب شکار:

یہ مکمل کتاب صرف ایک ہی شکار کے مفصل واقعات پر مبنی ہوگی اور اس میں کارلوریڈو کے برف پوش پہاڑوں میں میرے دس روز شکار کی پوری داستان تفصیل کے ساتھ بیان کی جائے گی..... اس سے پہلے میں نے جتنی کتابیں لکھیں..... شکار کے بارے میں..... ان میں میرے مختلف شکاروں کے قصے ہوا کرتے تھے..... ہر کتاب میں پانچ چھ واقعات..... لیکن اب میں نے یہ طریقہ کار تبدیل کر دیا..... اب میں جس شکار پر جاؤں گا انشاء اللہ صرف اس کے بارے میں پوری ایک کتاب لکھوں گا.....

اس طرح نہ صرف شکار کی تفصیلات..... بلکہ ماحول، اتفاقات، مقامات کی تفصیل، مشاہدات و تجزیات اور دوسری متعلقہ معلومات..... مہیا ہوں گی..... اور میرا ہر شکار ایک دستاویز بننا جائے گا.....

پہلے کرتا تھا.....

ان غارتگروں کو ہر قسم کی سہو میسر ہوتی تھیں..... ان دنوں انگریز آقا ہوا کرتا تھا..... اس لیے ہر ہندی ان کا خادم..... مقامی دیسی حکام ان کے سامنے غلاموں کی طرح ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے تھے..... شیر اور دوسرے جانوروں کو یہ صاحب بہادر ان ہانکے سے شکار کرتے اور ان کو ہانکے کرنے والے کسی خرچ یا دشواری کے بغیر لا تعداد میسر آ جاتے..... ہانکے میں جو جانور ٹکلتا اس کو صاحب بہادر..... یا ہم صاحب..... یا ان کے ساتھی..... مار دیتے..... میں نے ایک ایسی تصویر دیکھی جس میں ایک شخص نے صرف ایک شکار میں پانچ شیر..... دس بارہ چیتل..... اتنے ہی سانہر اور نجانے کتنے چھوٹے جانور شکار کیے.....

پاکستان میں وہی کام زمیندار..... ان کی اولاد..... اور بعض افران بالا..... انجام دیتے رہے ہیں..... اور گیم وادچر پانچ روپیہ انعام لے کر خوش و خرم رہا ہے..... پچھلی بار جو میں لاہور گیا تو ایک روز مجھے ایک صاحب نے فون کیا اور بتایا کہ وہ پنجاب اسمبلی کے ممبر ہیں اور مجھے ملنا چاہتے ہیں..... میں نے اپنے پتہ بتا دیا اور وقت ملاقات..... وہ بروقت آئے..... جوان آدمی تھے..... اور غالباً مظفر گڑھ کے زمیندار تھے..... شکار کے شوقین تھے..... حیرت ان کی سادہ مزاجی اور اخلاقی پر تھی..... ورنہ پنجاب اسمبلی کے ارکان تو فرعون بے سامان ہوتے ہیں..... انھیں میں سے ایک صاحب نے ایک پولیس افسر کی سرراہ پٹائی کر کے اپنے آپ کو مظلوم ثابت کر دیا.....

لیکن یہ جو مجھ سے ملنے آئے تھے نہایت مہذب اور معقول آدمی معلوم ہوتے..... شکاری تھے اور اسی سبب سے ان کو مجھ سے ملنے کی تمنا ہوئی..... میرے لیے یہ کوئی نئی بات نہیں..... امریکہ میں بھی شکار دوست لوگ مجھے سے ملنے اور بعض لوگ میرے ساتھ شکار پر جانے کی خواہش کرتے تھے..... ان دنوں جبکہ میں یہ کتاب لکھ رہا ہوں میرے ایک جاننے والے..... ڈاکٹر پیٹ ٹیٹ (Dr. PAT TATE) جو فارمیٹ (PHARMACIST) ہیں بالآخر مجھے اس امر پر راضی کرنے میں

ہوں.....!

مجھے شکار بے انتہا عزیز ہے..... میں ہندوق یا رانفل ہاتھ میں لے کر جب میدانوں، پہاڑوں وادیوں اور مرغزاروں میں مخورام ہوتا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خدائے رحیم و کریم نے مجھے دنیا میں بھی فردوس بریں عطا فرمائی ہے..... اور عقبیٰ میں انشاء اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و عنایت سے ہی نوازے گا اور مجھے فردوس میں دس بیس لائٹ ایریز پر محیط شکار گاہ عطا فرمائے گا جہاں میں ہمیشہ شکار میں ہی مصروف رہوں گا اور اس خالق کائنات کا شکر ادا کرتا رہوں گا.....

میں اب سہمی اس کا شکر گزار بندہ ہوں..... میری نماز کی قضا نہیں ہوتی..... میں کہیں بھی ہوتا ہوں..... نماز سے غافل نہیں..... حتیٰ کی آدم خور شیر کے جنگل میں جبکہ کسی بھی لمحے اس کے حملے کا خطر ہوا کرتا تھا..... میں نے نماز قضا نہیں کی..... اشاروں سے کھڑے کھڑے ادا کی..... لیکن قضا نہیں کی..... اور دوسرے ارکان بھی حتی الامکان ادا کرتا ہوں..... اللہ کا شکر ہے..... تلاوت قرآن میرا معمول ہے..... حدیث و تفسیر میرے مطالعے میں رہتی ہیں.....

اللہ تعالیٰ سبحانہ نے میرے وقت میں بھی برکت عطا فرمائی ہے..... مجھے وقت کی تنگی کا کبھی شکوہ نہیں ہوتا جو کام مجھے کرنا ہوتا ہے اس کا وقت میرے پاس ہوتا ہے..... شکار..... دن رات میرا مشغلہ ہے..... شاعری..... مشاعرہ میں شرکت جس کے لیے مجھے دوسرے شہروں سے دعوت نامے آتے رہتے ہیں اور میں اکثر جاتا ہوں..... تخلیق ادب..... گھر میں وسیع و عریض پائیں باغ میں باغبانی..... پھولوں کے پودوں کی آبیاری..... اپنے بیٹے کے ساتھ گھر کی نگہداشت کا کام..... دوسرے تیسرے روز لافارچون (LAFOR TUNE) پارک جا کر پارک کا ایک چکر..... جو ساڑھے تین میل کا فاصلہ ہے اور ہر میل پر سنگ میل نصب ہیں..... اس کے علاوہ آمد و رفت ملنا جلنا، سیر و تفریح..... پوتے اور نواسوں کے ساتھ کچھ وقت..... بیٹی اور بیٹوں کے ساتھ کچھ وقت گزاری..... ٹیلیفون..... خطوط نویسی..... ساری دنیا کے مختلف مقامات

میں وہ واحد شکاری ادیب ہوں جس نے شکار کے واقعات کو ادب کا مقام عطا کیا..... ابھی تک اس موضوع پر جو افسانے لکھے گئے اول تو وہ سارے کے سارے فرضی واقعات ہوا کرتے تھے..... اور ان کی مصنفین ادیب بھی نہیں تھے..... ان واقعات کو قابل اعتنا تصور نہیں کیا گیا..... ان میں بعض تراجم بھی ہوئے.....!

اس کے برعکس میری تالیفات نہ صرف سچے واقعات اور تجربات پر مبنی ہیں بلکہ ان کا حسن بیان، ان کا طرز تحریر، زبان، محاورات، اور حسن سبب منفرد ہیں..... جو کسی بھی ادبی تالیف کے برابر ہیں..... وہ سارے عناصر جن کے مجموعے سے ایک کامیاب افسانہ بنتا ہے..... وہ سب میرے واقعات میں بدرجہ اتم موجود ہیں..... مستزاد یہ کہ سارے واقعات سچے ہیں..... سارے ہی ادب کا حصہ ہیں.....

میں نے کسی شکاری کے بارے میں نہیں پڑھا نہ سنا کہ وہ ادیب اور شاعر بھی ہے..... بحمد اللہ مجھے اللہ تعالیٰ سبحانہ نے ان دونوں صفات سے بھی نوازا ہے..... میری متعدد ناولیں..... افسانے شائع ہو چکے کلام کے دو مجموعے..... نیم سند..... اور..... زینت حنا..... شائع ہو چکے..... منظوم تاریخ پاک و ہند کا پہلا حصہ شائع ہوا..... تیسرا مجموعہ کلام ”جگنو شبنم تارے“ زیر اشاعت ہے..... کیا خبر اس کتاب کی اشاعت سے پہلے ہی وہ شائع ہو جائے.....! چوتھا مجموعہ کلام زیر ترتیب ہے.....!

شعر و ادب میں الحمد للہ میرا اک مقام ہے..... میرا نام ہے..... خواہ میں کتنا ہی غیر معروف کیوں نہ ہوں..... لیکن ادب میں میرا تذکرہ ناگزیر ہوگا..... نقد خن مجھے نظر انداز نہ کر سکے گا..... انشاء اللہ.....! اور اگر یہ سب نہ بھی ہو..... تو مجھے کیا فرق پڑے گا..... میرا نام پہلے بھی کہیں نہیں ہے..... آئندہ نہ ہوگا تو کیا ہو جائے گا.....! مجھے جو کرنا تھا کیا..... جو لکھنا تھا لکھا..... اور نہیں معلوم..... ابھی اور کتنا ادب و شعر و سخن اور شکاریات تخلیق کروں گا

اب جبکہ بحمد اللہ فکر معاش سے آزاد ہوں..... میری ادبی تخلیقات کا دائرہ وسیع تر ہوتا جا رہا ہے اب میں تخلیق شعر و ادب میں کہیں زیادہ فعال ہوں..... لکھ رہا



اب ایسی صورت حال نہیں ہے.....!

یہ تو بندوق کی موزونیت کا تذکرہ ہو گیا.....!

اب یہ بات کہ کون سی بندوق کس کے لیے موزوں ہو سکتی ہے.....؟

بندوق..... یا رائفل..... سب سے پہلی بات جو پیش نظر ہوتی ہے وہ بندوقچی کی مالی استطاعت کی ہے..... یہ بات سب جانتے ہیں کہ گراں بہ حکمت و ارزاں بہ علت.....

میرے پچاس سالہ تجربے کی بناء پر یہ مشورہ دے سکتا ہوں کہ سیوں ملی میٹر میگنم رائفل اس وقت ہر قسم کے شکار کے لیے موزوں رائفل ہے..... اس کا وزن اس کی گولی کا وزن اس کی ولاسٹی..... اس کی ٹریجکولی..... صدمہ پہنچانے کی طاقت..... سب ایک اوسط جسم و قامت کے شکاری کے لیے مناسب ہیں..... البتہ یہ ریمپجہ شیر یا چیتے کے شکار کے لیے نہیں ہے..... درآں حالیکہ پاکستان میں یہ شکار نہیں اور نہ آئندہ ہونے کی امید ہے..... دنیا کے دوسرے ممالک میں بھی ان جانوروں سے شکار اب کاملاً بند ہو چکے ہیں.....

بات شروع ہوئی تھی گاؤں زرد کے شکار سے میں شاہ پسند کی شکار گاہ کا تذکرہ کر رہا تھا..... جہاں تالاب کے کنارے شہزادے کے شکار کے لیے نہایت وسیع اور بلند مچان بنائی گئی تھی..... میں اس مچان پر نہیں بیٹھا..... اگرچہ مچان اتنی کشادہ تھی کہ اس پر کم از کم چار آدمی بہ آرام سو سکتے تھے..... کم از کم بارہ آدمی بیٹھ سکتے تھے.....

میں اوپر لکھ چکا کہ گاؤں زرد اس گھاٹی کی طرف جاتے تھے جو تالاب سے کوئی دو سو گز مشرق کی سمت نیچے اتر کے گھنے جنگل سے متصل ہو جاتی تھی..... میں اسی طرف نشیب میں اتر..... اور کسی درخت پر چڑھ کر شاخوں میں الجھنے اور تکالیف کے ساتھ وہاں مجھے رہنے کی زحمت سے بچنے کے لیے..... ایک درخت کے تنے کے ساتھ گھنی جھاڑی میں ہی گھس گیا.....

ایران میں نہ شیر کا خوف..... نہ چیتے کا..... نہ بھیڑے نہ ریمپجہ..... سانپ

سے آنے والے احباب کے خطوط کے جوابات!

اس تمام مصروفیات کے بعد بھی میرے پاس اتنا وقت ہوتا ہے کہ اپنی رفیقہ حیات کے ساتھ وقف گزاروں..... اور ٹی وی دیکھوں..... امریکہ کا ٹی وی اس قدر معلومات بہم پہنچاتا ہے جس کا تصور بھی ممکن نہیں..... ویسے تو خرب اخلاق پروگراموں کی افراط ہوتی ہے..... لیکن علمی و معلوماتی پروگرام بھی ہوتے ہیں..... ادبی پروگرام بھی..... مذہبی بھی..... اور تفریحی بھی..... خرب اخلاق پروگرام کی مخصوص چینلز ہیں..... تین چینلز..... جبکہ میری ٹی وی پر چالیس چینلز چوبیس گھنٹے آتے رہتے ہیں.....

میرے دونوں بیٹے شکار کے شوقین صرف اس حد تک ہیں کہ یہ ایک خاندانی ورثہ ہے..... وہ دونوں بھی رسماً اس سے شغف رکھتے ہیں..... لیکن میری طرح جنون نہیں ہے اور یہ اچھا بھی ہے کیونکہ ان کی زندگیوں کا آغاز ہے..... ابھی ان کا پورا مستقبل سامنے ہے..... ان دونوں میں سے کوئی شاعر بھی نہیں ہے..... ادیب بھی نہیں ہے..... لہذا شعر و ادب میرے ساتھ ختم ہو جائے گا..... لیکن شکار جاری رہے گا..... انشاء اللہ.....!

میں جب بندوقیں صاف کرنے بیٹھتا ہوں تو میرا ڈھائی سالہ پوتا ان میں بہت دلچسپی لیتا ہے اور تادیر ان ہی میں مصروف رہتا ہے..... مجھے امید ہے کہ انشاء اللہ بڑا ہو کر شکاری ضرور ہوگا..... انشاء اللہ

مجھ سے کئی بار مختلف احباب اور آشنایان شکار نے سوال کیا کہ ان کے لیے شکار کی بہترین رائفل کون سی ہو سکتی ہے..... ایک زمانہ وہ تھا جبکہ بڑے بڑے بندوق اور اسلحہ فروش دکانداروں کے پاس لکڑی کی بنی ہوئی رائفل ہوتی تھی جس کے ہر حصے کو آگے پیچھے یا اوپر نیچے کیا جاسکتا تھا..... بندوق کے خریدار کو اس چوبی بندوق کے امتحان سے گزرنا ہوتا تھا..... جو چیزیں پیمائش ہوئی تھیں وہ کندے کا زاویہ..... کندے کی لمبائی..... گرفت کی چوڑائی..... دیدبان کی نشست، ٹریگر کا مقام..... وغیرہ..... اس طرح پیمائش کے بعد اس شخص کے لیے اس ہی پیمائش کی بندوق مہیا کی جاتی تھی.....



آسانی نظر آ جاتے ہیں..... بشرطیکہ شکاری جنگل کے نشانات دیکھنے کا عادی بھی ہو.....  
کچھ لوگ جنگل میں چلتے ہیں تو اس طرح کہ نہ وہ جانوروں کی آوازوں سے کچھ قیاس  
آرائی کر سکتے ہیں نہ مختلف علاقوں ہی ان کو نظر آتی ہیں.....

جنگل میں شکار کی تلاش میں گشت کرنا اس کا متقاضی بھی ہوتا ہے کہ شکاری  
جنگلوں کی آوازوں اور علامات سے مختلف مواقع کا اندازہ کر سکے..... جن جنگلوں میں  
درندوں کا خطرہ نہیں ہوتا وہاں بھی پرندوں کی چھبھاہٹ..... مختلف کیڑوں مکڑوں کی  
آوازیں جانوروں کی بولیاں..... سب کچھ نہ کچھ معنی رکھتی ہیں..... شکاری اگر ان  
آوازوں کو شناخت کرنے لگے تو شکار میں آسانی ہو سکتی ہے..... خصوصاً پرندے.....  
مختلف جانوروں کو دیکھ کر طرح طرح کی مخصوص آوازیں کرتے ہیں..... اگر ان  
آوازوں میں صحیح تمیز نہ بھی کی جا سکے تب بھی ہوشیار ہوا جا سکتا ہے جو شکار کے لیے  
بہت اہمیت رکھتا ہے.....

میں نے ایک آدم خود کی تلاش کے دوران گدھوں کے ایک مقام پر چکر  
لگانے اور اترنے کا زاویہ دیکھ کر شیر کی موجودگی کا اندازہ کیا..... جو درست ثابت  
ہوا..... اسی طرح ایک چیتے کی کہیں گاہ کا پتہ بندر کی اس مخصوص آواز سے کیا جو ان کا  
نگراں خطرے کے وقت کرتا ہے..... پاکستان میں ایسے گھنے جنگل ہوتے ہی نہیں جو  
اس قسم کی دشواریاں پیش آئیں..... البتہ ہندوستان کے سارے ہی علاقوں میں جنگل  
ہیں..... برما کے کنارے سے شروع ہو کر..... بنگال..... اڑیسہ، مشرقی گھاٹ، دکن،  
میسور، ممالک متوسط..... راجپوتانہ کے آخر تک..... اور شمال میں..... برما سے لے  
کر..... افغانستان کے کنارے تک..... سارے ہمالیائی علاقوں میں جنگل ہی جنگل  
ہیں..... ہزاروں لاکھوں مربع میل.....

ایران میں بھی جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے..... گھنے جنگل مفقود ہیں.....  
لیکن پاکستان کے بعض علاقے دلچسپ ضرور ہیں..... سندھ کے ضلع دادو میں  
کیرتھر پہاڑیوں میں یا دریائے سندھ سے اوپر بعض مقامات..... کونے سے چمن اور

بے شک ہوتے ہیں لیکن جس بلندی پر میں تھا وہاں ان کا ہونا بھی دشوار تھا..... اس لیے  
کہ سانپ سرد خون کا جانور ہے سردی میں اس کو گرم رہنے کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ وہ  
حرکت نہیں کر سکتا..... یہی سبب ہے کہ دنیا کے سارے جنگلوں میں سردی کے زمانے  
میں سانپ نظر نہیں آتے..... جبکہ موسم گرما میں سانپوں کی کثرت ہوتی ہے.....

اس روز بھی میں تنہا تھا..... شکار گاہ کا ریسٹ ہاؤس وہاں سے کوئی پانچ میل  
کے فاصلے پر ہے..... اور نسبتاً بلندی پر ہے..... اس لیے کہ نہ صرف وہ سارا علاقہ.....  
بلکہ سارا ایران ہی پہاڑی ہے..... بلند ترین کوہ ماند ہے جو کبھی آتش فشاں تھا لیکن  
عرصے سے ساکت ہے..... تیرہ ہزار فٹ بلند اس پہاڑی چوٹی کے دامن پر جا بجا چھوٹی  
چھوٹی آبادیاں ہیں..... جن میں گندھک کے چشموں کا پانی آتا ہے..... ایک آبادی  
میں تو لوگوں نے صاف ستھرے حمام بنا لیے ہیں جہاں پہاڑوں سے نکلنے والے چشموں  
کا صاف تازہ اور شفاف گندھک ملا ہوا پانی آتا ہے اور وہ لوگ جن کو کوئی بیماری ہوتی  
ہے وہ اس پانی سے نہاتے ہیں..... کہا جاتا ہے کہ یہ پانی کھال کی بیماریوں اور جوڑوں  
کے درد کے لیے مفید ہے..... واللہ اعلم.....!

گندھک سے مہکتا ہوا یہ پانی..... اکثر جگہوں پر تو اتنا گرم ہوتا ہے کہ اس  
میں ہاتھ نہیں ڈالا جا سکتا..... گویا ابلتا ہوا..... لیکن حمام میں آنے والے پانی سے گرمی  
اتنی کم ہو چکی ہوتی ہے کہ نہایا جاسکے.....!

میں نے اپنی جگہ پر بیٹھنے کے بعد سامنے کی شاخوں کو ذرا سا ہٹا دیا تاکہ  
بندوق کی نال کو کسی مزاحمت کے بغیر حرکت دے سکوں..... میں وہ گزر گاہ  
(TRACK) دیکھ چکا تھا جہاں سے جانور گزرتے تھے اس کو TRAIL بھی کہا جا  
سکتا ہے.....

جنگل کے جانوروں کی عادت ہوتی ہے کہ نقل و حرکت کے لیے ایک راہ سفر  
کڑ لیتے ہیں..... اور اکثر اسی پگڈنڈی پر آمد و رفت رکھتے ہیں..... جن جنگلوں میں  
جانور پائے جاتے ہیں وہاں گھاس اور جھاڑیوں میں ان کے گزرنے کے راستے بہ

تکلیف دہ بھی ہو سکتی ہے..... میں اس زمانے میں US AID میں کام کرتا تھا..... اور مجھے میرے ایک ہم کار GORDON GARLICK نے آکسیجن کا ایک ٹیوب دیا تھا..... میں نے اس کو صرف ایک بار استعمال کیا..... اس وقت جبکہ میں تقریباً تیرہ چودہ ہزار فٹ پر تھا اور مارکو پولوشیپ کا ایک غول جھلک دکھا کر غائب ہو گیا تھا..... مجھے ان کی تلاش میں تیز تیز چلنا پڑا..... شکار کی محویت میں ارتفاع آکسیجن کی کمی اور خطرات فراموش ہو گئے اور ذرا ہی دیر بعد سر میں درد..... چکر..... اور کسی قدر کمزوری محسوس ہونے لگی..... میں فوراً ہی ٹھہر گیا..... اور آکسیجن کے ٹیوب سے استفادہ کیا..... فوراً ہی وہ اضمحلال اور درد دسرا جاتا رہا..... اس کے بعد میں تیز نہیں چلا..... میرے ساتھی..... جو حنزہ کے رہنے والے تھے..... وہ اس ہوا کے عادی ضرور تھے لیکن وہ بھی تیز قدمی سے احتراز کرتے تھے.....

غرضیکہ..... شاہ پسند کے گاؤ زرد کے لیے مجھے اس جھاڑی میں سات گھنٹے بیٹھنا پڑا..... عام آدمی اتنی دیر جنگل اور سنائے میں بیٹھنے سے ہی گھبراتا اور تھک جاتا ہے..... میرے ساتھ ایک چھوٹا سا بیج سورہ تھا اور ان دنوں میں سورہ رحمٰن حفظ کرنے کی کوشش کر رہا تھا..... اس دن جھاڑی میں بیٹھ کر یہ نیک کام بہت اطمینان سے ہوا..... اور ان سات گھنٹوں میں آخری رکوع میں نے حفظ کر کے پوری سورہ رحمٰن رواں کر لی.....

میں نے عصر کی نماز کسی قدر تاخیر سے پڑھی..... اور فارغ ہو کر راقفل ہاتھ میں لی ہی تھی کہ بلندی کی جانب سے کسی کھردار جانور کے دوڑنے کی آواز آئی..... میں ادھر متوجہ ہو گیا..... چند لمحوں میں ہی تین سبز گاؤ زرد بلندی سے نشیب کی طرف اترتے نظر آئے فاصلہ..... یہی کوئی سوگزن..... میں تیار تھا.....

تینوں اوپر سے اترے تو رفتار تیز تھی..... لیکن نیچے اتر کر ان کی رفتار بدل گئی..... جھاڑیوں میں داخل ہونے سے پہلے تینوں ذرا ٹھہرے..... گردن لمبی کر کے جھاڑیوں کی طرف دیکھا..... میرے لیے یہ عارضی حالت کافی تھی..... میں نے گردن

شمال کی جانب..... پھر کشمیر سے دریائے سندھ کے کنارے تک کوہستان نمک..... ان تمام علاقوں میں چھدرے جنگل ہیں..... کوہستان نمک میں جا بجا چشے ہیں جو تمام سال جاری رہتے ہیں..... اور ان علاقوں کے جانور ان سے پانی پیتے ہیں..... پرندے بھی کثرت سے ہیں..... تیز اور بیڑ بھی.....

سوات، چترال، اور سرحد و گلگت کے علاقے بھی اس قسم کے ہیں..... البتہ ادھر ادھر جنگلات کا سلسلہ زیادہ گھنا ہے..... لیکن سردی کی وجہ سے زیادہ جانور نہیں ہیں..... حنزہ کے اوپر کے علاقوں میں شکار بکثرت ہے..... خصوصاً مارکو پولو شیپ (MORCOPOLO SHEEP) جسے میں بھی شکار نہ کر سکا..... اور میں کسی ایسے پاکستانی شکاری سے واقف نہیں جس نے مارکو پولو شیپ کے شکار کا ارادہ کیا ہو..... یہ شرف بھی مجھے ہی حاصل ہے کہ میں کم از کم دنیا کے سب سے بڑے شکار کے لیے کوشش ضرور کر چکا ہوں..... میں نے انھیں تقریباً سات آٹھ سو گز پر..... یا ایک کلومیٹر کے فاصلے پر دیکھا بھی..... لیکن قبل اس کے کہ میں ان کے قریب پہنچ سکوں..... غالباً یہ غول بیابانی چین کی طرف نکل گیا..... میں جہاں پہنچا تھا وہاں سے چین کی سرحد پچیس تیس میل شمال میں تھی..... یہ ۱۹۶۳ء کا زمانہ تھا..... پاکستان اور چین کے تعلقات ہمیشہ بہت دوستانہ اور قریبی رہے ہیں..... ان دنوں بھی تعلقات بہت اچھے تھے اگر میں سرحد تک جاتا تب بھی کوئی مضائقہ نہیں تھا لیکن میں خستگی، آکسیجن کی کمی اور فاصلوں سے نہایت تنگ تھا..... میرے ساتھ حنزہ کے دو آدمی تھے..... دونوں ناقابل اعتبار..... لہذا میں نہایت افسردہ واپس آیا..... راستے میں دوبار زلزلوں نے بھی رات کے وقت ہراساں کیا.....!

مارکو پولو شیپ کے شکار میں سب سے بڑی دشواری ارتفاع کی ہے..... بارہ ہزار فٹ سے اوپر آکسیجن کم ہو جاتی ہے..... عام طور سے اگر ایک مرتبہ سانس لینے سے جسمانی نظام صحیح رہتا ہے تو اس ارتفاع پر پانچ بار سانس لینے آکسیجن کی اتنی ہی گہی مقدار حاصل ہوتی ہے..... نتیجہ یہ کہ آدمی بہت جلد تھک جاتا ہے..... زیادہ تھکاوٹ

شکار پر فائر کرتے وقت دو باتیں پیش نظر ہوتی ہیں.....

۱۔ کیا فائر خطرناک درندے پر کیا جا رہا ہے.....؟

۲۔ کیا فائر چرندے پر کیا جا رہا ہے.....؟

ان دونوں سوالات کے جوابات بھی مختلف ہیں..... میرا پچاس سالہ تجربہ شیر چیتوں ریچھوں کے شکار پر مشتمل ہے اور محمد لہد چند مواقع کے علاوہ میں کبھی شیر یا چیتے یا ریچھ کو روک دینے میں ناکام نہیں ہوا..... تین بار شیر نے..... سات بار چیتے نے اور دو بار ریچھوں نے مجھ پر حملہ کیا..... اور محمد لہد ہمیشہ حملہ آور فنا ہو گیا..... اور اللہ تعالیٰ کی عنایت و نوازش کے تحت میں اب تک بخیر و عافیت ہوں.....

اب یہ کہ درندے..... شیر چیتے اور ریچھ پر ان کے جسم کا کون سا مقام نازک ترین ہوتا ہے..... وہ شیر جو میں نے اطمینان اور سکون کی حالت میں شکار کئے یعنی ایسی حالت میں جب وہ نہ تو مجھ پر حملہ آور تھے نہ بھاگ رہے تھے..... نہ ان کو میری اطلاع تھی..... میں نے ہمیشہ کوشش کی کہ گولی سر میں لگے..... اگر شیر ترچھا کھڑا ہو تو اکثر کان کے عقب میں اس زاویے سے کہ گولی دماغ میں جائے اگر وہ ممکن نہ ہو تو پھر شانے اور گردن کے جوڑ پر..... ایسے زاویے سے کہ گردن کی ہڈی ٹوٹ جائے..... اور ان دونوں مقامات پر لگی ہوئی گولی کبھی ناکام ثابت نہیں ہوتی..... ہمیشہ فوری موت کا باعث ہوئی..... خطرناک جانور کے شکار میں یہ بہت اہم بات ہے..... شیر یا چیتے کا فوراً ہلاک ہونا قطعاً لازمی ہے.....

میں نے ان دونوں نشانوں کا انتخاب بھی اپنی مرضی سے کیا..... اور اس میں میری منطقی دلیل یہ تھی کہ ان دونوں مقامات کا نشانہ نسبتاً باریک اور دشوار ہونے کے باوجود مہلک ہوتا ہے..... اگر گولی صحیح جگہ لگی تو شیر قطعاً فنا..... جنبش بھی نہیں ہوتی..... اور اگر خطا لگی تو صاف خطا ہو جاتی ہے..... ایسا نہیں کہ جانور زخمی ہو.....

شیر چیتے اور ریچھ کا زخمی ہو کر نظر سے چھپ جانا..... انتہائی خطرناک صورت حال کا معاملہ ہوتا ہے زخمی شیر چیتا یا ریچھ..... اس سارے علاقے کی آبادی کے لیے شدید

اور شانے کے جوڑ کے پاس جو سفیدی کی لائن ہوتی ہے اس کا نشانہ لیا..... جس زاویے سے گولی لگنے کا یقین تھا اس کے پیش نظر..... گردن کی ہڈی ٹوٹ جانا چاہیے تھی.....

میں نے ذرا تامل کے ساتھ ٹریگر پر دباؤ بڑھایا..... ایک ثانیہ..... ابھی جانور نے حرکت نہیں کی..... دباؤ..... اور بڑھایا..... اور رائفل نے شانے کو دھکا دیا..... ساتھ ہی دھماکا..... دوسرے ہی لمحے منظر بدل گیا..... دو گاؤں زرد تو جدھر ان کے منہ تھے اسی طرف بھاگ کر جھاڑیوں میں غائب ہو گئے اور جس کا میں نے نشانہ لیا تھا..... غالباً وہ سکرٹ کی شدت میں اچھلا..... سر یکبارگی ہی ڈھل گیا..... اس لیے کہ گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی..... اور کھڑی دیوار کی طرح گر گیا..... میں چند لمحوں میں ہی اس کے سر پر تھا..... ابھی جان باقی تھی..... میں نے چھرا نکال کر ایک ہاتھ سے سینگ پکڑے تو اس کی ٹانگوں میں حرکت ہوئی..... میں نے ایک گھٹنا گردن پر رکھا اور بسم اللہ اکبر کہا جو ایک بار زور لگایا تو آدھا گلا صاف کھل گیا..... میں نے ایک بار اور چھرے کو جنبش دی..... خون کا ایک چشمہ اس کی گردن سے جاری ہو گیا.....

اس کی کھال نہایت عمدہ بنی جس پر دو آدمی بخوبی نماز پڑھ سکتے تھے..... میں نے یہ کھال بالاخر شہزادے کو نذر کر دی..... ساری کھال بے داغ تھی اس لیے کہ گولی لگی ہی گردن اور شانے کے جوڑ پر اور سیدھی گردن کی ہڈی میں گھس کر پھیل گئی جس سے ہڈی ٹوٹ گئی..... کھال اور سینگ محفوظ رہے.....!

کھال کے معاملے میں ہر اس جانور کو مارتے وقت لحاظ کرنا پڑتا ہے جس کی کھال کو دیوار کی یا فرش کی زینت بنانا مقصود ہو..... صرف ریچھ کے معاملے میں حفاظت درکار نہیں ہوتی..... اس کے بال اتنے پرے اور گھسے ہوتے ہیں کہ گولی کا نشانہ بہ آسانی ان میں چھپ جاتا ہے..... پتہ بھی نہیں چلتا.....

یہ بھی ایک دلچسپ مسئلہ ہے کہ جانور کو ہلاک کرنے کے لیے کسی جگہ کا نشانہ لینا موثر ترین ثابت ہو سکتا ہے..... تقریباً ہر تجربہ کار شکاری نے اس سوال کا جواب طے کرنے کی کوشش کی ہے.....

خطرے کا باعث ہوتے ہیں..... اور ان کو تلاش کر کے ہلاک کرنا شکاری پر فرض ہوتا ہے..... دکن میں تو قانوناً زخمی جانور کو تلاش کر کے ہلاک کرنے کا قانون ہوا کرتا تھا، زخمی شیر، چیتے یا ریچھ کا تلاش کرنا خود شکاری کے لیے انتہائی خطرے کا کام ہے..... اور اکثر حادثات ان ہی مواقع پر پیش آتے ہیں..... کئی شکاری اس کوشش میں اپنی جان ہی گنوا بیٹھے.....

شیر پر فائر کیا جائے تو صرف اس وقت جب یقین ہو کہ گولی خطا نہیں جائے گی..... اور یہ دونوں مقامات جن کی میں نے نشاندہی کی ایسے ہیں کہ..... اگر گولی لگی تو حتماً کامیاب..... نہیں تو صاف خطا..... جانور زخمی نہیں ہوتا..... بھاگ ہی جائے گا..... پھر فائر کا موقع ملے گا..... پھر نظر آئے گا.....!

چرندوں کے شکار میں بھی میرے نظریات بعض دوسرے شکاریوں سے قطعاً مختلف ہیں..... میں جانور کا شکار صرف ٹرائی کے نقطہ نظر سے کرتا ہوں..... گوشت میرا مقصد نہیں ہوتا..... ٹرائی میں دو چیزیں آتی ہیں..... سینگ اور کھال..... سینگ تو خراب نہیں ہوتے..... لیکن کھال گولی لگنے سے خراب ہو جاتی ہے..... لہذا میں جانور کو ہلاک کرنے میں کھال کو خرابی سے بچانے کی سعی کرتا ہوں..... کان کے پیچھے..... گردن کے جوڑ پر بغل کے قریب..... یا دونوں ٹانگوں کے درمیان گردن کے نیچے کی سفیدی پر..... گڑھ مہاراجہ کے قریب فتحپور کے میدان میں ایک ہرن اس طرح بھاگا کہ اس کی دم میری طرف تھی میں نے دم کے ذرا نیچے فائر کیا..... گولی اس کی مقام فراغت سے ذرا نیچے لگی..... اور سارے پیٹ اور سینے کے نرم علاقوں سے گزرتی..... اگلی ٹانگوں کے درمیان سے ہوتی نکل گئی..... ہرن کوئی بیس گز بھاگ کر گرا..... میں نے جب اس کا پیٹ چاک کیا تو گولی کا سارا راستہ صاف جھلی ہوئی آنتوں..... سینے کی جلی..... پھیپھڑوں..... دل کے قریب کی نالیوں اور عضلات کی شکستگی سے متعین کر لیا..... لیکن یہ فائر محض اتفاقی تھا..... میں نے جب فائر کیا تھا تو مجھے گولی لگنے کا یقین ہرگز نہیں تھا..... اس طرح جہلم میں ایک ہڑیال کو صرف ایک گز..... یا اس کے لگ بھگ



قرنقوی..... آرکٹک سرکل کے اندر شکار کے لئے وارد ہونے والا پہلا پاکستانی شکاری

میں نے شکاریات کو ادب کا مقام عطا کیا ہے..... زبان، بیان، فن، فصاحت، بلاغت، طریقہ اظہار..... مسائل اور مناظر کی وضاحت..... ہر اعتبار سے میری کتب شکاریات میں اعلیٰ ادب کی حامل ہیں..... بے شمار ایسے بھی قلمکار ہیں جن کی ادبی تحریر میں بالعموم نہایت ادنیٰ ادبی حیثیت رکھتی ہیں..... میرے سوا اس موضوع پر لکھنے والا بھی شاید ہی کوئی ہو..... میں واحد بقید حیات پاکستانی شکاری ہوں جو بھگوانہ سجانہ ابھی تک اس شاہانہ کام میں سرگرم عمل ہے..... اور ساتھ ہی ساتھ تصنیف و تالیف میں بھی مشغول ہے..... اور اللہ تعالیٰ سجانہ کے کرم سے توقع ہے کہ میں اپنی ذہنی اور جسمانی صحت و طاقت کے پیش نظر آئندہ کئی سال کا سلسلہ جاری رکھ سکتا ہوں.....

میری مصروفیات متنوع ہیں..... میں شکار کرتا ہوں..... جو میرا سب سے اہم کام ہے..... شعر کہتا ہوں اور مشاعروں میں شرکت کرتا ہوں..... علمی، ادبی، تاریخی اور مذہبی کتب تالیف کرتا ہوں..... علمی مجالس میں مختلف مواقع پر شرکت کر کے حدیث نبویؐ اور تفسیر قرآن پاک بیان کرنے کے علاوہ تقاریر کرتا ہوں..... اور کچھ نہیں کرتا اللہ تعالیٰ سجانہ نے مجھے طلب مال کی ہوس سے آزاد کیا ہے..... کسب معاش کی فکر سے بے نیاز کیا ہے..... اور ان ساری نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے جس کی کوئی معقول شخص توقع کر سکتا ہے..... میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ ہوں..... جس قدر میری استطاعت ہے اتنا اس کا شکر ادا کرتا ہوں..... عبادت کرتا ہوں..... اطاعت کرتا ہوں..... اور اسی سے وہ سب کچھ مانگتا ہوں جو مجھے درکار ہو..... اور وہی باری تعالیٰ مجھے میری ضرورت سے زائد عطا فرماتا ہے..... الحمد للہ.....

پاکستان اور ہندوستان میں بے شمار ایسے لوگ ابھی بقید حیات ہیں جو میرے شکار کے کارناموں کے چشم دید گواہ ہیں..... ان میں سے بہت لوگ ایسے ہیں جو کسی نہ کسی نوعیت کے شکار میں میرے ساتھ رہے ہیں..... ان میں سے کچھ عمر میں مجھ سے کمتر..... کچھ مجھ سے بزرگ..... کچھ لوگ مجھے یاد ہیں..... کچھ ایسے ہیں کہ ان کے نام یاد نہیں رہے..... لیکن وہ سارے لوگ جو میرے ساتھ شکار میں رہے خود بھی کامیاب

فاصلے پر شاٹ گن سے مارا..... اس طرح کہ میں نشیب میں تھا اور ہڑیال کوئی سات آٹھ فٹ بلند کنارے پر..... اس کی موت اسے کھینچ کر کنارے پر لے آئی اور اس نے سر نکال کر نیچے جھانکنے کی کوشش کی میں نے فائر کر دیا..... بارہ بور کی سیدھی نالی میں SG کے نوچھرے تھے سب اتنے قریب سے اس کے لگے اور وہ ہیں الٹ گیا..... اسلم ساتھ تھا میں نے اس کو چھرا دیا کہ اوپر جا کر ہڑیال کو ذبح کرے.....

ایک آدم خور شیر..... نلکنڈے کے جنگل میں اسی طرح صرف دو فٹ کے فاصلے پر ہلاک کیا..... وہ یوں کہ میں نے اس علاقے میں کوئی ایسا بڑا درخت نہیں پایا جس پر میں چڑھ سکوں تناور درخت بکثرت تھے..... لیکن میں شکاری جوتے پہنے..... پشت پر تھیلا..... ہاتھ میں رائفل..... درخت پر اس حالت میں چڑھنا ممکن نہیں تھا..... چنانچہ میں ایک چھوٹے درخت پر چڑھ کر کھڑا ہوا.....

شیر آیا..... اور پشت کی طرف سے درخت پر بلند ہوا اگلے پنجے سے مجھ کو نوچا..... کہ میرا ہتلون دائیں جانب ران سے پنڈلی تک صاف پھٹ گیا..... ناخن کی ایک ہی ضرب سے..... بہر حال میں نے اس کی ناک پر فائر کیا..... گولی ناک کے قریب گھسی اور سر کے پچھلے حصے کو توڑ پھوڑ کر گردن میں چلی گئی شیر وہیں گر کر فنا ہو گیا.....

یہ سب واقعات بال تفصیل میری مختلف کتابوں میں شائع ہوئے ہیں..... دشواری یہ ہوئی ہے کہ میری پہلی دو کتابیں فیروز سنز نے شائع کیں ایک ”بالم پور کا آدم خور“ اور دوسری ”آٹھ آدم خور شیر“..... اب یہ دونوں کتابیں ان کے پاس نہیں رہیں..... اور نجانے کیوں انھوں نے پھر شائع نہیں کروائیں..... ان دونوں کتابوں میں جو قصے ہیں وہ بہت دلچسپ اور نہایت مفصل..... ڈاکٹر عبدالوحید..... جو اس کمپنی کے مالک تھے..... فوت ہو چکے اگر وہ زندہ ہوتے شاید میں ان سے کہہ کر کتابیں دوبارہ چھپوا دیتا..... مجھے اگر کہیں یہ دونوں کتابیں مل گئیں تو ان کو مزید تفصیل اور تشکیل کے بعد شائع کر دوں گا..... انشاء اللہ.....

”میں تو کہوں گا تم کسی شیر کے شکار کا منصوبہ بنا رہے ہو.....“

”میں یہاں آیا تو اسی ارادے سے.....“

ہم وہاں سے اس کی کار میں ہی واپس ہوئے.....

دراصل وہ کسی کام سے نزدیک ہی ایک فرم میں گیا تھا..... گزرتے ہوئے  
نجانے کب اس نے پہچان لیا.....

اس روز ہم لوگ ساتھ رہے اور رنگون سے ڈیڑھ سو میل شمال میں ”شولور“ کے  
انتہائی خطرناک جنگل میں شیر کے شکار کی باتیں کرتے رہے..... پونو اس شکار میں  
میرے ساتھ رہا تھا..... یہ ۱۹۷۷ء کا واقعہ ہے.....

غرضیکہ..... اب تو یہ دنیا اس قدر چھوٹی ہو گئی ہے کہ مختلف علاقوں میں جاتے  
کبھی کبھی کوئی صورت آ شامل ہی جاتا ہے..... حتیٰ کہ گذشتہ سال نومبر ۱۹۹۴ء میں کراچی  
سے پیرس آیا..... پیرس سے نیویارک جانا تھا..... میں لاؤنج میں ٹہل رہا تھا کہ ایک  
صاحب نے قریب آ کر مجھے مخاطب کیا.....

”مسٹر نقوی.....؟“

”ہاں.....“ وہ صورت آشنا تھا..... مگر نام مجھے یاد نہیں آیا..... نیپالی.....  
گورکھا خدو خال..... گھٹنا ہوا جسم چمکتی آنکھیں.....

”آئی ایم ہرپال.....“

”اوہ ہرپال.....“

نیپال میں شیر کے شکار میں ہاتھی پر میرے ساتھ ہرپال بٹھایا گیا تھا..... اور  
جو تلخ تجربہ ہاتھی پر بیٹھنے کا ہوا تھا ہم دونوں اس وقت اس کی یاد کر کے خوب ہی ہنسے.....  
وہ لندن میں رہتا تھا..... اور اسی روز لندن سے ایرانڈیا کی فلائٹ پر دہلی جا رہا تھا جہاں  
سے کھٹمنڈو جانا تھا.....

یہ وہ لوگ تھے جو بیرون ممالک میں مجھ سے آشنا ہیں.....

شکاری تھے۔ الا ان چند نام نہاد بندو بچوں کے جو نہایت قلیل مدت کے لیے نجانے  
کیسے میرے ساتھ شکار میں رہے اور اپنی ناخوشگوار یادیں میرے ذہن میں چھوڑ  
گئے..... ان کے علاوہ اور جو لوگ جس حیثیت میں بھی میرے ساتھ رہے میں ان سے  
خوش رہا اور وہ لوگ بھی خوش رہے.....

برما میں..... میں رنگون کے قریب بہادر شاہ ظفر آخری تاجدار دہلی کے مزار پر  
فاتحہ پڑھنے گیا..... اور فاتحے کے بعد بیٹھا مقبرے کی خستہ خالی..... دنیا کی بے ثباتی اور  
ہندوستان میں مغلوں کی پر شکوہ حکومت کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ایک شخص میرے  
پاس آ کر رک گیا.....

میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا رہا تھا..... اور یکبارگی مجھے بھی اس کا  
نام..... اس کی شکل اور اس کی رفاقت یاد آ گئی.....

”پونو.....“ میں نے اٹھتے ہوئے کہا  
”قمر.....“

اس نے نہایت پر جوش مصافحہ کیا..... اور بغلگیر ہو گیا.....

”تم اچھے تو ہو..... پونو.....؟“

یقیناً..... تم کو دیکھ کر بہت خوشی ہوتی..... کتنے سال ہو گئے..... آٹھ سال

؟.....

”ہاں..... آٹھ سال..... مگر تم تو اللہ کے فضل سے ویسے ہی ہو جیسے پہلے

تھے.....“

”تم میری ہمت افزائی کر رہے ہو.....“ وہ خالص انگریزی لہجے میں انگریزی

بولتا تھا..... ورنہ میں تو اب بوڑھا ہو رہا ہوں..... خیر یہاں کیا کر رہے ہو.....؟“

میں نے مقبرے کی طرف اشارہ کیا.....

”اس فانی دنیا کے بارے میں غور.....“



وابستہ ہے اگر جانور نابود ہوں گے تو ہر سال ان کی ایک مقررہ تعداد کے شکار کی اجازت ملے گی۔۔۔۔۔ وہ کتنی ہی گراں قیمت کیوں نہ ہو۔۔۔۔۔ جو لوگ صاحبان استطاعت ہیں وہ قیمت ادا کر کے شکار تو کریں گے۔۔۔۔۔ اگر جانور ناموجود ہوں گے تو پھر کوئی بھی قیمت ان کو واپس نہیں لاسکتی۔۔۔۔۔ انسان ایٹم اور ہائیڈروجن بم بے شک بنا لے۔۔۔۔۔ لیکن ایک ہرن پیدا نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ تخلیق کا کام اس خالق کون ذمہ کا ہی رہے گا۔۔۔۔۔!

میں جب تک بقید حیات ہوں۔۔۔۔۔ تب تک تو انشاء اللہ شکار قائم رہے گا۔۔۔۔۔ لیکن میں چاہتا ہوں، میرے بعد آنے والی نسلیں بھی شیر و چیتوں اور رنجھوں کو دیکھیں پھر میری کتابیں پڑھیں اور حیرت زدہ رہ جائیں کہ ان حسین درندوں کا شکار کس طرح کیا جاتا تھا اور کیسے کیسے خطرات پیش آیا کرتے تھے۔۔۔۔۔ جن سے دو چار ہونے کی آئندہ نسلوں کو نہ ضرورت ہوگی نہ مواقع ہوں گے۔۔۔۔۔ میں سمجھتا ہوں دس بیس سال بعد شیر اور چیتوں کا شکار قطعاً بند ہی ہو جائے گا۔۔۔۔۔ اب بھی بند ہی ہے۔۔۔۔۔ آئندہ اور سختیاں ہوں گی۔۔۔۔۔!

امریکہ میں جو حیات حیوانی ہے ان کی حفاظت اور بقا کی ضمانت دی جاسکتی ہے۔۔۔۔۔ امریکہ میں قابل شکار جانوروں کو کوئی خطرہ لاحق نہیں۔۔۔۔۔ ان کی اتنی حفاظت کی جاتی ہے کہ بعض ایسے جانور جو تقریباً ختم ہونے کو تھے۔۔۔۔۔ جیسے جنگلی بھینسا۔۔۔۔۔ ان کی تعداد اب خاصی قابل ذکر ہو گئی ہے۔۔۔۔۔ اور اس تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔۔۔۔۔ اسی طرح ایک نہایت چھوٹی چڑیا بہ نام (LEAST TERN) مٹنے کو ہو گئی۔۔۔۔۔ اس کو □ ENDANGERED SPECIES قرار دے کر نسل افزائی کی کوشش کی گئی اب ان کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔۔۔۔۔ امریکہ کی گنجی چیل (BALD EAGLE) جو نہایت خوبصورت جسم پرندہ ہے۔۔۔۔۔ نابود ہونے کو تھی۔۔۔۔۔ لیکن اب سینکڑوں کی تعداد ہو گئی ہے۔۔۔۔۔ پاکستان میں دو تین ہی قابل شکار جانور تھے۔۔۔۔۔

ہڑیال MOUNTAIN SHEEP

ہرن DEER (GAZEL)

لاہور میں ان لوگوں کو سب جانتے ہیں جو میرے ساتھ شکار میں رہ چکے ہیں۔۔۔۔۔

اور اب۔۔۔۔۔ امریکہ میں بھی میرے جاننے والوں کی تعداد خاصی ہے۔۔۔۔۔ ٹلسا۔۔۔۔۔ ڈلس۔۔۔۔۔ ڈنور۔۔۔۔۔ مانیٹا۔۔۔۔۔ یونا۔۔۔۔۔ نارتھ ڈکونا۔۔۔۔۔ الاسکا۔۔۔۔۔ بحمد اللہ میں جہاں بھی شکار کے لیے گیا وہاں اپنی یاد میں ایک بادقار اور مہذب شکاری کی حیثیت میں چھوڑ آیا۔۔۔۔۔ خوشگوار تاثر چھوڑا۔۔۔۔۔ اور شکار میں کامیاب رہ کر یہ بھی دکھا دیا کہ صرف برائے نام شکاری نہیں ہوں۔۔۔۔۔!

شکار اب روز بروز دشوار ہوتا جا رہا ہے اور اخراجات بڑھتے جا رہے ہیں۔۔۔۔۔ اس سال اکتوبر میں کولوریڈو میں (COLORADO) میں مجھے □ ELK کے شکار پر جانا ہے۔۔۔۔۔ کولوریڈو کا ٹلسا سے بارہ سو میل کا ہی فاصلہ ہے۔۔۔۔۔ امریکہ میں ہی ہے۔۔۔۔۔ لیکن ابھی تک تخمینہ تقریباً دو ہزار ڈالر خرچ کا ہے اس کے فوراً بعد مجھے نیو میکسیکو جانا ہے۔۔۔۔۔ اور یہ سلسلہ فروری ۱۹۹۶ء تک چلتا۔۔۔۔۔ اس کے بعد صرف مقامی شکار رہ جائے گا۔۔۔۔۔ ہر سال یہی ہوتا ہے۔۔۔۔۔

لیکن۔۔۔۔۔ جو مواقع مجھے اب میسر ہیں شاید وہ اکثر لوگوں کو میسر نہ ہوں۔۔۔۔۔ ہر سال ہر قسم کے لائسنس کی فیس بڑھتی جاتی ہے۔۔۔۔۔ امریکہ کے سوادینا کے ہر ملک میں شکار کم ہوتا جا رہا ہے قابل شکار جانور مفقود ہونے کی حدود میں داخل ہونے لگے ہیں۔۔۔۔۔ اور اس قبیلے میں جو جانور آیا اس کا شکار بند ہو جاتا ہے شیر کے سلسلے میں بھی ہندوستان میں یہی ہوا۔۔۔۔۔ ان کی تعداد اب اتنی کم ہے۔۔۔۔۔ اور زمانہ اس قدر ترقی کر گیا ہے کہ جانوروں کی حفاظت اور مساعی بقا کی اہمیت سب ہی پر روشن ہے۔۔۔۔۔ اور خواہ وہ کسی ملک کے ارباب اختیار ہوں یا شکاری۔۔۔۔۔ سب کی خواہش یہی ہے کہ قابل شکار جانوروں کی نسل کسی نہ کسی طرح باقی رہے۔۔۔۔۔

میں بھی قابل شکار جانوروں کی بقا کا حامی ہوں۔۔۔۔۔ ان کی نگہداشت نگرانی اور حفاظت کو ضروری خیال کرتا ہوں اس لیے کہ ان کی حفاظت و بقا کے ساتھ ہی شکار

اسی طرح ہڑیال اور پاڑا.....

دو تین سال پہلے میں پاکستان گیا تو جا بجا بڑے بڑے پوسٹر لگے تھے جن پر لکھا تھا..... ”خدا کے لیے پاڑے پر رحم کیجئے..... خدا کے لیے پاڑے مت مارئے.....“ حکومت اور قانون کا یہ طریقہ نہیں لوگوں کی خوشامد کرنے سے کام نہیں بن سکتا تھا..... دشواری یہ ہے کہ پاکستان کی حکومت کی مشنری کسی دولت مند بااثر، بارسوخ شخص زمیندار..... جاگیردار..... کسی کو جرم کرنے سے روکنے کی اہلیت نہیں رکھتی..... پاکستان میں جو شخص صاحب ثروت ہے..... زمیندار یا جاگیردار ہے..... اس کو اپنے علاقے میں بادشاہانہ اختیارات ہیں..... نہ پولیس ان کا کچھ بگاڑ سکتی ہے نہ حکومت..... صرف غریب بے اثر لوگ سھنتے ہیں اور قانون ان کو اذیت پہنچا کر خوش ہو لیتا ہے..... یہودیوں میں بھی ایسا ہی تھا..... جب کوئی بااثر صاحب حیثیت یہودی کوئی

جرم کرتا تو وہ اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے صاف بچ جاتا..... اور جب کوئی معمولی آدمی وہی جرم کرتا تو وہ گرفت میں آ جاتا اور سزا پاتا.....

پاکستان میں تو جن علاقوں میں شکار تھا اور جن سے قانون شکنی کا جرم ہوتا تھا..... ان علاقوں میں اور ان لوگوں پر پولیس دست اندازی کر ہی نہ سکتی ہوگی..... یا ممکن ہے پولیس کے بعض اعلیٰ افسران خود بھی اس قانون شکنی میں ملوث ہوں..... ممکن ہے بعض سرکاری افسران کے گھروں پر ایک ایک ہرن کا نذرانہ پہنچتا ہو.....!

تیسری دنیا کے ملکوں کا یہی حال ہے.....!

بچے سے اوپر تک سب کی ذہنیت ایک ہی ہے.....!

ہندوستان میں شکار کے قابل جانوروں کی حفاظت اور قانون کے نفاذ کا مناسب انتظام ہے..... مسلمان کی تو اب ہندوستان میں حیثیت ہی کوئی نہیں..... ہندو بھی شکار کرنے والے کم..... اس لیے کہ دنیا کی ہر فضول شے ان کی پرستش کی مستحق ہے..... چند لوگ ہی شکار کرتے ہوں گے اور وہ یقیناً قانون کا احترام کرتے ہیں..... ان کا پروجیکٹ مانیگر..... جس میں WWF نے بھی حصہ لیا..... نہایت کامیاب



پاڑا..... HOG DEER

غزال..... چکارا اور دوسری قسم کے جانور..... چترال، گلگت، اسکردو، حنزہ کے علاقوں میں پائے جاتے ہیں..... ان کو بظاہر زیادہ خطرہ نہیں ہے..... اس لیے کہ جہاں یہ جانور ملتے ہیں وہاں ہرکس و ناکس نہیں پہنچ سکتا..... لہذا ہڑیال، پاڑا اور ہرن..... میں جانتا ہوں ختم ہو چکے ہوں گے.....

ہرن میرے علم میں دو مقامات پر پایا جاتا تھا..... گڑھ مہاراجہ..... فچپور..... اور بہاولپور میں..... دونوں جگہ تیس سال پہلے جس بیدردی سے ان کو تباہ کیا گیا..... اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ بہاولپور میں رات کے وقت جیپ کے ذریعے ان کا تعاقب کر کے بیس بیس ہرن بیک وقت ہلاک کیے گئے ہیں..... یہ شکار نہیں..... قصابی ہے..... یہ ملک دشمنی ہے.....

میں یہ واقعہ تیس سال پہلے کا بیان کر رہا ہوں جبکہ میں لاہور میں رہتا تھا اور قصابوں کے قصے مصدقہ طور سے بتائے جاتے تھے..... اب تک تو ان میدانوں میں نہ ہرن رہا ہوگا نہ چولستان کے علاقے میں کوئی اور جانور ہوگا.....

اللہ تعالیٰ نے مجھے نواز دیا ہے..... مجھ پر اپنی رحمتوں کی بارش کر دی ہے..... اس کا شکر ہے.....!

در اصل شہرت اور نام آوری بھی عارضی چیزیں ہیں..... اصل شے تو روحانی سکون اور اطمینان قلب ہے اگر اطمینان قلب حاصل ہو جائے تو باقی سب کچھ پیچھے رہے..... اور..... اللہ کا شکر ہے کہ مجھے اطمینان قلب کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت کچھ حاصل ہے.....

مئی ۱۹۹۴ء میں آتشزدگی نے مجھے سخت ناقابل تلافی نقصان پہنچایا..... میرا سارا اثاثہ جل جانا کوئی معنی نہیں رکھتا..... سب سامان دوبارہ مہیا ہو گیا بحمد اللہ..... لیکن میری ساری ٹرافیاں..... سینک..... کھالیں..... شیر چیتے اور ریچھ کے مجسمے..... اور تصاویر کے پندرہ بیش قیمت البم..... آگ نے ان سب کو اس طرح جلا کر خاک کیا کہ کچھ بھی بچا نہ جاسکا..... یہی وجہ ہے کہ اس شکار..... شاہ کار میں اس شیر کی تصویر نہیں جسکا قصہ میں نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے..... او وہ ساری پرانی تصویریں کہاں ملیں گے جو میں نے چالیس پچاس سال میں جمع کی تھیں..... اللہ کی مرضی.....!

میں جہاں جہاں شکار کے لیے گیا..... اس کے بارے میں یادداشتیں جمع کرتا رہا تاکہ ہر موقعہ ان کے واقعات لکھ سکوں آتشزدگی میں وہ ساری یادداشتوں کی کاپیاں بھی خاک ہو گئیں..... مجھے اکثر مقامات کے نام جن لوگوں نے شکار کا انتظام کیا ان کے نام..... تاریخیں وغیرہ اب صحیح یاد بھی نہیں..... بیس سال پہلے پچیس سال پہلے جن دیہاتوں اور دیہاتیوں سے سابقہ رہا اب ان کے نام کیسے یاد آئیں..... اتفاق سے کوئی ذہن میں محفوظ رہ گیا تو خیر.....!

میرے دکن کے اخبار..... پیراں حسینی، عظمت خاں اور عبدالباری تھے..... پیراں حسینی کا تو انتقال ہو گیا..... عظمت خاں کینیڈا میں مقیم ہیں..... اور میں ان کی رینج (RANCH) پر ہرن (WHITE TAIL) کے شکار کے لیے دو بار گیا ہوں..... عبدالباری کا پتہ نہیں.....

رہا..... اور میں اس کی کئی فلمیں امریکہ میں ٹی وی پر دکھاتا رہا ہوں..... ہندوستان نے شیر کی حفاظت کی اور ان کو نابود ہونے سے بچا لیا..... اور اب ان کی نسل بڑھ رہی ہے..... تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے.....

شمال میں نینی تال..... پہلی بھیت اور اسی کے آس پاس کے وہ علاقے جہاں ایک انگریز شکاری جم کاربٹ رہتا تھا..... حکومت ہند نے SANCTUAR قرار دے کر..... جم کاربٹ نیشنل پارک کے نام سے قائم کیا..... اس میں شکار ممنوع ہے..... اس علاقے میں شیروں کی خاصی تعداد ہے اور اب یہ تعداد بتدریج بڑھ رہی ہے.....

جم کاربٹ بہت بڑا شکاری تھا..... ”بہت“ اس لیے کہ انگریز تھا..... اگر یہی جم کاربٹ بنی لال..... یا کرشن مراری..... یا شاکر حسین ہوتا تو نہ نیشنل پارک بناتا محفوظ جنگل..... قمر نقوی کے نام سے کون سا جنگل بن گیا..... اگرچہ قمر نقوی نے جم کاربٹ سے کم شکار نہیں کیا..... ممکن ہے زیادہ ہی کیا ہو..... میں نے پچاس سال شکار کیا ہے..... ہندوستان پاکستان برما، نیپال، ایران، یوگنڈا، کانگو، امریکہ، جم کاربٹ نے صرف ہندوستان یا مختصر عرصہ کینیا..... لیکن ”انگریز اور وہ بھی سفید فام“ ہونا ایک سعادت ہے.....

میں نے اپنی پچاس سالہ شکاری زندگی میں ہاتھی اور گینڈے کے علاوہ اور تقریباً ہر قابل شکار جانور کا شکار کیا..... اور قانون کے احترام کے ساتھ..... الحمد للہ..... ابھی میں نے ترک شکار نہیں کیا..... میرا یہ مشغلہ اب بھی جاری ہے..... اور انشاء اللہ ابھی ایک عرصہ جاری رہنا ہے.....

’دشواری صرف یہ ہوتی کہ میرا کوئی عزیز دوست یا رشتہ دار..... نہ تو نیشنل اسمبلی کا ممبر ہوا..... نہ صوبائی اسمبلی کا..... میرا کوئی کزن، بھائی، بھتیجا وزیر یا سکریٹری بھی نہیں ہوا..... ایسی صورت حال میں میرے نام اور کارناموں کی قدر..... یا شناخت کیسے ممکن تھی..... لیکن اچھا ہی ہے..... نام ہونے سے کیا مل جاتا ہے..... نام کے بغیر ہی

امریکہ میں آنے کے بعد جو شکار کا سلسلہ شروع ہوا تو میرے بیٹے نے ہی میرے ساتھ جانا شروع کیا..... پھر کئی دفعہ عرشی کے احباب..... طارق محمود..... رشید وغیرہ..... لیکن یہ سب بچے ہی تھے..... میرے بیٹے عرشی کے ہم عمر تھے..... اور مجھے ان کے ساتھ ہونے سے خاصی مدد بھی ملی..... کچھ عرصہ بعد بعض دوسرے لوگوں نے بھی میرے ساتھ جانے کی خواہش کی..... لیکن میں ہمیشہ ٹال گیا.....

البتہ..... ایک عراقی عرب..... ابو الاسلام محمد..... جن سے مسجد میں ملاقات ہوئی..... کئی بار فاختہ یا کوئل کے شکار پر ساتھ ہوئے..... اور نہایت مہذب و معقول ثابت ہوئے لیکن ان بیچارے کی ناگوں میں کچھ نقص ہے جس کی وجہ سے ان کو چلنے میں دشواری ہوتی ہے..... اور میرا ساتھ نہیں دے سکتے نتیجتاً مجھے بھی ان کی مروت میں ٹھہرنا پڑتا تھا اور بڑا وقت ضائع ہوتا تھا.....

عرب..... اور شکاری.....!؟

ہے ناجحیرت انگیز بات.....!

شکار ہمت کا کام ہے..... محنت و مشقت چاہتا ہے..... وقت چاہتا ہے.....! ابو ظہبی دبی اور ملحقہ ”شیخوں“ کے روسا شکار میں بہت دلچسپی رکھتے ہیں لیکن ان کا شکار بھی مختلف نوعیت کا ہے.....

امارات اور سعودی و عمانی شیوخ..... باز پالتے ہیں (شکرا) ان بازوں کی تربیت جرمنی میں ہوتی ہے..... میں نے کئی سال قبل نی دی پر ایک پروگرام اس موضوع سے متعلق دیکھا تھا جس میں جرمنی اور انگلینڈ کے ان اداروں کے طریق کار کی نمائش کی گئی تھی جن میں وہ ”باز“ کو کسی سے تربیت دیتے ہیں اور جب وہ شکار کرنا سیکھ جاتے ہیں تو ان میں سے اکثر باز خطیر رقموں میں فروخت کیے جاتے ہیں..... ابو ظہبی میں ایک دفعہ جمعہ خلقان نے مجھے بتایا تھا کہ اچھے سکھائے ہوئے تیز رفتار باز کی قیمت کبھی کبھی ایک لاکھ درہم ہو سکتی ہے..... شیخ زائد بن سلطان حکمران ابو ظہبی کے پاس بڑے قیمتی باز ہوا کرتے تھے.....

لاہور میں کئی حضرات میرے ساتھ شکار میں گئے..... بعض ایسے تھے جنہیں میں بخوشی لے گیا..... بعض ایسے تھے جو بادل خواستہ لے جائے گئے..... اور بعض ایسے بھی جن کو ساتھ لے جا کر خود اپنے سے نفرت ہونے لگی.....! میں شکار میں کسی کو ساتھ لے جانے سے پہلے بھی پرہیز کرتا تھا..... خصوصاً شیر کے شکار پر..... میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں..... خطرناک جانور کے شکار میں مجھے تنہا جانا زیادہ پسند ہے بہ نسبت کسی کو ساتھ لے جانے کے..... اس کی وجوہات بھی بالتفصیل لکھ چکا ہوں.....

لیکن لاہور میں جب دو ایک بندو قچیوں کے اصرار سے مجبور ہو کر میں ان کو ہڑیال کے شکار پر ساتھ لے گیا تو مجھے ایک بار پھر اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنا پڑی..... اور میں نے قطعاً توبہ کر لی..... عہد کیا کہ اپنے بچوں کے سوا کسی کو ساتھ لے جانا گناہ کبیرہ اور میں اس گناہ کا مرتکب نہیں ہونے کا.....



قطب شاہی کی دہلیز پر پہلا پاکستانی شکاری قمر نقوی

مجھے بتایا گیا کہ شیخ زائد اور ان کے رفقا ہر سال ”تلور“ کے شکار کے لیے پاکستان جاتے ہیں..... اور سندھ کے کسی علاقے میں اپنے قیمتی بازوں کے ذریعے تلور شکار کرتے ہیں.....

ویسے ابو ظہبی ٹی وی پر اکثر اس شکار کی فلمیں کئی کئی گھنٹے متواتر دکھا کر لوگوں کو بور کیا جاتا تھا..... فلمیں پیش رات کے وقت دیر میں دکھائی جاتی ہیں..... اور اچھی خاصی دلچسپ ہوتی ہیں بشرطیکہ شکار سے دلچسپی بھی ہو.....

اس سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ ابو ظہبی دبئی اور شارجہ کی ”شینوں“ کی اپنی بڑی بحری اور ہوائی افواج بھی ہیں..... ان کے پاس ساڑھے گیارہ ٹینک..... سواسات ہوائی جہاز اور پونے تین بحری لڑاکا جہاز بھی ہیں.....

دشواری یہ ہے کہ قوت انسانی کی سخت قلت ہے..... عرب قوم کا فرد سپاہی تو ہرگز نہیں ہو سکتا اس کی ”غیرت قومی“ یہ گوارا ہی نہیں کر سکتی کہ ”سپاہی“ بن جائے..... البتہ کپٹن، میجر کرنل اور جنرل وغیرہ بننے میں اس کو عار نہیں۔ گوموروثی جہالت اور فطری تکبر اس میں ظاہر رہتا ہے۔ سپاہیوں کی حاجب رفع کرنے کے لئے مختلف ممالک کے لوگ بھرتی کیے گئے ہیں..... صومالیہ، اتھویا، سوڈان، الجیریا، نائجیریا وغیرہ ممالک کے لوگ ہیں..... ہوا باز پاکستانی، ٹینک اور بری توپیں چلانے والے سوڈانی ہیں..... اور..... افسر..... عرب..... اس لیے عرب صرف افسری ہی کر سکتے ہیں.....

۸۳..... ۱۹۸۲ء..... میں ایک بار دبئی اور شارجہ میں خوں آشام جنگ کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا..... دونوں ”ممالک“ کی بری اور ہوائی افواج مقابل صف آرا ہونے ہی والی تھیں کہ معلوم ہوا..... سپاہی سب ہتھیار چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں..... چھاؤنی خالی ہے..... افسران بالا..... جو عرب تھے..... رخصت اتفاقی لیکر لندن یا پیرس چلے گئے.....

گویا بھان متی نے جو کینہ جوڑا تھا وہ یوں ہوا.....

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

لڑائی ختم..... دونوں ”ممالک“ دوبارہ فوجی بھرتی کی کوشش میں لگ گئے.....  
MERCENERY فوجوں سے کہیں لڑائی لڑی گئی ہے.....!

بہر حال..... یہ تو ایک خن گسترانہ بات آگئی.....  
آج کے عرب وہ عرب نہیں ہیں کو کبھی حکومت و شوکت و طاقت سے سرفراز تھے..... اب تو حکومت اور شوکت ہی رہ گئی ہے..... وہ بھی کسی کی مرہون منت ہے.....! یہ بات الگ کہ حکومت اسی وقت تک ہے جب تک عوام جاہل و غافل ہے..... اور جہاں تک ان عرب ممالک کا تعلق ہے..... عوام ہمیشہ جاہل و غافل ہی رہیں گے..... عرب تو جتنا زیادہ جاہل ہوتا ہی قابل ہوتا ہے.....!

میں نے گیارہ سال کا عرصہ تہران میں گزارا..... تقریباً چھ سال عرب متحدہ امارات میں گزارے..... میں نے عربوں کے سیاسی معاشی معاشرتی اور اخلاقی حالات کا بہت سیر حاصل مطالعہ اور مشاہدہ کیا ہے جن دنوں میں ابو ظہبی یا العین میں رہتا تھا ان دنوں بھی میرا ارادہ تھا کہ میں ایران اور ابو ظہبی کے بارے میں ایک سفرنامہ یا اس قسم کے تذکرے کی کتاب تالیف کروں جس میں اپنے مشاہدات اور تجربات تحریر کروں..... لیکن میری مصروفیات اتنی رہیں کہ یہ منصوبہ مکمل نہ ہو سکا..... اب..... اس کتاب کی تکمیل کے بعد میں ان پر کام شروع کروں گا انشاء اللہ.....!

امریکہ میں ٹرکی کا شکار سب سے دشوار شکار ہے..... اس لیے کہ یہ پرندہ..... جو اکثر اڑتا نہیں..... یا اگر اڑتا ہے تو مور کی طرح مختصر پرواز کرتا ہے..... چالاک ترین پرندہ ہے..... اس کی قوت باصرہ اور سامعہ دونوں نہایت قوی..... اور ذرا سی حرکت یہ دیکھ لے تو پھر نہ صرف سارا سارا دن جھاڑیوں میں چھپا رہتا ہے بلکہ نہایت سکوت اور سکون کے ساتھ نقل مکانی کر کے کسی اور جانب نکل جاتا ہے.....

جنگل میں چرندوں..... درندوں کے چلنے کی آواز قطعاً نہیں ہوتی..... بجز اس کے کہ وہ قدموں کی حرکت خود ہی سننا چاہیں..... درندوں کے پیر تو نرم ہوتے ہیں..... یہی وجہ ہے کہ شیر چیتے اور ریچھ کانٹوں والی جھاڑیوں میں نہیں گھستے..... بلکہ ایسی زمین



نے ہندوستانی ہاتھی کو اس کی ضرب سے کئی قدم ڈمگاتے دیکھا ہے۔۔۔۔۔

ایک بار۔۔۔۔۔ راشین کے جنگل میں۔۔۔۔۔ ایک بلند چٹان پر بیٹھا نشیب کے چھدرے جنگل کے درمیان سے گزرتے چشے پر آنے والے پرندوں کو دیکھ رہا تھا۔۔۔۔۔ یہ کام میں اکثر کرتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں شکار کا جس قدر لطف جنگلی جانوروں کی نقل و حرکت کا چشم دید مشاہدہ کرنے میں ہے اتنا شکار کر لینے میں نہیں ہے۔۔۔۔۔ میں اب بھی امریکہ میں شکار پر کچھ وقت جانور کے شکار کرنے میں لگاتا ہوں۔۔۔۔۔ اس لیے کہ شکار تو ملے گا اور مار لیا تو کام ختم۔۔۔۔۔ پھر واپسی کی ہی فکر ہوتی ہے۔۔۔۔۔ لیکن میں اس کے بعد بھی جنگل میں۔۔۔۔۔ اکثر کمیں گاہ میں۔۔۔۔۔ سارا سارا دن بے کار بیٹھا رہتا ہوں۔۔۔۔۔ اور جنگل کے ان باشندوں کو آتا جاتا دیکھتا رہتا ہوں جو یا تو میری موجودگی سے لاعلم ہوتے ہیں یا مجھے بھی اپنے قبیلے کا رکن سمجھ کر میری طرف سے غافل ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔

شکار تو میں صرف اتنا ہی مارتا ہوں جتنی مجھے ضرورت ہو۔۔۔۔۔

کبھی ایسا ضرور ہوا ہے کہ میں شیر کے شکار پر رہا اور کئی کئی ہفتے کا پروگرام ہوا۔۔۔۔۔ گاؤں میں گوشت تو شاذ و نادر ہی نصیب ہوتا ہے۔۔۔۔۔ گاؤں کے لوگ سبزیوں پر گزر کرتے ہیں۔۔۔۔۔ ایک عرصہ ان لوگوں کی قابل رشک صحت اور طویل عمری کا مشاہدہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ ان لوگوں کی سادہ خوراک اور محنت ان کی بیماریوں سے آزاد زندگی کا راز ہے۔۔۔۔۔

ان کی خوراک کیا ہے!؟

اکثر دیہاتیوں کی خوراک۔۔۔۔۔ جوار۔۔۔۔۔ باجرہ۔۔۔۔۔ مکئی کی سادہ روٹی۔۔۔۔۔ مکھن کا ایک ٹکڑا۔۔۔۔۔ یا تازہ کچی مولی کے ساتھ۔۔۔۔۔ یا پیاز۔۔۔۔۔ یا تازہ دھنیا کی پتی اور نمک کی چٹنی۔۔۔۔۔ اگر کوئی دیہاتی ذرا بہتر حال کا ہو تو شاید روٹی کے ساتھ اس کو کوئی تازہ سبزی پکی ہوئی مل جائے۔۔۔۔۔

نہ ان کو پھل میسر ہیں۔۔۔۔۔ نہ یہ لوگ سیب، انار، انگور، سنگترے کھاتے ہیں۔۔۔۔۔ نہ ان کو وٹامن کی گولیاں معلوم ہوتی ہیں۔۔۔۔۔

سے بھی بچ کر چلتے ہیں جہاں کانٹوں کا احتمال ہو۔۔۔۔۔

میں اپنی کسی کتاب میں ایک آدم خور کا واقعہ بیان کر چکا ہوں۔۔۔۔۔ جو اطراف و جوانب میں شدید دہشت پھیلاتا اور انسانی آبادی پر شب خون مارتا رہا۔۔۔۔۔ لیکن صرف ایک آبادی اس کے حملوں سے محفوظ رہی اس لیے کہ اس آبادی کے لوگوں نے بہم مل کر کانٹے دار جھاڑیوں کی اتنی بڑی مقدار جمع کی کہ آبادی کے گرد نہای پیتھاک کانٹوں کی دیوار اٹھادی۔۔۔۔۔ شیر اس دیوار کے پاس تک آتا۔۔۔۔۔ لیکن اس کو منہدم کرنے۔۔۔۔۔ یا اس پر سے جست لگا کر اندر جانے یا اس میں گھسنے کی کبھی جرات نہیں کی اور آبادی کے لوگ اس کی تاخت سے محفوظ رہے۔۔۔۔۔ تاہم اس ”فسادی شیر“ کو میں نے کوئی ایک ماہ کی کوشش کے بعد ہلاک کر دیا۔۔۔۔۔

شیر کو سیبی کا گوشت بہت پسند ہے۔۔۔۔۔ سیبی کو شکار کرنے میں اس کو بہت زیادہ محنت اور صبر سے کام کرنا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ لیکن ایک دفعہ اس کے پیچھے پڑ جائے کے بعد پھر چھوڑتا نہیں اس کوشش میں سیبی کے کانٹے شیر جیسے چابکدست اور بجلی کی طرح سریع قاتل اور شکاری کے ضرور لگتے ہیں۔۔۔۔۔ کبھی تو یہ کانٹے ایسی جگہوں پر لگتے ہیں جنہیں شیر دانتوں سے کھینچ کر نکال لیتے ہیں لیکن بعض وقت کوئی کانٹا ایسا بھی لگ سکتا ہے جو وہ نہ نکال سکے۔۔۔۔۔ مثلاً ایک شیر میں نے ایسا شکار کیا جس کی گردن میں سیبی کا کانٹا ایسے گھسا تھا کہ اس غریب کو سر کو جنبش دینے میں یقیناً تکلیف ہوتی رہی ہوگی۔۔۔۔۔

لیکن یہ اتفاقات بہت شاذ ہی ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ شیر کو اپنے شکار کی ہلاکت کے لیے اتنے معلوم ہوتے ہیں کہ خود زخمی ہوئے بغیر اپنے شکار کو صاف ہلاک کر دیتا ہے۔۔۔۔۔ سیبی کو بھی شیر ہمیشہ مارنے میں کامیاب رہتا ہے اور کوئی کانٹا بھی نہیں لگتا۔۔۔۔۔ میں نے شیر کو سیبی مارتے دیکھا ہے۔۔۔۔۔ کئی بار دیکھا ہے۔۔۔۔۔ دشواری صرف یہ ہوتی ہے کہ سیبی کا سارا جسم کانٹوں سے چھپا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ جسم کا کوئی حصہ کھلا نہیں ہوتا جہاں شیر منہ مار سکے یا نیچے سے ضرب پہنچا سکے۔۔۔۔۔

شیر کے پنچے کی ضرب بڑی مہلک ہوتی ہے۔۔۔۔۔ انسان کی تو بساط ہی کیا میں

تھیں..... دیہاتیوں نے تو کبھی اس قسم کا کھانا نہ دیکھا نہ سنا..... اور وہ اس کو کھا کر حیران رہ جاتے تھے.....

بعض دیہاتیوں کو تعجب بھی ہوتا تھا کہ میں اتنا عمدہ کھانا ان کے سپرد کر کے ان کا کھانا کیوں کھاتا ہوں..... لیکن ان کو یہ نہیں معلوم کہ میرے کھانے کا ذائقہ واقعی نہایت اعلیٰ لیکن طبعی نقطہ نظر سے صحت کے لیے مضر..... اس کے بے شمار مصالح جات..... ہلدی، دھنیا، نمک، مرچ، زعفران، بادام، گھی، زیرہ، دارچینی، اور نجانے کیا..... یہ ساری چیزیں لذت تو ضرور رکھتی ہیں لیکن جسمانی نظام، اعصاب، دماغ، خون اور نجانے دل و جگر پر کیا کیا اثرات وارد کرتی ہوں گی.....

جبکہ ان کی غذا..... خالص..... صاف، صحت افزا اور مفید ہوتی ہے.....

ایک بار عجیب اتفاق ہوا..... میں کئی روز سے پوٹھا میں ٹھہرا ہوا تھا..... میرے ساتھ حقانی کاظمی اور شاید دو ایک اور لوگ تھے..... اسلم بھی تھا ہم لوگ صبح سویرے پوٹھا سے آڑے کے لیے واپس ہوئے..... خیال یہ تھا کہ دوپہر تک آڑا پہنچ جائیں گے..... صبح پوٹھا میں ناشتہ کر کے روانہ ہوئے..... کھانے کا سامان ختم تھا اس لیے دوپہر کے کھانے کا انتظام نہیں کیا..... اسلم نے کہا کہ راستے میں آٹا چاول اور مصالحے خرید کر آڑا ریسٹ ہاؤس میں مرغ پکائیں گے اور روٹی بن جائیگی..... میں بھی اس پر راضی ہو گیا..... اور ہم لوگ روانہ ہو گئے.....

اتفاق کی بات..... دو گھنٹے بعد ہی سب کو بھوک لگی..... آس پاس کوئی آبادی بھی نہیں..... ہم لوگ چلتے رہے اور بھوک میں شدت آتی گئی..... سب کی حالت دوپہر تک خراب ہی ہو گئی..... آڑا آنے کے لیے بڑی بلندی پر چڑھنا ہوتا ہے..... اس پڑھائی نے سب کے ہوش اڑا رکھے تھے..... دوپہر کے ذرا بعد ایک ڈیرے پر گزر ہوا..... ایک ہی گھر تھا..... اسلم اس گھر والے کے پاس گیا کہ کچھ کھانے کو مل جائے..... اتفاق سے اس کے گھر میں اس وقت صرف ایک روٹی اور ایک گلاس دہی نکلا..... ہم چھ سات آدمی تھے..... وہی روٹی ایک ایک ٹکڑا سب کے حصے میں آئی اور

میرے ایک عزیز نے ڈاکٹری سند حاصل کی..... اور ملک و قوم کی محبت میں بے قرار ہو کر یہ فیصلہ کیا کہ ان کو کسی نہایت چھوٹے دیہاتی علاقے میں پریکٹس کرنا چاہیے تاکہ وہ خلق خدا جو دوا اور علاج سے قطعاً محروم رہتی ہے اس کی خدمت کی جا سکے..... ان کا خیال تھا کہ سارے ڈاکٹر اور حکیم شہروں میں ہی پریکٹس کرتے ہیں جبکہ ایک بہت بڑی حلقہ دیہاتوں میں رہتی ہے اور جدید دواؤں اور معالجات سے محروم رہ جاتی ہے..... اور انھوں نے ایک ایسے گاؤں میں جہاں صرف بارہ تیرہ گھر تھے..... مطب قائم کیا..... اطراف میں دو چار دس میل کے گرد کئی آبادیاں تھیں..... ان کے مطب کھولتے ہی دو تین مریض آئے..... معائنے اور دوا کے لیے ان کے پاس پیسہ کوئی نہیں تھا..... ایک شخص ان کو دو چار سیر سبزیاں دے گیا..... دوسرے نے صرف دعائیں ہی دیں.....

اس کے بعد تین ماہ تک کوئی مریض نہیں آیا گو انھوں نے اطراف کی ساری آبادیوں میں اعلان کرایا کہ ایک ڈاکٹر قریب ہی موجود ہے..... غرضیکہ دو سال کی نہایت افسوسناک ناکامی کے بعد وہ صاحب دیہات سے منتقل ہو کر شہر آ گئے..... گفتگو کے دوران انھوں نے مجھ سے کہا تھا.....

”ایسے نامعقول لوگ ہیں کہ بیمار ہی نہیں ہوتے.....“

”کیا تم نے اس کا راز جاننے کی کوشش کی.....؟“

میں نے پوچھا

”ہاں..... یقیناً ان کی صحت کا راز ان کی قطعاً سادہ غذا ہے..... اور محنت

.....“

میں تو پہلے ہی اس فیصلے پر پہنچ چکا تھا.....

بارہا ایسا ہوا کہ میں نے اپنا کھانا دیہاتیوں کو دے دیا..... میرا کھانا..... خدا کی عنایت سے..... پراٹھے کباب، بھنا مرغ، بھنا گوشت، زعفران زار قسم کا پلاؤ..... ہوا کرتا تھا..... یہ سب یکبارگی تو نہیں..... لیکن ان میں سے دو اقسام ہمیشہ ہوتی

وہی ایک گلاس دہی ایک ایک دو دو گھونٹ سب نے پیا..... اور اسی طرح بھوکے  
مردہ آڑے پینچے.....!

ایسا ہی واقعہ ایک بار حیدر آباد دکن کے علاقے آصف آباد میں میرے ساتھ  
پیش آیا..... لیکن دونوں کے نتائج کس قدر مختلف تھے.....!

میں علی الصباح گاؤں سے حسب معمول ناشتہ کر کے نکلا..... یہ ایک چھوٹا  
گاؤں تھا..... نام مجھے صحیح یاد نہیں رہا..... کنھور..... یا تھور..... وغیرہ کچھ تھا..... میری یا  
داشتیں نذر آتش ہو چکیں ورنہ صحیح معلوم ہو جاتا.....

گاؤں سے میں نے حسب معمول اچھی طرح ناشتہ کیا تھا..... اور وہ ناشتہ  
تھا..... جوار کی روٹی..... جو عام روٹی سے کافی جسیم ہوتی ہے..... خالص مکھن کا ایک کو  
پیکر قطعہ..... گڑ..... جسے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹ دیا گیا تھا..... اور دو انڈے  
جو دیہاتی طریقے پر تیلے گئے تھے..... میں نے جوار کی نصف روٹی مکھن اور گڑ سے  
کھالی..... انڈے کھائے اور دو پیالی چائے پی..... دوپہر کھانے کے لیے دو عدد  
پرائٹھے..... چار انڈے اور تھوڑا گڑ..... ساتھ تھا.....

بدوق اور شکاری جھولا..... کیمرہ..... پانی کی بوتل ایک آدمی نے اٹھائی اور  
میں کیمرہ اور رائفل لے کر نکلا..... دوپہر تک ہم لوگ گاؤں سے نو دس میل جنگل میں  
آگئے تھے..... سارا راستہ ہم کو بندروں نے تنگ کیے رکھا..... لیکن یہ ایسی مخلوق ہے کہ  
ہندوستان کے جنگلوں میں بکثرت پائی جاتی ہے..... نہ اس کو شکار کیا جاسکتا ہے نہ اس  
کی کھال گوشت یا اور کوئی چیز کارآمد ہے..... الا یہ کہ ان کو پکڑ کر چین یا جاپان وغیرہ  
برآمد کیا جائے جہاں ان کا گوشت بھی کھایا جاتا ہے..... اور سری کی زیادہ قیمت ہے اس  
لیے کہ بندر کا مغز بہت سے ممالک میں DEUCACY تصور کیا جاتا ہے.....

دوپہر کے قریب ہم ایک چشمے کے کنارے ٹھہرے..... میں ایک بڑے  
درخت سے پشت لگا کے بیٹھا رہا رائفل آمادہ ہاتھ میں رہی..... سامان بردار شخص سامان  
رکھ کر چشمے پر پانی پیتا رہا..... ہاتھ منھ دھوئے پھر ذرا دیر پانی میں پاؤں ڈالے بیٹھا



میں کھانے کے معاملے میں قدرتنا صابر واقع ہوا ہوں..... صبح کا ناشتہ اگر مناسب مل جائے تو دوپہر کو میں بہ آسانی شکار جاری رکھ سکتا ہوں اور شام تک مجھے کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوتی.....

اب بھی بھگت اللہ اس عمر کو پہنچنے کے بعد میں کھانے پینے کے معاملے میں قانع ہوں..... لیکن میں ارادنا کوئی تکلیف نہیں اٹھاتا..... عیش کے ساتھ ہر کام کرتا ہوں..... شکار پر جاتا ہوں تو کھانے پینے کا سامان بہ افراط ساتھ ہوتا ہے..... میٹھے کا شوق ہے اس لیے طرح طرح کی کینڈی اور بیگم صاحبہ کی پکائی ہوئی اشیاء ساتھ ہوتی ہیں..... کھانے میں اکثر بسکٹ (COOKIES) اور دال کھارے..... پانوں کی کافی تعداد..... کھانے میں اکثر شامی کباب یا بھنا ہوا گوشت وغیرہ..... اللہ تعالیٰ سبحانہ نے جب ساری نعمتیں عطا فرمائی ہیں تو ان سے پورا پورا استفادہ کرنا لازمی ہے..... میں نے کبھی شکار کے لیے خورد و نوش یا اور کسی قسم کی تکلیف نہیں اٹھائی نہ میں اسے ضروری سمجھتا ہوں..... کامل اطمینان، سکون، فراغت اور بے فکری کی حالت میں شکار میں کامیابی بھی یقینی ہو جاتی ہے..... پریشان دماغ اور بے آرام شکاری کا نہ ذہن صحیح کام کرتا ہے نہ جسم.....

بعض ایسے لوگ جو میرے ساتھ رہے ہیں ابتدا میں تو وہ ضرور میرے انتظامات سے یہ گمان کرتے کہ میں بہت عیش پسند شخص ہوں..... لیکن ہفتہ دس روز جنگل میں کسی تین گھروں پر مشتمل آبادی کے ٹوٹے پھوٹے کمرے یا چھپر کے نیچے گزارنے کے بعد ان کو ان تمام اشیاء کی اہمیت کا اندازہ ہوتا..... دن کی خشکی، مشکلات اور مایوسی رات کی بے آرامی اور خطرات..... ان سب کے بعد ذرا سا حلوا..... دو ایک ٹافیاں..... ایک پان..... ایک کپ چائے..... یا کوکو..... کسی قدر سکون اور کتنی تفریح کا باعث ہوتے ہیں.....

میں تو اکثر شیر کے شکار میں مچان پر بھی ساتھ کوئی ایسی چیز رکھتا تھا جو طویل انتظار اور کسلندی یا اونگھ کی صورت میں طبیعت کو کسی قدر فرحت دے سکے.....

رہا..... کچھ دیر آرام کرنے کے بعد میں پھر روانہ ہوا..... مجھے ایک آدم خور کی تلاش تھی اور یہی علاقہ اس کی آماجگاہ بتایا گیا تھا..... ظہر سے ذرا پہلے میں نے ایک چشمے کے کنارے رک کر آدمی سے کھانا نکالنے کو کہا..... اس نے تھیلا شانے سے اتار کر کھولا..... ایک تہہ میں دیکھا..... دوسری میں جھانکا..... پھر ادھر ادھر دیکھا..... کھانا غائب.....!

یہ نہیں معلوم ہوا کہ اس نے کس طرح وہ پوٹلی جس میں ہم دونوں کا کھانا باندھا گیا تھا کہاں گرا دی..... بھوک کا تو وقت ہی تھا.....

لیکن..... ہندوستان کے جنگل میں کوئی فاقے سے نہیں مر سکتا..... نزدیک ہی شریفیہ کے بے شمار جنگلی درخت تھے..... چروخی کے تھے..... جمال نے خوب پختہ پھل توڑے اور ہم دونوں نے شکم سیر ہو کر شریفیہ کھایا..... منہ کا ذائقہ بدلنے کے لیے چروخی کے پھل بھی کھائے..... اور وہی پانی پی کر میں نے وضو کیا اور ظہر کا فریضہ قصر کر کے ادا کیا.....

گاؤں واپس آ کر معلوم ہوا کہ پوٹلی وہاں تو نہیں رہی..... یقیناً راستے میں گر گئی.....!

وسط ہند کے جنگلوں میں تو اس کثرت سے کھانے والے لذیذ پھل ہوتے ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں..... میں کئی بار ان کا تذکرہ کر چکا ہوں.....

ذوب میں بھی ایک بار ہم اپنے کھانے کے بہت بڑے حصے سے ہاتھ دھو چکے ہیں..... وہ یوں کہ کھانے کے سامان نوشاہ کے رہے میں رکھا تھا..... ہم لوگ نیل گاڑیوں سے اتر کر ندی کی طرف چلے گئے اور بڑی دیر بعد کسی کی نظر رہے کی طرف گئی تو دو تین ریچھ رہے کے باہر اور ایک اندر گھسا نظر آیا..... ہم نے شور کیا تو یہ ریچھ بھاگ لیے..... رہے کو آ کر دیکھا تو ان شریروں نے کھانے کا سامان بکھیرا دیا تھا..... اور غالباً شامی کبابوں کی خوشبو نے بکھر کر ان کو وہاں آنے کی دعوت دی تھی..... میں اس کا قصہ بھی کسی کتاب میں تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہوں.....

الاسکا میں ریچھ کے شکار کا واقعہ روزنامہ مشرق کی ہفتہ وار میگزین میں قسط وار شائع ہو چکا ہے لیکن اب اس کتاب کے آخری قصبے کے طور پر وہ ساری داستان بالتفصیل میں نے از سر نو لکھی ہے..... اور متعلقہ تصاویر شامل کی ہیں..... آخر میں صرف یہ کہنا ہے.....

سب کئے لیتے ہیں اپنے نام اسے  
آپ بیتی میں نے جو تحریر کی

قرن ثانی

۶۲۰۷- ساؤتھ انڈیا ناپولس پبلش

ٹلسا اوکلاہوما..... ۷۴۱۳۶

یو ایس اے

ایک بار بچان پر سارے دن کی سکونت کے پیش نظر میں نے حلوے کی پیاری ساتھ رکھی تھی اور جب کئی گھنٹے گزر گئے تو او گھنٹے لگا..... میں نے پیاری کھول کر حلوے کی ایک قاش نکالی اور ایک ٹکڑا کھایا اور اس کے نتیجے میں جو پریشانی ہوئی وہ میری کسی شائع شدہ کتاب میں بالتفصیل لکھا ہوا ہے..... اچھا خاصا لطیفہ ہے..... اور بندروں کے پاجی پن کی دلچسپ داستان.....!

اس سے قطع نظر..... ضرورت کی ہر شے ساتھ ہونے سے جنگلوں اور ویرانوں میں جب شکاری اپنے گھریا مستقر سے کئی کئی دن..... اور کبھی کئی کئی ہفتے..... دور رہتا تھا..... ایسی حالت میں بے آرامی یا کسی ضروری چیز کی کمی..... خاصی تکلیف دہ ہی نہیں بلکہ مایوس کن ہو سکتی ہے.....

ایک بار میں رات کو ایک تالاب کے کنارے بچان پر بیٹھا..... عصر کے وقت لوگ مجھے بچان پر بٹھا کر گاؤں واپس گئے..... مغرب کی نماز کے بعد چھروں کے لشکروں نے جو مجھ پر حملہ کیا تو مجھے ایک دو گھنٹے کے اندر دیوانہ کر دیا..... اتفاق سے اس رات میرے ساتھ چھروں کو بھگانے والے کریم کی بوتل نہیں تھی..... جس قدر اذیت مجھے ہوئی اس کا اندازہ دشوار ہے..... نتیجہ یہ ہوا کہ مجھے رات بھر کبل اوڑھ کر بیٹھے رہنا پڑا اور ساری رات پسینے میں شرابور رہا.....

مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ سب کہہ لیا..... اس کتاب میں قدیم تصاویر کی کمی ہے..... اس کا سبب میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ آتشزدگی میں میرا سارا سامان کتابیں..... البم ملبوسات اور اثاثہ..... جل کر خاک ہو گیا..... اب پرانے شکاروں کی تصویریں کہاں سے آئیں..... جو کچھ تصاویر اس کتاب میں شامل ہیں وہ بیشتر کتاب کی زینت میں اضافے کے مقصد سے ہیں..... حقیقت سے ان کا تعلق کم ہے..... التنبہ جہاں تک امریکہ..... یعنی الاسکا میں ریچھ کے شکار کا تعلق ہے..... اس کے متعلق تصاویر بھی حقیقی اور صحیح ہیں..... ان میں سے بعض تصاویر ایسی ہیں جو آتشزدگی کے بعد راکھ کریدنے پر خاک میں ملی ہوئی برآمد ہوئیں.....

بیرکنڈ کا آدم خور





نہیں ایک دوسرے سے یوں گتھ گئی ہیں جیسے کسی نے جال بن دیا ہو..... اور ان رختوں پر سینکڑوں قسم کے پھیلنے اور لپٹنے والی ٹیلیں..... جو ان کو اور زیادہ گھٹا بنا دیتی ہیں.....

بیرکنڈ..... ایک پہاڑ کے دامن سے ملحق علاقے پر آباد ہے..... آبادی کسی قدر بلندی پر ہے اور اس آبادی میں رہنے والوں کی زمینیں کسی قدر نشیب میں دور تک پھیلی ہوئی ہیں..... جنوب کی طرف وہ ندی ہے..... جس میں پہاڑ کی بلندی کی طرف سے آنے والا چشمہ برف کے برابر ٹھنڈا پانی لا کر ملاتا ہے..... یہ چشمہ ہمیشہ جاری رہتا ہے.....

بیرکنڈ کی زمینیں زرخیز ہیں..... ان پر گندم..... ارہر..... جو..... اور چنا کاشت کیا جاتا تھا..... اور بلھارشا کی منڈی میں فروخت کیا جاتا.....

بیرکنڈ سے سات میل شمال مشرق جکدل ہے..... جو نو گھروں پر مشتمل زرعی آبادی ہے..... اور اس کا بیرکنڈ سے قریبی تعلق ہے..... دوسری آبادی پانچ میل مغرب میں..... کھڈ ہے..... جس میں بیس بائیس گھر ہیں۔ اور اچھی بڑی آبادی خیال کی جاتی ہے.....

ان کے علاوہ جا بجا مختصر..... دو تین گھروں پر مشتمل آبادیاں بھی ہیں.....

اور یہ سب اس حال میں کہ ان گھنے جنگلوں میں زمین و آسمان کی ساری آفات بکثرت ہوتی ہیں..... مون سون کے زمانے میں کالے اودے بادل مغربی گھاٹ سے یوں اٹھتے ہیں جیسے

سمت کاشی سے سے چلا جانب متھرا بادل  
ابر کے دوش پہ لائی ہے صبا گنگا جل

اور یہ بادل جب برستے ہیں تو یوں جیسے آسمان کے سارے چشموں کے منہ یکبارگی ہی کھول دیے گئے ہوں..... پھر بجلی کے کوندے ایسے ہوتے ہیں جیسے ساری زمین میں آگ لگنے کو ہو..... اور بادل یوں گرجتے ہیں جیسے کانوں کے پردے ہی پھٹ

واردھا سے دکن جانے والی ریلوے لائن بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان مرعز اوروں اور تنگ وادیوں سے گزرتی گھنے جنگلوں سے ڈھکے علاقے کے درمیان مون سون کی موسلا دھار بارشوں سے شرابور بلھارشا سے گزرتی ہے..... بلھارشا چھوٹا سا اسٹیشن ہے..... چھوٹی سی آبادی ہے اور وہ بھی سنگلاخ پہاڑوں کے سخت سینے پر..... جہاں کہیں مٹی کا ذرا سا قطعہ بھی ہے وہاں اس کثرت سے درخت اور جھاڑیاں ہیں کہ وہم و گماں بھی ان کے درمیان سے نہ گزر سکیں.....

بلھارشا سے اٹھائیس میل شمال مغرب کی طرف..... دکن کے علاقوں سے ذرا پہلے ہی وہ مقامات ہیں جہاں کسی زمانے میں مغل حکمرانوں کی ناقابل شکست افواج سے ڈر کر جنوبی اور وسطی ہند کے سرکش راجوں نے پناہ لی تھی..... ان علاقوں کے جنگل ناقابل گذر..... بے حد گھنے اور زمین انتہائی ناہموار ہے..... اس کے باوجود..... انسان سب سے بڑی بلا ہے..... ان جنگلوں پہاڑوں اور ندی نالوں سے گزر کر بھی جا بجا چھوٹی چھوٹی آبادیاں قائم کر لی ہیں..... بیشتر آبادیاں کسی ندی نالے یا ایسے مقام پر ہیں جہاں پانی سطح زمین سے نزدیک تر ہے.....

ان ہی میں چند رہ سولہ گھروں پر مشتمل آبادی ہے..... بیرکنڈ.....!

اونچے اونچے سرسبز درختوں سے ڈھکے پہاڑ ہر طرف سر اٹھائے کھڑے ہیں..... وادیوں میں ہزاروں سال پرانے برگد..... پیپل اور سال کے جنگل ہیں جہاں درختوں کی

جائیں گے.....

ایسی طوفان زدہ زمین کا نام ہے بیرکنڈ..... اور جکدل ہے..... اور کھنڈ ہے..... اور گھسا ہے.....!

ان تمام قیامت آثار نشانیوں کے بعد پھر وہ بلائیں بھی ہیں جو ان جنگلوں میں پائی جاتی ہیں.....

شیر چیتے..... ریچھے..... جنگلی بلیاں..... جنگلی کتے، بھیڑے..... سیاہ گوش..... ہزاروں قسم کے سانپ..... بچھو..... کنکھو..... بھڑیں..... مچھر..... وغیرہ.....

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسان دشمن مخلوق سب اسی علاقے میں جمع ہو کر وہاں رہنے والوں کے خلاف مجاز قائم کیے ہوئے ہے.....

لیکن وہ انسان بھی بلا ہی تھے..... اتنے تمام دشمنوں کی صف آرائی کے درمیان انھوں نے سینکڑوں سال ان جگہوں پر ہی گزار دیئے..... نسل در نسل وہیں رہتے رہے اور ان تمام دشمنوں پر قابو پالیا جو وہاں پائے جاتے تھے نہ صرف یہ کہ وہ لوگ وہاں رہتے ہی تھے بلکہ زراعت کرتے اور ان ہی جنگلوں پہاڑوں..... ندیوں اور نالوں سے گزر کر ایک آبادی سے دوسری آبادی میں آتے جاتے..... کاروبار خرید و فروخت کرتے..... شادی بیاہ کرتے اور ہر اس عنصر مخالف کا مقابلہ کرتے تھے جو ان کو ایذا پہنچانے کی کوشش کرے.....

لیکن..... ایک ایسی بلا نازل ہوئی جس کا تذکرہ ان کے پاس نہیں تھا.....! ہوا یوں کہ بیرکنڈ کے ایک گھرانے کے جوان..... فیض..... کی شادی جکدل کے ایک خاندان میں طے ہوئی..... بیرکنڈ اور جکدل کا فاصلہ سات میل یا کچھ کم..... فیض کی برات تین میل گاڑیوں میں سوار ہو کر صبح سویرے ہی بیرکنڈ سے نکلی اور دوپہر جکدل جا پہنچی..... وہاں گانا بجانا بھی رہا..... کھانے میں بھی دیر ہوئی..... جب یہ لوگ دلہن کو رخصت کرا کے روانہ ہوئے تو سورج ڈھل کر اونچے پہاڑوں کی چوٹیوں کو چھونے لگا تھا..... یعنی سہ پہر ہو رہی تھی.....

روانگی کے وقت جکدل کے ایک معمر اور سمجھ دار آدمی نے فیض کے باپ پیراں کو الگ لے جا کر بتایا.....

”پیراں بھائی..... ذرا خیال رکھنا..... ایک باگھ ادھر آیا ہے..... سنا ہے کہ وہ گجوکھڑ میں دو آدمی کھا چکا ہے.....“

گجوکھڑ وہاں سے تیس میل شمال مغرب کی طرف ایک چھوٹی آبادی تھی.....

”شام ہو رہی ہے.....“

پیراں نے متفکر ہو کر کہا.....

”یہ باگھ دو دفعہ ایک چرواہے کے پیچھے آچکا ہے.....“

”ہاں.....“ پیراں نے تعجب سے کہا.....

دلہن کی گاڑی چلی ہی تھی کہ لڑکیوں نے ایک گیت چھیڑ دیا..... اور گیت کے بعد گیت ہوتا رہا کبھی کبھی دو چار مرد بھی ان کی آوازوں میں آواز ملا دیتے.....

پیراں نے اپنے بیٹے فیض کو شیر کے بارے میں بتا دیا تھا..... اس نے اپنے سارے ساتھیوں کو یہ خبر سنائی..... اور کبھی ہوشیار رہے.....

گھنا جنگل..... گاڑی کا راستہ تو ہوتا ہی ایسا ہے کہ جھاڑیوں کے بیچ میں سے گزرتا خصوصاً اس علاقے میں..... راستے کے دونوں طرف اونچی گھاس..... جھاڑیاں.....

درخت..... ہی تھے.....

تین چار مضبوط جوان کلہاڑیاں لیے گاڑیوں کے جھوم سے دس بیس گز آگے آگے چل رہے تھے..... ایک مقام پر گاڑی کا راستہ ایک بہت بڑے کوہ پیکر چٹان کے گرد گھوم کر مغرب کو مڑ جاتا تھا..... یہ لوگ جو آگے آگے چل رہے تھے اس موڑ کے قریب جا کر یکبارگی ٹھٹھک کر دم بخود رہ گئے چند لمحے اس حال میں رہنے کے بعد وہ چپکے چپکے واپس ہوئے اور دوڑتے ہوئے اس قافلے کے پاس آئے..... گاڑیاں روک دیں گئیں.....

”کیا بات ہے ہنسی لال.....؟“

گی.....

دو آدمیوں نے ایک قدم بڑھ کر اس کو ڈانٹا..... اور سب نے مل کر شور کیا.....  
کھڑیاں لہرائیں..... بالآخر شیر نے اٹھ کر ایک انگریزی لی..... ایک بار دانت نکال کر ان  
کھٹکی دی..... براتیوں نے اور زیادہ شور کیا..... اور شیر..... ایک بے نیازانہ انداز سے  
اٹھ کر ایک طرف چل دیا..... دو تین آدمیوں نے پتھر بھی اس کے طرف پھینکے..... ایک  
پتھر اس کے نزدیک ہی گرا..... شیر نے گھوم کر دیکھا اور تیزی سے جھاڑیوں میں چلا  
گیا.....

لیکن وہ لوگ دور تک اس کو جاتا دیکھتے رہے تاہم وہ پہاڑ کی ایک گھنی وادی  
میں داخل ہو گیا..... گرمیوں کے دن تھے یہی وجہ تھی کہ شیر باہر نظر آیا ورنہ بالعموم شیر  
اور انسان کے اوقات کار قطعاً مختلف ہوتے ہیں..... شیر کا سارا شکار رات کے وقت ہوتا  
ہے..... انسان کا سارا کاروبار دن کے وقت اس لیے دونوں کے تصادم کا امکان قدرتنا  
کم ہوتا ہے.....

آدم خور شیر اپنے اوقات شکار میں نہ صرف تبدیلیاں ہی کر لیتا ہے بلکہ غیر  
متوقع اوقات اور موافق پر آ پہنچتا ہے اور یہی اس کی کامیابی کا باعث ہوتا ہے..... آدم  
خور شیر کے اوقات کار کا تعین ممکن نہیں..... میں نے جتنے آدم خور شیر شکار کیے ان سب  
کو..... دو شیروں کے علاوہ..... دن کے وقت ہی ہلاک کیا..... گویا وہ تمام شیر عام  
شیروں کی عادت کے خلاف دن کے وقت سرگرم عمل تھے.....

شیر کے جانے کا اطمینان ہو جانے کے بعد بارات پھر بیر کنڈ کی طرف روانہ  
ہوئی لیکن اب سب ہی چوکنے لگے اور وہ جو ایک شادمانی کی حالت میں نغمہ و سرور کا سلسلہ  
تھا وہ بھی منقطع ہو گیا..... شام ہونے کو تھی اور بارات ابھی بیر کنڈ سے ڈیڑھ دو میل رہ گئی  
تھی کہ ایک بار..... ایک شخص نے گھوم کر دیکھا تو شیر..... کوئی ساٹھ ستر گز پر..... آدمی  
کے گھوم کر دیکھتے ہی شیر جھاڑیوں کی آڑ میں آ گیا..... یہ حرکت خطرناک تھی..... اس  
شخص نے فوراً ہی نہار نہار کا شور کر دیا..... اب بارات تیز قدم حرکت کرنے لگی.....

پیراں نے پوچھا

”چاچا..... نہار.....“

ان سب کے تو ہوش اڑ گئے..... گیٹ بند ہو گیا..... اور ذرا دیر کے  
خاموشی طاری ہو گئی..... لیکن وہ لوگ ان ہی علاقوں کے رہنے والے..... دن را  
شیروں اور چیتوں کو دیکھتے ہی رہتے تھے ان کو پریشانی صرف اس اطلاع کی بنا پر تھی  
وہ شیر جو کھڑ میں وارداتیں کر چکا تھا.....

”نہار.....؟.....“

”کہاں ہے.....؟“

”راستے کے پتو بیٹھا ہے.....“

”گیدر ہو گا.....“

”نہیں..... نہار..... نہار.....“

بارات میں کل پندرہ نفر تھے..... پانچ عورتیں بشمول دلہن، دس مرد..... ا  
میں سے پیراں سمیت تین بوڑھے..... سات جوان..... تین آدمیوں کے پاس کھانڈر  
تھے.....

”کہاں ہے.....“

انہوں نے پھر پوچھا

”کتنی دور پر ہے.....؟“

کوئی سو قدم پر..... اور بیچ راستے میں بیٹھا ہے.....“

بوڑھوں نے دو لمحے غور کیا.....

”سب مل کے شور مچائیں تو بھاگ جائے گا.....“

وہ سب ہی موڑ کے قریب گئے اور دوسری طرف دیکھا..... شیر ہی تھا.....  
بہت بڑا گھجھو والا شیر..... اور راستے کے عین وسط میں گردن پھلائے سر اٹھائے ار  
طرح بیٹھا تھا جیسے ساری دنیا مل کر بھی اس کو وہاں سے ہٹانے کی جرات نہیں کر سکے

بیل سے بھی بڑا تھا..... اور سائڈ کے برابر گٹھا.....“  
 ”اچھا.....“ کئی تعجب بھری آوازیں آئیں.....  
 ”وہ ذکر اتنا تو معلوم ہوتا بادل گرج رہا ہے..... دل دہل جاتا.....“  
 اور وہ بڑے میاں اپنے تجربات دیر تک بیان کرتے رہے.....  
 ”مگر یہ جو شیر آ گیا ہے..... یہ بھی خطرناک ہے.....“  
 ایک شخص نے کہا  
 ”خطرہ تو ہے.....“

دوسرا بولا

”مراری جی کہتے تھے اس نے کئی آدمی کھائے ہیں.....“  
 ”مراری کو کیا معلوم یہ وہی نہا رہے.....“  
 ”وہی ہے..... تبھی تو ہمارے پیچھے آیا.....“  
 ”ہاں..... یہ تو ہے.....“  
 ذرا دیر خاموشی رہی.....  
 ”چوکنار ہنا چاہیے.....“  
 ایک بوڑھا بولا.....

بس..... یہی کچھ وہ کر سکتے تھے..... ان کی سوچ محدود رہی تھی..... لیکن شیر  
 سے بچنے کی اور تدبیر بھی کیا تھی.....  
 اس آبادی میں صرف ایک شخص کے پاس بارہ بور کی ایک نالی بندوق تھی.....  
 دو آدمیوں کے پاس توڑے دار بندوقیں تھیں..... جن میں سے ایک فیروز شاہی دھا کہ  
 تھا..... اور ایک عام بھرمار بندوق..... یہ لوگ کبھی کبھی ہرن یا چیتل شکار کر لیتے جس کا  
 گوشت ساری آبادی میں تقسیم کیا جاتا.....  
 آبادی میں ہندو بھی تھے مسلمان بھی..... لیکن کسی کو کبھی مذہبی تعصب کا خیال

گاڑیاں ہنگائی لگیں لیکن بیلوں کو دوڑایا نہیں گیا..... اسی حالت میں کہ شیر پیچھے آ رہا  
 بیلوں کو دوڑانا نہایت خطرناک ہو سکتا ہے دیہاتی ان تمام مصلحتوں سے واقف ہو  
 ہیں.....

بارات بخریت بیر کنڈ پہنچ گئی لیکن اس عرصے میں شیر تین مرتبہ اور نظر آیا.....  
 جس سے ان لوگوں نے بھی یہی مطلب کیا کہ وہ ان کے تعاقب میں آیا..... اور یہ  
 اس کو انسانی شکار کی تلاش ہے بارات والوں کے چوکنار ہونے کی وجہ سے اس کو حملے  
 جرات نہیں ہوئی.....

ان علاقوں میں رہنے والوں کی مختلف دشواریاں بھی ہیں..... شیر کو ہلاک  
 کرنے کے لیے ان کے پاس مناسب ہتھیار نہیں ہوتے..... ان کی زمینیں دور دور تک  
 پھیلی ہوتی ہیں جن میں ان کو کام کرنا ہوتا ہے..... اور اکثر تنہا کام کرنا ہوتا ہے..... ان  
 کے علاوہ زندگی کے کاروبار کے سلسلے میں ان کو دوسری آبادیوں سے آمدورفت قائم رکھ  
 ہوتی ہے..... اس کے لیے اکثر پیادہ..... کبھی بیل گاڑی پر ایک آبادی سے دوسری تک  
 سفر کرنا ضروری ہوتا ہے..... جو کبھی تنہا ہوتا ہے کبھی دو چار ساتھیوں کے ہمراہ..... اگر  
 سفر کے راستے گھنے جنگلوں، ندی نالوں پہاڑیوں کھڈوں اور وادیوں سے گذرتے  
 ہیں..... جہاں ہر قسم کے حشرات الارض اور درندے ہوتے ہیں..... انسانوں کو ان  
 ساری ہلیات سے مقابلہ کرنا اور دفاع کرنا ہوتا ہے.....

ان تمام دشواریوں کے درمیان رہ کر بھی یہ لوگ بخیر و عافیت لمبی عمر پاتے  
 ہیں.....

بیر کنڈ کی چوپال میں دوسرے ہی دن نہار کے قصے چل نکلے.....  
 ”بہت بڑا نہار ہے.....“

ایک بولا.....

”اے بھیا..... میں نے پیٹھ میں جو نہار دیکھا تھا.....“ ایک بوڑھا بولا ”وہ تو

بھی نہیں ہوا..... وہ سب برابر تھے اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک.....  
اس واقعے کو دو ہفتے گزر گئے..... اور جیسی کہ انسانی خصلت ہے..... لوگ یہ  
بھول ہی گئے کہ پندرہ دن پہلے ایک چالاک شیران کا پیچھا کرتا رہا تھا..... یا کم از کم ان  
کے پیچھے پیچھے کئی میل آیا تھا..... ویسے گاؤں والوں کی مصروف زندگی میں ہر بات یاد  
رکھنے کا موقعہ بھی نہیں ہوتا.....

ایک روز صبح سویرے دو آدمی بیرکنڈ سے کھڑ جانے کے لیے نکلے..... ایک  
کے ہاتھ میں کھڑائی دوسرے کے پاس لاشی..... دونوں کے سروں پر بھاری بوجھ.....  
جو وہ کھڑ میں فروخت کے لیے لے جا رہے تھے..... وہ لوگ برابر آتے جاتے ہی رہتے  
تھے کوئی نئی بات نہ تھی.....

بیرکنڈ سے نکل کر وہ لوگ ابھی بمشکل ایک میل گئے ہوں گے..... ایک بارگی  
شیر نے حملہ کیا..... اور پیچھے چلنے والے کو کمر سے پکڑ کر دو تین زوردار جھٹکے دیئے.....  
دوسرا آدمی تین چار گزراگے تھا..... وہ پلٹ کر دوڑا..... اس کے ہاتھ میں لاشی تھی.....  
جس کے سرے پر اس نے لوہے کے دو بھاری چکر لگا رکھے تھے..... اس نے وہ لاشی  
گھما کر شیر کی کمر پر ماری..... ضرب اتنی زبردست تھی کہ شیر جیسا طاقتور دیوبھی تمللا کر  
ہٹا..... مجروح آدمی کو تو اس نے چھوڑا اور دوسرے پر حملہ کیا..... اس نے لاشی گھمائی اور  
حلق پھاڑ کر چیخا..... شیر نے ایسی صورت حال کہاں دیکھی ہوگی گھبرا کے پیچھے  
ہٹا..... اب وہ دیہاتی شیر ہو گیا..... لاشی خوفناک طریقے پر گھماتا دو چار قدم بڑھا.....  
شیر گھبرا کے جیسے ہٹا..... اس نے ایک اور نعرہ لگا کر شیر پر گویا حملہ کیا..... اور شیر.....  
بالآخر بھاگ پڑا..... یہ شخص..... جو غالباً اس وقت اپنے حواس میں نہیں تھا..... لاشی  
گھماتا اس کے پیچھے دوڑا..... اور شیر بھاگ کر غراتا ہوا جھاڑیوں میں گھس گیا.....

اس نے واپس آ کے اپنے ساتھی کی خبر لی..... شیر نے اس کو پہلے شانے سے  
پکڑا تھا اور پیٹ کو پنچوں سے نوج ڈالا تھا..... اس کے بعد کو لھے کے اوپر کمر سے اس

طرح پکڑا تھا کہ اوپر کے دانت پیٹ کے نچلے حصے میں نچلے دانت کو لھے اور کمر کے بیچ  
کے حصے میں گھسے تھے..... شیر نے اس کو دو تین جھٹکے دیئے تھے..... شیر اگر کسی جاندار کو  
پکڑ کر دو چار جھٹکے دیدے تو اس جاندار کے جسم کی ساری ہڈیوں کے جوڑوں کا اپنی جگہ  
چھوڑ دینا عین یقینی..... بعض ہڈیوں کا ٹوٹ جانا عین ممکن..... اور ریڑھ کی ہڈی کی  
گرہوں کا ٹوٹنا یا علیحدہ ہونا موت.....  
وہ شخص ابھی زندہ تھا..... لیکن جسم کا کوئی عضو حرکت کرنے کے قابل نہیں  
تھا.....

اس کے بہادر ساتھی نے اس کو سہارا دینے کی کوشش کی لیکن بیکار..... وہ  
سنجھل ہی نہیں سکتا تھا

”اٹھنے کی سکت ہے.....؟“

ساتھی نے پوچھا..... اس کا نام کڑبا تھا.....

”نہیں“

وہ بیچارہ تو بمشکل ہی بول سکا.....

”ہوں.....“

ایک لمحہ اس نے سوچا..... کچھ نہ کچھ تو کرنا ضروری تھا..... کڑبا نے اس کو اٹھا  
کر پیٹھ پر لادنے کی کوشش کی..... لیکن غالباً اس بیچارے کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی  
تھی..... دہرا ہو کر گر گیا..... کڑبا کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے..... زخمی کوئی بچہ تو تھا  
نہیں..... وہ بھی کڑیل جوان ہی تھا.....

وہ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ زخمی کی آنکھیں پھر گئیں..... اور سر ڈھلک گیا.....  
کڑبا کو اس کی موت کا افسوس ہوا..... لیکن وہ کیا کر سکتا تھا..... اس نے تو اپنی جان پر  
کھیل کر شیر پر حملہ کیا اور اس کو بھگا دیا..... اب یہی تھا کہ وہ بھاگ کر گاؤں گیا..... اس  
خبر سے ساری آبادی میں کہرام مچ گیا دس بارہ مسلح جوان ایک چارپائی لے کر کڑبا کی

آسانی مل گئی اور میں دو روز کے طویل سفر کی نیت کر کے اپنی جگہ پر بہ آرام متمکن ہو گیا۔۔۔۔۔

لاہور سے ہی میں عظمت میاں کو ٹیلیگرام دے چکا تھا۔۔۔ ایک ٹیلیگرام امرتسر سے اور دے دیا اس خیال سے کہ شاید لاہور سے تار دیر میں پہنچے۔۔۔

گرانڈ ٹرنک میں امرتسر لدھیانہ دہلی سے آگرے۔۔۔ پہنچا تو میں نے آگرے کا مشہور حلواسوہن پانچ سیر بیگم عظمت کے لیے لے لیا۔۔۔ آگرے سے جہانسی اس کے بعد بھوپال سے روانہ ہو کر ٹرین ایک منٹ کے لیے بڑکھڑے رکی۔۔۔ بڑکھڑے کی گلاب جاسن ہمیشہ سے مشہور ہے اور کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے ادھر سے گزرتے وقت ان کو بھلایا ہو۔۔۔ گاڑی رکتے ہی میں نے چھ ہانڈیاں خریدیں۔۔۔ تین بیگم عظمت کے لیے اور تین اپنے لیے۔۔۔

ان دنوں ناگپور میں ٹرین پانچ منٹ رکتی تھی۔۔۔

ٹرین ناگپور پہنچی تو عظمت اللہ فوراً ہی نمودار ہو گئے۔۔۔ میرے لیے رائفل۔۔۔ جو دراصل میری ہی رائفل تھی اور ان کے پاس امانتاً رہتی تھی۔۔۔ ساتھ تھی۔۔۔ یہ ہالینڈ اینڈ ہالینڈ کی چار سو پچاس ایکسپریس دو نالی رائفل ہے۔۔۔ اس کے علاوہ وہ میری ہدایت کے مطابق تین سو پچھتر ہالینڈ اینڈ ہالینڈ میگنم بھی لائے تھے اور ساتھ اچھی تعداد میں تین سو گرین کی گولیوں والے کارتوس۔۔۔

حیرت تو یہ ہے کہ وہ اپنے لیے بھی رائفل لائے تھے۔۔۔ اور وہ بھی چار سو پچاس ایکسپریس۔۔۔ ان کے آدمیوں نے سامان میرے ہی کیبن میں رکھا۔۔۔ وہ خود بھی بنگلیر ہو کر وہیں تشریف فرما ہو گئے۔۔۔

”اپن ٹی ٹی سے بات کر لیں گے خاں۔۔۔“

”وہ تو مجھے معلوم ہے۔۔۔“

میں مسکرا دیا

معبیت میں دوبار اس جگہ آئے جہاں مجروح آدمی تھا اور کڑبا کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ شخص زندہ تھا۔۔۔ آنکھیں کھلیں تھیں۔۔۔

انھوں نے اس کو اٹھا کر چار پائی پر ڈالا اور جس قدر جلد گاؤں پہنچ سکتے تھے پہنچے۔۔۔ وہ آدمی۔۔۔ غالباً بہت سخت جان تھا۔۔۔ طے یہ ہوا تھا کہ اگلے روز اس کو نیل گاڑی میں ڈال کر بلھار شاہ لے جایا گیا۔۔۔ رات بھر وہ زندہ رہا۔۔۔ اور ہوش میں رہا۔۔۔ کڑبا کی جوانمردی کا حال اسی نے سنایا، اور اس لمحے سے کڑبا کو بیرکند کا بہادر ترین اور معتبر ترین شخص سمجھا جانے لگا۔۔۔

صبح ہوتے ہوتے زخمی نے دم توڑ دیا۔۔۔

اس شیر نے اس علاقے کو دو سال تاخت و تاراج کیا۔۔۔ صرف بیرکند سے اس کو نو شکار ملے۔۔۔ دوسری آبادیوں سے اس نے کتنے انسانوں کو لقمہ بنایا اس کا قابل اعتماد ریکارڈ نہیں مل سکا۔۔۔ لیکن اندازہ یہ ہے کہ کل ساٹھ ستر آدمی اس نے شکار کیے تھے۔۔۔ جو بہت بڑی تعداد ہے

عظمت خاں صاحب سے میری خط و کتابت تو رہتی ہی تھی۔۔۔ وہ اس آدم خور کا جال مجھ کو برابر لکھتے رہتے تھے۔۔۔ آخری خط جس میں انھوں نے اس کی تاخت و تاراج کے بارے میں لکھا وہ یوں تھا۔۔۔!

”حضرت۔۔۔ سچ جانو۔۔۔ اپن تو خود بھی اس کے شکار کو جانے کا ارادہ کر رہے ہیں۔۔۔ مگر تم جاؤ تو خوب گزرے گی۔۔۔ اب اس آدم خور کا لائنس بھی اپن کے پاس ہے گا۔۔۔ اگر تم آؤ گے تو پھر تو تم ہی اس کو شکار کرو۔۔۔ اپن تمہارے ساتھ رہیں گے۔۔۔ جب آنا ہو تو اطلاع فرما دو۔۔۔ اپن تو تمہارے خادم بیگے۔۔۔ ناگپور سے مل جائیں گے۔۔۔“

میں نے رخت سفر سنبھالا۔۔۔ اور زیادہ تاخیر کیے بغیر لاہور سے ٹرین پر بیٹھ گیا۔۔۔ امرتسر سے ہی مجھے گرانڈ ٹرنک میل مل گیا۔۔۔ ایرکنڈیشند کوچ میں میری نشست بہ



”خیر..... اپن بعد میں فیصلہ کریں گے.....“  
 ”لیکن فیصلہ وہی ہو گا..... خیر..... بھابھی..... بچے سب خیریت سے  
 ہیں.....؟“  
 ”الحمد للہ.....“  
 ”زمینوں کا کیا حال ہے.....؟“  
 ”ٹھیک ہی ہے گا خاں..... مگر اب اپن نے کنیڈا کے امیگریشن کے لیے  
 اپلائی کر دیا ہے گا.....“  
 ”ارے..... یہ کب.....؟“  
 ”کوئی دو مہینے ہوئے پیگلے.....“  
 ”تم نے مجھے لکھا ہی نہیں.....“  
 ”لکھنے والا تھا خاں..... تم سناؤ..... اپن میں دل لگ گیا.....؟“  
 ”ہاں اب تو میں وہیں کا ہو رہا.....“  
 ”اچھا کیا خاں.....“

وہ کسی قدر سنجیدہ ہو گئے..... مجھے اس کی وجہ معلوم تھی.....  
 اس کے بارے میں ہم لوگ آدم خور کے بارے میں گفتگو کرتے رہے.....  
 ٹرین تیسرے دن صبح دس بجے بلھار پہنچی..... اسٹیشن پر عظمت خاں کے کئی  
 آدمی موجود تھے..... سامان فوراً ہی اتار لیا گیا..... اور ہم باہر آ کر نیل گاڑیوں کے سفر  
 کے لیے آمادہ ہو گئے.....

بلھار شاہ میں عظمت خاں کی خاصی بڑی زمینیں تھیں..... اور سب خود  
 کاشت..... اسی لیے وہ ان کے قبضے میں رہیں..... شریفے اور امرود کا ایک باغ بھی  
 تھا.....

اس روز ہمارا قیام بلھار شاہ میں عظمت میاں کی زمین پر بنے کچے مکان میں

میں نے مٹھائی ان کے آدمی کے سپرد کر دی..... اور بیگم عظمت کو سلا  
 کہلایا.....

ٹرین ایک دفعہ پھر روانہ ہو گئی.....  
 عظمت خاں کے بستر..... شکاری تھیلے..... رائفلیں..... بندوق..... کھانے سے  
 لبریز دو عدد ناشتے دان اور نجانے کیا کچھ..... ان کو میری طبیعت کا علم تھا اس لیے سامان  
 ساتھ لینے میں انھوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی.....  
 میرے کیمن میں امرتسر سے تین حضرات اور تھے..... وہ تینوں دلی میں اتر  
 گئے..... ایک صاحب جو دلی سے ایک سیٹ پر قابض ہوئے ان کو بمبئی جانا تھا..... لہذا  
 وہ جھانسی میں اتر کر دوسری ٹرین میں چلے گئے جھانسی سے دو حضرات اور سوار  
 ہوئے..... وہ دونوں بھوپال میں اتر گئے..... وہاں سے کوئی میرا محل نہیں ہوا.....  
 ”مسٹر.....“ میں نے عظمت کو مخاطب کیا ”اول تو یہ کہ تم اس عہد کی تجدید  
 کرو جو تم مجھ سے خدا کو حاضر و ناظر جان کر کر چکے ہو.....“  
 ”وہ عہد تو مشروط تھا خاں.....“

”وہ کیسے.....؟“  
 ”اگر میں رائفل صحیح فائر کر لوں تو شیر کے شکار پر جاسکتا ہوں.....“  
 ”ہرگز نہیں..... ایسی کوئی شرط نہیں تھی.....“  
 ”مجھے تو یاد ہیگی.....“  
 ”تمہیں غلط یاد ہے..... اور حقیقت ہے کہ تم اچھے قادر انداز ہو..... عہد کا  
 سبب یہ نہیں تھا کہ تم غلط نشانہ لگاتے ہو.....“  
 ”پھر.....؟“

”تم دیر میں فائر کرتے ہو..... اور یہ شیر کے شکار میں نہیں چل سکتا.....“  
 ”عظمت خاں ذرا دیر سوچتے رہے..... پھر بولے

ہوا..... اور یہ قیام بہت ضروری بھی تھا کہ دوسرے دن ہم دونوں ہی تازہ دم ہو کر مزید سفر کے لیے آمادہ ہو گئے.....

صبح فجر کی نماز ہم دونوں نے باجماعت پڑھی..... عظمت خاں نے امامت کی..... میں اور ان کے تین ملازم مقتدی تھے..... نماز کے بعد ہی ناشتہ لگا دیا گیا..... اور ہم چھ بجے کے قریب دو نیل گاڑیوں اور تین ملازمین کے ساتھ بیر کنڈ کے لیے روانہ ہو گئے..... سردیوں کا آغاز تھا..... نومبر کا مہینہ..... صبح خاصی سرد تھی..... ہم لوگ گرم کپڑے پہنے تھے.....

عظمت خاں کے تین جوڑی نیل بہت قد آور اور تیز رفتار تھے..... ہم لوگ دوپہر سے پہلے ہی گھبراہٹ گئے جو بلھار شا سے سولہ میل اور بیر کنڈ سے چھ میل پر ہے..... یہاں گویا مختصر قیام یا BREAK JOURNEY کا منصوبہ تھا..... بیلوں کو بھی آرام کرنا تھا..... گھما..... سات گھروں کی زرعی آبادی ہے..... سب ہی کسان ہیں..... ہمیں کسی کے گھر جانے یا رکنے کی ضرورت نہیں ہوئی..... لیکن عظمت میاں کا نام یہاں بھی اجنبی نہیں تھا.....

گاؤں کے کنویں کے پاس ہماری گاڑیاں رکیں..... نیل کھول دیئے گئے اور گھاس کی طرف باندھے تاکہ چارا کھا سکیں..... پانی کا انتظام بھی کر دیا گیا.....

ہم لوگ گاڑیوں سے اتر کر کنویں کے نزدیک ایک صاف جگہ بیٹھے..... یہاں ہاتھ منھ دھو کر تازہ دم ہوئے ذرا دیر میں دسترخوان لگایا گیا..... اور ہم نے دوپہر کا کھانا کھا لیا..... ذرا دیر ادھر ادھر ٹہل کر ٹانگیں سیدھی کیں..... میں نے دو چار فوٹو لیے..... اس کے بعد میں بیٹھا ہی تھا کہ عظمت میاں اور ایک گاؤں والا معمر آدمی میرے پاس آ گئے..... عظمت خاں کسی قدر متفکر تھے..... ساتھ ان کا ایک ملازم بھی تھا.....

”لو خاں..... بات تو یہیں سے ہو گئی ہے گی.....“

”کیا مطلب.....؟“

میں نے پوچھا

گاؤں والے نے ہاتھ جوڑ کر اور ذرا جھک کر مجھے سلام کیا.....

”یہ بھیل ہے گا.....“ عظمت بولے ”صرف کنزی ہی بولتا ہے گا.....“

اور بھیل نے نہایت تیز زبان کنزی میں اپنا بیان شروع کر دیا جس کا ایک لفظ میرے پلے نہیں پڑا..... اور مجھے یقین تھا کہ عظمت میاں بھی کنزی نہیں سمجھتے..... ان کا ملازم اسی لیے ساتھ تھا کہ وہ بھیل کے بیان کا ترجمہ کر کے ہمیں بتائے.....

جب بیان نے طویل پکڑا تو میں نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو روکا..... اور وہ ایسے یکبارگی چپ ہو گیا جیسے کسی چلتی ہوئی ٹیپ کو روک دیا گیا ہو.....

”یہ کیا کہنا چاہتا ہے.....؟“

میں نے پوچھا

عظمت میاں نے اپنے ملازم کو اشارا کیا.....

”سرکار..... اس نے کل یہاں سے دو میل (بیر کنڈ کی طرف) پر نہار دیکھا سرکار..... بہت بڑا کچھوں والا نہار ہے..... اور اس سے دو دن پہلے وہ نہار ایک جڑواہے کے پیچھے بھی آچکا ہے..... بیر کنڈ سے آنے والے تین آدمیوں کے پیچھے بھی وہ نہار آیا..... شاید یہ وہی آدم خور ہے..... جو اتنے آدمی کھا چکا ہے..... یہ پہلے کبھی ادھر نہیں آیا تھا.....“

یہ تھی ساری داستان.....

میں اب اس سوچ میں تھا کہ بیر کنڈ جانا چاہیے یا گھما میں ہی ٹھہر کر اس آدم خور سے مقابلہ کرنا چاہیے.....

”کیا خیال ہے گا خاں.....“

عظمت میاں نے پوچھا.....

”ہوں.....“ میں سوچتے ہوئے بولا..... ”بات یہ ہے اجو میاں صاحب

تھے انھوں نے اس جلوس کے ساتھ مجھے آتے دیکھ کر ادھر کا رخ کیا..... اور ایک نقطے پر  
نزدیک آ گیا.....

ان میں سے کئی لوگ ٹوٹی پھوٹی اردو بول لیتے تھے..... اور ہر شخص نے بہ یک  
دقت ہی سب کچھ مجھے بتا دینے کی کوشش کی.....

ایسے موقعوں پر جوش کے عالم میں ایسا ہی ہوتا ہے.....  
میں نے ان سب کو چپ ہونے کی ہدایت کی..... پھر ایک شخص کی طرف  
اشارہ کر کے پوچھا کہ معاملہ کیا ہے.....

”نہار سرکار..... نہار..... یہ بڑا.....“ اس نے دونوں ہاتھوں کو جھک رہا تھا  
تھا اتنا پھیلا کر بتایا..... ”ہم پر ہی گھات لگائے تھے..... وہ تو ہم نے دیکھ لیا.....“

میں شکار کے ہی لباس میں تھا..... رائفل ہاتھ میں..... دیر کی گنجائش نہیں  
تھی..... میں نے عظمت میاں سے کہا.....

”آج تو یہی رات گزار دیں گے..... میں ایک چکر لگا کر آتا ہوں..... خدا  
حافظ“

میں جو چلا تو چار پانچ جوان ساتھ ہو لیے..... میں رک گیا.....  
”تم لوگ سب واپس جاؤ.....“

میں نے کہا

اور وہ نہایت مایوسانہ انداز سے رک گئے.....

کوئی دو سو گز پر جہاں کھیت ختم ہوتا تھا..... درختوں اور جھاڑیوں کا سلسلہ  
شروع ہو جاتا ہے..... اور ذرا ہی دور پر دو پہاڑیوں کے درمیان نشیب میں وادی ہے جو  
گھاس جھاڑیوں اور درختوں سے بھری ہے.....

کھیت کے کنارے ایک جھاڑی کے پیچھے جہاں ان لوگوں نے نشانہ ہی کی تھی  
میں نے نرم مٹی پر شیر کے نشانات دیکھ لیے..... اور اس کے پنجے کے نشان..... ماگھ.....

کہ..... سوچنے کی بات ہے.....  
”کیا.....؟“

”عالم! اس آدم خور نے اپنی آماجگاہ کا دائرہ وسیع کر دیا ہے..... یا..... بیر کنڈ  
والے اتنے محتاط ہو گئے ہیں کہ وہاں سے اسے کچھ نہیں ملا تو اس نے گھبرا کر رخ کر  
ہے.....“

عظمت میاں بھی سوچ میں پڑ گئے.....  
گاؤں والا ذرا دیر کھڑا ہم کو دیکھتا رہا..... پھر وہیں اکڑوں بیٹھ گیا..... ایسا  
معلوم ہوتا تھا جیسے وہ منتظر ہو کہ ہم اس کو شیر کو ہلاک کرنے کے ارادے سے آگاہ کریں  
گے..... یا اپنی سوچ میں شامل کریں گے.....!

گاؤں والے..... خواہ گاؤں بڑا ہو یا چھوٹا..... شیر کی آدم خوری سے جتنے بھی  
خوفزدہ ہوں وہ تعجب خیز نہیں..... اس لیے کہ ان بچاروں کے پاس اس سے نجات کا کوئی  
انتظام نہیں ہوتا..... اور ہر فرد بشر کی جان خطرے میں ہوتی ہے..... جو شخص گھر سے نکلتا  
ہے وہ یہ سمجھتا ہے کہ آج شیر کا لقمہ بنایا کل.....!..... ہم لوگوں کی آمد تو ان کے لیے  
نعمت تھی..... ابھی ہم لوگ سوچ ہی رہے تھے کہ گاؤں کے دوسرے جانب سے ایک شور  
اٹھا..... کچھ خوفزدہ کچھ پر جوش..... فوراً ہی ”نہار نہار“..... کتوں کے بھونکنے کی  
آوازیں.....!

اب معاملہ صاف تھا.....!

میں نے لپک کر گاڑی سے نکل کر تین سو پچھتر میگنیم اٹھائی..... بولٹ چلا کر  
کار تو س چیمبر میں لگایا اور تیز قدم ادھر چلا..... دو گھروں سے گزرتے ہی دوسری طرف  
کا منظر سامنے تھا..... ایک کھیت کے کنارے کوئی سو گز پر چار پانچ مرد اور عورتیں اور چند  
کتے..... باہمی تعاون کے ساتھ شور کر رہے تھے.....

میں جو ادھر چلا تو گویا ایک ہجوم میرے ساتھ ہو گیا..... جو لوگ شور کر رہے

خطرے کی حس یقیناً ہوتی ہے..... سینکڑوں مرتبہ کا تجربہ ہے کہ سارے جانور شکاری کو شناخت کر لیتے ہیں..... عام آدمی سے نہ ڈرتے ہیں نہ بھاگتے ہیں.....

بھوپال میں بیرسیہ کے علاقے میں کالا ہرن بہت ہوتا تھا..... دیہات کے لوگوں سے یہ ہرن کبھی نہیں بھاگتے تھے..... میری جھلک دیکھتے ہی راہ فرار اختیار کرتے.....

اناؤ میں نیکر کے میدان میں نہ کسی قسم کی رکاوٹ ہے نہ جھاڑی نہ درخت..... چٹیل میدان ہے اور ہرن کا شکار بہت مشکل..... گاؤں والوں کا بیان تھا کہ ہرن ان کو دیکھ کر کھڑے رہتے ہیں اور اکثر لوگ ہرنوں کے سو پچاس گز کے قریب سے گزرے لیکن ہرن کھڑے رہے اور انھیں دیکھا کئے.....

میں نے اپنا شکاری لباس ترک کر کے تہہ باندھی..... دیہاتیوں کا شلوکہ یا صدری پہنی..... پگڑی باندھی اور رائفل بھی چھپائے رکھی لیکن ان ہرنوں نے مجھے تین چار سو گز کے اندر نہ آنے دیا..... ان دنوں رائفل پر ٹیلیسکوپ کا رواج نہیں تھا..... اور بغیر ٹیلیسکوپ کے چار سو گز پر فائر ہرگز نہیں ہو سکتا..... گوئیں نے تقریباً اسی فاصلے پر کئی بار جانور شکار کیے ہیں.....

فلکنڈے میں ایک پہاڑی کے دامن پر میں اور پیراں حسینی دیر سے خاموشی اور ساکت بیٹھے مناظر کے حسن سے لطف اندوز ہو رہے تھے..... ہر طرف شادابی تھی جو ذرے ذرے سے پھوٹی پڑتی تھی..... ہم جس پہاڑی کے دامن پر جس جگہ پر بیٹھے وہاں سے کوئی پچاس گز نشیب میں ایک فراخ وادی تھی..... اس وادی کے عین وسط سے ایک چشمہ بل کھاتا گنگنا تا گزر رہا تھا..... جا بجا چھوٹے بڑے ٹول..... ہوا نہایت خوشگوار تھی..... اور وادی کے اس پار جو پہاڑی تھی..... تقریباً چار ساڑھے چار سو گز پر..... اس کا سارا دامن نہایت حسین و رنگین جنگلی پھولوں سے اس طرح بھرا ہوا تھا جیسے کسی نے پھولوں کی چادر بچھا دی ہو.....

سے اندازہ ہوتا تھا..... بڑا شیر ہے..... گاؤں کے بعض ماہر ماگھ کو دیکھ کر شیر کی جنس، اور جسامت کا قیاس کر لیتے ہیں.....! میں نر اور مادہ کے ماگھ میں تمیز کر سکتا ہوں..... ماگھ میں دیکھ رہا تھا وہ نہایت جسم اور تو مند نر شیر کا ماگھ تھا.....

چند قدم کے فاصلے پر ایک اور جھاڑی کی آڑ میں شیر کے ماگھ اور بیٹھے رہنے کے نشانات تھے، میرا خیال تھا کہ شیر اس جگہ ساری صبح بیٹھا رہا اور سامنے ہی سو ڈیڑھ گز پر تین کسان جو زمین میں کام کر رہے تھے اس کا ہدف تھے..... اس کو صرف یہ انتظار رہا ہوگا کہ ان میں سے کوئی تنہا ادھر ادھر ہو تو وہ اپنا کام دکھائے..... لیکن وہ تینوں اتفاقاً کسی ضرورت سے بھی ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہوئے یا شاید ان کو ضرورت پیش ہی نہیں آئی.....

وہ تو شیر کو دیکھ ہی نہیں سکتے تھے..... اتفاقاً ایک کتا شیر کی بوسونگھ کر بھونکنے اور غالباً اس کے بھونکنے سے شیر نے اپنی جگہ تبدیل کی..... اس تبدیلی کے دوران دوسرے کتوں نے اور ان تینوں نے شیر کی جھلک دیکھ لی.....

شیر کی واپسی کے نشانات دو ایک جگہ پر ملے..... ان سے اندازہ ہوتا تھا کہ شیر کو فرار کا خیال نہیں تھا..... وہ نہایت سکوت اور سکون کے ساتھ واپس ہوا..... اور سیدھا اس گھنی نشیبی گھاس میں داخل ہو گیا جس کا میں تذکرہ کر چکا ہوں..... میں آدم خوروں کی اہلیتوں، چالاکیوں اور حرکات سے خوب واقف ہوں..... اور مجھے خوب اندازہ تھا کہ وہ موذی گھاٹی میں جانے کے بعد سیدھا تو ہرگز نہیں گیا ہوگا..... یہ تو آدم خور شیروں کی جبلت کے ہی خلاف تھا..... اور آدم خور بھی وہ جو دو سال سے انسانوں کے خلاف اعلان جنگد کئے ان کو قید ہستی سے نجات دے رہا تھا..... مجھے یقین تھا کہ وہ اس علاقے سے نہیں جائے گا غالباً اس کو انسانی گوشت کی طلب تھی..... اور گھاس میں اس کو شکار ملنے کے امکانات روشن نظر آ رہے ہوں گے.....

اپنی موت کی نہ انسان کو خبر ہوتی ہے نہ جانور کو..... لیکن جانوروں میں

پھولوں کی چادر ضرور موجود پائی..... سعودی عرب کے علاوہ..... وہاں تو قبروں کے نشانات مٹا دینے کا رواج ہے..... ورنہ اور سارے مشرق وسطیٰ کے ممالک میں جہاں بھی بزرگان دین کے مزارات ہیں سب تزک و احتشام کا نمونہ ہیں..... اور ہر مزار پر پھولوں کی چادر..... اور پھول بھی تازہ اور خوشبو سے معطر.....! میں نے کبھی کسی مزار پر مرجھائے ہوئے پھول نہیں دیکھے..... غالباً عقیدت مند یا مجاور اس کا بہت خیال رکھتے ہیں.....!

غرضیکہ میں جس پہاڑی کے دامن کا تذکرہ کر رہا ہوں وہ رنگین پھولوں کی چادر سے ڈھکی ہوئی تھی..... اور ہم ان کے دلکش اور دل فریب رنگوں میں نجانے کب سے محو تھے..... ہوا کا جھونکا ان سے اٹھکھیلیاں کرتا گزرتا تو ایسا معلوم ہوتا جیسے سطح آب پر ایک موج رقصاں ہو گئی ہو.....

ابھی ہم دیکھ ہی رہے تھے کہ چیتلوں کا ایک مندا اس پھولوں کی چادر کے قریب سے گزرا..... پیراں حسینی کو ان کے ساتھ چلتا ہوا نر بہت پسند آیا..... واقعی اس کے سینک اچھے تھے کہنے لگے..... اس کو تو مار ہی دو.....

فاصلہ تقریباً چار سو گز..... میرے ہاتھ میں تھرنی اسپرنگفلڈ تھی..... ڈیڑھ سو گرین کی گلیوں کے کارتوس لگے تھے..... میں نے کہا بھی کہ فاصلہ بہت ہے..... لیکن انھوں نے کہا کوشش کرنے میں کیا مضائقہ ہے..... میں نے کہنی گھٹنے پر لگائی اور شانہ لیا..... بہت تامل اور احتیاط سے فائر کیا..... اور ذرا اونچا نشانہ لیا چیتل ایک لمحہ کو ٹھنکا..... سارے چیتل ایک طرف بھاگے لیکن وہ رخ بدل کر آہستہ چلتا ہوا دوسری طرف گیا اور نظر سے اوجھل ہو گیا.....

”اس کو گولی لگی ہے.....“

پیراں معلوم تو ہوتا ہے.....“

”چلو دیکھتے ہیں.....“

پھولوں کی چادر سے یاد آیا کہ..... اولیاء اللہ واقعی اللہ کے پیارے اور نیک بندے تھے کہ ان کی وفات کے بعد بھی اللہ تعالیٰ سبحانہ نے ان کی ہر دلچیزی اور آبر قائم رکھی ہے..... زندگی میں وہ مرجع خلائق رہے..... لیکن اس دنیا سے رخصت ہو کر بھی ان کا فیض جاری رہا..... ان کے مزارات پر بھی اللہ تعالیٰ سبحانہ کی رحمت و عنایت کم نہیں ہوئی..... میں ہمیشہ جہاں بھی گیا..... اس شہر میں آ کر کسی ولی کا مزار ہوا تو محض اس خیال سے کہ اس جگہ اللہ تعالیٰ سبحانہ کی رحمت بیشتر ہے..... ضرور حاضری دی..... فاتحہ پڑھی..... ذرا دیر وہاں بیٹھا..... یا موجود رہا..... ہندوستان اور پاکستان کے شہرور میں بے شمار مزارات ہیں جہاں اللہ کے محبوب بندے محو خواب ہیں..... میں جن جگہور پر گیا..... ان کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہیں.....

خواجه بندہ نواز گیسو دراز گلبرگہ..... دکن.....

حضرت شیریں رقم، بھوپال..... شیخ صابر کلیر..... شاہ شرف الدین کچھوچھ..... شیخ احمد مجدد الف ثانی سرہند..... حضرت نظام الدین اولیاء..... دہلی..... حضرت ضیاء الدین حسن اناؤ..... شاہ مینا لکھنؤ..... حضرت وارث علی شاہ بارہ بنکو..... حضرت معین الدین اجیر..... داتا گنج بخش لاہور..... میراں سید محمد شاہ نقوی بخار..... موج دریا لاہور..... میراں کبیر لاہور..... شیخ ذکریا ملتانی، ملتان..... شمس تبریز، ملتان..... فرید گنج شکر، پاک پتن..... حضرت جلال الدین جہانیاں جہانگشت، اچھ..... شیخ بہاؤ الحق ملتان!

ایران میں امام رضاؑ کے علاوہ بے شمار امام زادگان کے مقابر ہیں..... میر جہاں پہنچ سکا ضرور گیا اس کے علاوہ شیخ بایزید بسطامی اور شیخ نور الحسن خرقانی کے مزارات پر بھی گیا..... امام غزالیؒ کے مزار پر بھی حاضری دی..... یہ تو وہ ہیں جو فی الغور ذہن میں آتے ہیں..... ترکی اور عراق کا ذکر بھی کرنا چاہیے.....

بات پھولوں کی چادر کی تھی..... میں جس مزار پر بھی حاضر ہوا..... اس

مخالف ہوں.....

ٹیلیسکوپ بہت کارآمد چیز ہے..... ساٹھ ستر گز سے زیادہ فاصلوں کے لیے اس کا استعمال بہت اچھا ہے..... میری ساری رائفلیں..... یعنی 30-30 تھرنی اسپرنگفیلڈ اور سیون ایم ایم میگنم پر نہایت عمدہ REDFIELD اور WEAVER کی 12X کی ٹیلیسکوپس لگی ہیں..... یہ ساری VARIABLE ہیں..... سب ہی دوسو گز کے لیے زیر وکی ہوتی ہیں.....

ٹیلیسکوپ دو مواقع پر قطعاً بیکار..... بلکہ خطرناک ہے:

۱۔ قریب کا فائر..... اگر ہدف نزدیک ہے تو ٹیلیسکوپ قطعاً بیکار..... ٹیلیسکوپ میں سے کچھ نظر ہی نہیں آتا..... شیر چیتے یا رچھ کے شکار میں ایسی صورت حال پیش آجائے تو پھر نہ شکاری باقی رہے نہ اسکوپ.....

۲۔ فوری نزدیک کا فائر..... ٹیلیسکوپ لگی ہوئی رائفل سے فوری فائر نہیں ہو سکتا..... ٹیلیسکوپ کے بغیر رائفل تو شانے پر آتے ہی خطرہ دیدبان اور نشانہ ایک لائن میں لے لیتی ہے..... فائر میں دیر نہیں لگتی..... ٹیلیسکوپ لگی ہوئی رائفل سے یہ سہولت مفقود ہے..... اس کو شانے پر لا کر نظر کو ٹیلیسکوپ سے گزارنا ہوتا ہے..... ہدف کو اسکوپ کے وسط میں لانا ہوتا ہے پھر اسکوپ لے کر اس کو ہدف پر جمانا..... یہ سب کام اگرچہ بہت سرعت سے ہو سکتا ہے لیکن کچھ وقت تو لگتا ہے..... اور وہی چند ثانیے جو اس کام میں صرف ہوتے ہیں..... بعض مواقع پر زندگی اور موت کی حد فاصل بنا سکتے ہیں.....

خطرناک شکار کے مواقع اب بھی ہیں..... افریقہ..... امریکہ اور ارجنٹینا..... وغیرہ..... افریقہ میں ببر کے شکار کے چند لائسنس ہر سال جاری ہوتے ہیں اور اب چونکہ ان کی نسل محفوظ ہو گئی ہے اس لیے آئندہ بھی یہ لائسنس ملتے رہیں گے..... امریکہ میں تو یہ سلسلہ ہمیشہ رہے گا..... گرزلی اور سیاہ رچھ دونوں ہی نہایت خطرناک ہوتے

ہم دونوں تیز قدم اس پہاڑی سے اترے وادی سے گزرے اور دوسری پہاڑی پر چڑھے..... جس طرف چیتل گیا تھا ان جھاڑیوں پر خون کے نشانات تھے..... اور زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ ایک جگہ چیتل بیٹھا نظر آیا..... اس کے سینے کا کنارے سے خون بہہ رہا تھا..... ہمیں دیکھ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اب خون اتنا بہہ گیا ہو کہ اعضاء نے جواب دے دیا..... میں نے کمر کی بلٹ سے چھرا نکالا..... پیراں نے اسے گرایا اور میں نے اس کو بسم اللہ اکبر پڑھتے ہوئے جت کی خاک بنا دیا..... ار کے سینگ واقعی اچھے ثابت ہوئے.....

بات اناؤ میں ٹیکر کے میدان سے شروع ہوئی تھی.....

میں نے دیہاتیوں کا لباس زیب تن کیا..... اور رائفل چھپا کر ساتھ لی..... لیکن میں کبھی پانچ سو گز کے اندر نہ پہنچ سکا حیرت یہ کہ اس لباس میں رائفل کے بغیر میں ہرنوں کے ایک غول کے قریب گیا..... نجانے کیوں بیل گاڑی سے ان کو خطر محسوس نہیں ہوتا.....

بیل گاڑی پر سے فائر بہت دشوار ہوتا ہے..... بیل اگر رک جائیں تب بھی ان کی سانس لینے کی رفتار کے ساتھ بیل گاڑی اوپر نیچے ہوتی رہتی ہے اور گولی خطا ہوتی ہے..... میں نے یہ کیا کہ جب بیل گاڑی مناسب رینج میں آگئی تو میں گاڑی کے پیچھے رائفل لے کر چپکے سے ایک نشیب میں کود گیا..... اور بلا فاصلہ نشانہ لے کر ایک کالے کو گرایا.....

ٹیلیسکوپ کا وسیلہ رانج ہو جانے کے بعد فاصلے پر فائر کی دشواری بڑی حد تک آسان ہو گئی میرے ہاتھ میں اس وقت جبکہ بیرکنڈ کے آدم خور کی ہلاکت پیش نظر تھی تین سو پچھتر ہالینڈ اینڈ ہالینڈ میگنم تھی..... اس پر ٹیلیسکوپ نہیں تھی..... اتنے بڑے کیپلر کی رائفل پر جس کو خطرناک جانوروں کے شکار کے لیے استعمال کرنا ہو..... بالعموم ٹیلیسکوپ نہیں لگائی جاتی..... یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ میں ذاتی طور سے اس کا قطعاً



”کچھ نظر آیا.....“

”نہ.....“

”تمہارے جانے کے بعد اب تک سارے گاؤں کے لوگ میرے پیر پکڑ رہے ہیں کہ ہم لوگ وہیں رہ کر شیر کو شکار کر لیں.....“  
میں عظمت کی طرف دیکھ ضرور رہا تھا..... لیکن جواب نہیں دیا.....  
شیر کی آواز سننے کے بعد میں یہ سوچ رہا تھا وہ ظالم اس علاقے سے مایوس ہو کر یقیناً کسی اور سمت نکل گیا..... اس لیے کہ آواز کا فاصلہ بتاتا تھا کہ وہ دور ہے.....  
اور دور ہوتا جا رہا ہے.....

”کیا خیال ہے خاں.....؟“ عظمت نے پوچھا

”میں جب واپس آ رہا ہوں اس وقت بہت فاصلے سے شیر کی آواز سنی.....  
میں جانتا ہوں وہ یہاں سے مایوس ہو کر کسی اور آبادی کی طرف نکل گیا ہے..... ممکن ہے  
ایک دو دن بعد پھر ادھر کا رخ کرے..... لیکن یہ صرف قیاس ہے.....“

”اپن اس جواب سے کیا سمجھیں خاں.....“

”یہ سمجھو کہ آج رات تو مجبوراً ہی گزرے گی.....“

”اور کل.....؟“

”سوچ لیں گے انشاء اللہ.....“

گاؤں والوں نے ہمارے قیام کی اطلاع پا کر اطمینان کا سانس لیا..... ایک چھوٹا سا گھر  
ہمارے لیے خالی کیا گیا..... جہاں عظمت خاں اور میں متمکن ہوئے..... ایک کمرہ کسی  
نے نزدیک ہی اور مہیا کیا جہاں ہمارے ساتھی بمعہ سامان رہے.....

میں نے ان سب کو اچھی طرح تاکید کر دی کہ آئندہ کوئی مرد ہرگز تنہا باہر نہ  
نکلے..... تین چار آدمی مل کر آئیں جائیں..... کتوں کو ساتھ رکھیں..... اس لیے کہ  
دیہات کے کتے خاصے دلیر ہوتے ہیں..... شیر کی بو پا کر بھاگنے کی بجائے خوب شور

ہیں..... کینڈا میں بھی ریچھ بکثرت ہیں.....

غرضیکہ بیرکنڈ کا آدم خور اس نشیب کی گھاٹی میں اترا ضرور تھا لیکن اس کی  
فطرت نے اس کو پہاڑی کی طرف موڑ دیا ہوگا..... اگر نہ بھی موڑا ہوتا تب بھی میں  
گھاٹی میں ہرگز نہ اترتا.....

دائیں جانب کی پہاڑی پر درخت کم تھے اور اوپر کی طرف جانے کی حالت  
میں مجھے کم از کم تیس چالیس گز کھلی جگہ صاف نظر آتی تھی..... میں سیدھا اسی طرف  
گیا..... یہ پہاڑی پتھروں اور ریتلی مٹی سے بنی تھی..... بعض مقامات پر بجری پر پیر جمانا  
مشکل ہوتا تھا.....

میں اس پہاڑی..... نزدیکی وادی اور جنگل میں تقریباً ڈھائی گھنٹہ گشت کرتا  
رہا..... لیکن شیر کا نشان بھی نہ ملا..... جب میں گاؤں کی طرف واپس آ رہا تھا تو اس  
سمت سے جدھر شیر گیا تھا بہت دور سے دھاڑنے کی آواز کئی بار آئی..... یہ تو یقین کے  
ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ آواز اسی شیر کی تھی لیکن قیاس یہ ضرور کہتا تھا کہ وہی رہا ہوگا.....  
اور اگر وہی تھا تو غالباً وہ اس گاؤں کے علاقے سے دور ہو گیا..... آواز کی کیفیت یہی  
بتاتی تھی تعجب یہ بھی تھا کہ اتنے وسیع علاقے میں صرف ایک ہی شیر کیسے تھا.....؟

شیر کی جولاں گاہ تقریباً بیس مربع میل ہوتی ہے..... اتنے رقبے میں کوئی  
دوسرا شیر نہیں آسکتا..... آدم خور جس وسیع رقبے میں سرگرم عمل تھا وہ اس رقبے سے  
بہت زیادہ تھا..... شیروں کی تعداد کے پیش نظر اس علاقے میں کم از کم تین شیر ہونا  
چاہیے تھے.....

میں واپس پہنچا تو سہ پہر ہو چکی تھی..... اور سورج ڈھل رہا تھا.....

”اب تو خاں رات ادھر ہی گزرے گی.....“

عظمت مجھے دیکھ کر بولے..... میں مسکرا دیا.....

”معلوم تو ہوتا ہے.....“

نہیں چار گدھے بھی تھے..... دو ایک بچے گلی میں گولیاں کھیلنے نظر آئے اور میں نے ادھر سے گزرتے ہوئے ایک شخص کو تاکید کی شام سے پہلے ہی ان بچوں کو گھروں میں رکھا جائے.....

گاؤں تو ویسا ہی تھا جیسے ان علاقوں کے سارے دیہات ہوا کرتے ہیں..... وہی کچے گھر..... خاک اڑاتی گلی..... لہلہاتے کھیت..... سرسبز جنگل..... گاؤں کے ساتھ ہی ایک بہت بڑا کنواں تھا جس کا پانی گاؤں والوں کی ساری ضروریات پورا کرتا..... یہ کنواں آبادی کے جنوب میں ایک کھلی جگہ پر واقع تھا اور نزدیک کوئی درخت نہ ہونے کی وجہ سے پانی بھی صاف اور شیریں تھا..... درخت کنویں کے قریب ہو تو کنویں میں درخت کی پتیاں گر کر پانی میں گل سڑ جاتی ہیں ان کی وجہ سے پانی کا ذائقہ اور خوشبو بدل جاتی ہے..... میں نے بارہا دیہاتوں میں ایسے کنوؤں کا پانی بھی نہایت اطمینان سے نوش کیا ہے جن میں رختوں کی بے حساب پتیاں گری ہوئی تھیں اور پانی میں ان پتیوں کا ذائقہ تھا..... بلکہ دو چار بار ایسا پانی بھی میسر آیا جس میں نیم کی پتیاں اور نمکولیاں گر کر گل گئی تھیں اور پانی بہت کڑوا تھا..... اس پانی میں نیم کی پتیوں اور نمکولیوں کا عرق شامل ہو گیا تھا.....

نیم کا عرق..... یا نیم کی پتیوں کا عرق..... خون صاف کرنے میں بہت موثر اور صحت کے لیے بہت مفید ہے اس کی کڑواہٹ مشہور ہے..... کڑوا کر یلا اور پھر نیم چڑھا.....!

آبادی تھی ہی کتنی..... میں ایک چکر لگا کر واپس ادھر آ گیا جدھر دو پہر کو شیر دیکھا گیا تھا اور سیدھا اس گھاٹی کے دہانے تک آیا جس کا تذکرہ کر چکا ہوں.....  
”کیا خاں اس گھاٹی میں جاؤ گے.....“

عظمت نے پوچھا

”نہیں..... لیکن اس مقام کے آس پاس ٹھہرنا مناسب ہوگا.....“

بچاتے ہیں..... عورتوں اور بچوں کے بارے میں ہدایت تھی کہ جب تک ان کے ساتھ از کم تین عورتیں اور دو مرد نہ ہوں تب تک گھر سے نکلنے کی جرات نہ کریں.....

دیہاتوں کے گھروں میں رفع حاجت کا اہتمام تو ہوتا نہیں..... سب کو باہر ہی جانا ہوتا ہے..... عورتیں یہ کام رات کے وقت انجام دیتی ہے مرد..... جبر چاہیں.....!

دیہاتوں کے کمرے میں ہم مقیم ہوئے وہ حسب معمول کچا پکا ہی تھا..... ان مواقع میں پکا کا مطلب سمٹ نہیں بلکہ پتھر ہوتا ہے..... کچے کا مطلب مٹی سے ہوا..... ان چھوٹے کمرہ نما گھروں میں کھڑکیاں بھی نہیں ہوتیں..... ہم جہاں تھے وہاں ایک ہی دروازہ تھا..... فرش کچا تھا..... جسے مٹی سے لیپا گیا تھا..... اور ہمارے قیام کے لیے اسے خوب صاف ستھرا کر دیا گیا.....

کمرے میں آ کر میں ہمیشہ پہلا کام یہ کرتا ہوں کہ دیواروں، چھت اور فرش میں دیکھتا ہوں کوئی ایسا سوراخ نہ ہو جس کے ذریعے رات کے اندھیرے میں کوئی کیڑا مکوڑا تنگ کر سکے..... کمرے کی دیواریں صاف تھیں..... فرش میں بھی سوراخ نہیں تھا..... شکار کا لباس میں نے اتارا نہیں.....!

ہمارے ساتھ بستر تھے چادریں تھیں.....

عصر کی نماز سے فارغ ہو کر میں نے ایک پیالی چائے پی اور پچاس ایکسپریس سنبھال کر باہر آ گیا..... عظمت میاں بھی اپنی رائفل لیے ساتھ تھے..... انھوں نے جزیز کی رائفل لی تھی جو بڑی قیمتی تھی.....

گاؤں کے لوگ اپنے روزمرہ کے کاموں میں مشغول تھے..... جانوروں کی دیکھ بھال..... گاؤں کا سب سے اہم کام ہے اس لیے کہ جانوروں سے نہ صرف کھیت جوتے جاتے ہیں..... بلکہ گائے بھینس سے دودھ..... اور بیلوں سے آمدورفت لیے گاڑی کھینچنے کا کام بھی لیا جاتا ہے..... گاؤں میں دو عدد گھوڑے..... بلکہ یا بو..... اور

گھاٹی کے نزدیک کوئی مناسب مقام ایسا نہیں ملا جہاں ہم دونوں ٹھہر سکتے..... نتیجتاً میں گاؤں واپس آیا اور ایک شکستہ مکان کی دیوار کی آڑ میں ٹھہرے رہنے فیصلہ کیا.....

آدم خورشیر کی حرکات قطعاً ناقابل پیش بینی ہوا کرتی ہیں..... لیکن طویل تجربہ ان تمام آدم خورشیروں کی حرکات و سکنات کا ایک خاکہ ضرور بنا دیتا ہے جس پر غور کرنے سے ان تاریک گوشوں پر کچھ روشنی ضرور پڑتی ہے جہاں آدم خور کی حرکات ریکارڈ ہے.....

مجھے خاصاً یقین تھا کہ آدم خور ایک بار پھر رات یا دن کے کسی حصے میں اس آبادی کی طرف ضرور آئے گا..... جلد یا بدیر.....

مغرب کے بعد میں قیام گاہ پر واپس آیا اور ہم نے مغرب کی نماز کے بعد کھانے سے بھی فراغت کر لی..... اس کے بعد میں نے پھر راتقل سنبھالی.....

”خاں رات اندھیری ہے.....“

عظمت میاں بولے.....

”ہاں..... لیکن ستاروں کی روشنی کافی ہوگی..... اور پھر ٹارچ بھی ہے.....“

لیکن خوب اندھیرا ہو جانے بعد مجھے یہ احساس ہوا کہ وہاں بیٹھ کر خواہ مخواہ اندھیرے میں شکار کا خطرہ لینا مناسب نہیں..... شیر اور بلی کی نسل کے دوسرے سارے درندے رات کے وقت بالکل صاف دیکھ سکتے ہیں اور سب درندے رات میں ہی شکار کرتے ہیں جبکہ انسان کی آنکھیں رات کو دیکھنے کے لیے نہیں بنائی گئیں..... میں اس وقت بھی دیوار کی آڑ میں بیٹھا بمشکل دس گز تک دیکھ سکتا تھا..... یہ فاصلہ ایسا تھا کہ شیر اچانک نمودار ہوتا تو فائر مشکل تھا..... در آنحالیکہ مجھے شیر سو پچاس گز دور سے بہ آسانی دیکھ سکتا تھا.....

نصف شب کے قریب میں نے مزید انتظار ملتوی کر دیا اور قیام گاہ واپس

آ گیا.....

فجر کی نماز کے لیے حسب معمول آنکھ کھل گئی..... لیکن باہر نکلنے کے لیے مجھے ایک بار پھر لباس تبدیل کرنا پڑا اس دوران عظمت بھی بیدار ہو گئے..... ہم دونوں مسلح ہو کر ہی باہر نکلے..... ضروریات سے فراغت کے بعد کنویں کی طرف چلے کہ وضو کر سکیں..... ایک قدم ادھر بڑھایا ہی تھا کہ میری چھٹی حس نے خطرے کی گھنٹی بجائی..... اور میں یکبارگی رائے اٹھا کر تیار ہو گیا.....

”کیا ہوا.....؟“

عظمت گھبرا کر بولے

”کیا شیر آ گیا.....؟“

”پتہ نہیں..... لیکن کچھ ہے ضرور.....“

ابھی اندھیرا تھا..... صبح صادق نے اس علاقے کی پہاڑیوں کو تو کسی قدر نمایاں کر دیا تھا لیکن گہبھا پہاڑوں کے درمیان وادی میں واقع تھا جہاں صبح ابھی نہیں پہنچی تھی..... میں نے عظمت کو دیوار کی طرف ہٹنے کا اشارہ کیا..... اور ہم دونوں دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے..... کم از کم عقب سے حملہ ممکن نہیں تھا..... سامنے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا.....

اسی وقت گاؤں کی دوسری جانب سے کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آئیں..... کتے ایسی آوازوں میں بھونک رہے تھے جن سے خوفزدگی ظاہر تھی..... گویا بھونکنے کے دوران ان کی ایک آدھ چیخ بھی نکل جاتی تھی..... اور اسی لمحے جو خطرہ مجھے محسوس ہو رہا تھا وہ بھی زائل ہو گیا..... کتے چند لمحوں بعد خاموش ہو گئے.....

ہم دونوں اسی طرح دیوار سے لگے کھڑے رہے..... تاہم ذرا سا اجالا ہوا تو میں نے قدم بڑھایا کنویں پر ہم نے وضو کیا..... اور واپسی کے لیے اٹھے ہی تھے کہ سامنے کے گھر کا دروازہ کھلا اور ایک دیہاتی نے سر نکال کر باہر جھانکا پھر اپنے کسی عزیز یا

میں ان کی طرف دیکھ کر مسکرایا..... وہ ابھی تک مضطرب تھے..... ان کے  
 ہرے سے ان کی قلبی کیفیت بڑھی جاسکتی تھی.....  
 میں ہر جذبے سے معرئی تھا..... ایسی حالت میں کہ کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا  
 ہی یہ کیوں سوچتا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا..... اس کا تدارک بھی اب کیا تھا.....  
 ”واقعہ اہم اس لحاظ سے ہے کہ اب گاؤں والے شدید خطرے میں ہیں.....  
 یکن میں گزر رہے ہوئے لمحات کے بارے میں سوچ کر پریشان نہیں ہونا چاہتا.....“  
 عظمت میاں چپ ہو گئے..... لیکن وہ اندرونی طور پر مضطرب اور فکر مند تھے  
 ”اب تو گویا دروازے سے باہر قدم نکالنے کے لیے بھی سوچنا پڑے گا.....“  
 انھوں نے فکر انگیز لہجے میں کہا

”ہاں..... ایسی ہی صورت حال ہو گئی ہے.....“

”کہیں یہ آدم خور گھروں میں نہ گھسنے لگے.....؟!“

میں نے جواب نہیں دیا..... سوچ میں بھی یہی رہا تھا..... میں ایسے کئی آدم  
 خوروں کے بارے میں جانتا تھا جو اتنے جری ہو گئے تھے..... گھروں میں گھستے تھے.....  
 کئی چیتے گھروں میں گھس کر بچے اٹھالے جاتے تھے..... میں نے ایک ایسا چیتا ہلاک  
 کیا جو میرے گاؤں میں موجود ہوتے ہوئے ایک گھر میں کود کر ایک بچے کو پکڑ کر لے گیا  
 تھا.....

آدم خور کا چھوٹی سی آبادی کے کسی نسبتاً علیحدہ گھر میں گھسنا ناممکن نہیں تھا.....  
 خصوصاً جبکہ گھروں کی دیواریں سرکنڈوں سے بنی ہوں..... مٹی اور پتھر کے گھروں میں  
 شیر نہیں گھس سکتا..... گو ان گھروں کے دروازے بھی جھانکڑ..... یا سرکنڈوں وغیرہ سے  
 بنائے جاتے ہیں.....

لیکن بعض آدم خور ضرورت سے زیادہ جری ہو سکتے ہیں.....

اس آدم خور نے کم از کم اتنی جرات پیدا کر لی کہ آبادی کے وسط میں بنے

دوست کو آواز دی..... اس کے بعد لوگ اپنے گھروں سے نکلنے لگے.....  
 ہم دونوں نے قیامگاہ آ کر فجر کا دو گنا ادا کیا..... پھر باہر آ گئے اب اجالا ہو  
 گیا تھا اور گاؤں والے..... جو ہمیشہ علی الصباح بیدار ہوتے ہیں..... نکل کر اپنے  
 کاموں میں لگ گئے تھے.....

میں سیدھا کنویں کے پاس آیا اور آس پاس کی زمین کا بغور معائنہ کیا.....  
 کنویں کی جگت کے نزدیک ہی ایک جگہ شیر کا ماگھ نم مٹی پر واضح تھا.....  
 تھوڑی کوشش سے ہی میں نے اور کئی نشان بھی تلاش کر لیے..... واپسی  
 کے وقت شیر کو جلدی تھی اس لیے دوڑتا ہوا گیا تھا..... وہ نشانات بھی جا بجا ملے.....

یہ واقعہ اس آبادی کے لیے نہایت سنگین صورت حال کا پیش خیمہ تھا..... شیر  
 کا کھیتوں کی طرف آنا..... لوگوں پر تاک لگانا..... چرواہوں کو دھمکانا..... یہ سب جدا  
 ہیں..... لیکن آبادی کے اتنے قریب کنویں کی آڑ میں بیٹھنا ظاہر کرتا ہے کہ آدم خور  
 زیادہ نڈر اور دلاور ہوتا جا رہا ہے اور اب یہ بلا اس آبادی پر نازل ہو ہی گئی.....

عظمت میاں بھی اس صورت حال سے بہت متاثر ہوئے..... ان کو وہم و  
 گمان بھی نہیں تھا کہ آدم خور اس قدر جری ہو سکتا ہے..... وہ شکاری ضرور ہیں لیکن شیر  
 کے شکار کی نوعیت ہی مختلف ہوتی ہے..... اور شیر بھی آدم خور..... جس کے شکار کے لیے  
 ایک خاص مزاج اور سلیقے کی ضرورت ہوتی ہے.....

وہ تو مجھ سے کہنے لگے.....

”میاں خاں..... اپن اگر کنویں کی طرف جاتے تو مارے گئے تھے.....“

”ہاں..... شیر تو گھات میں تھا ہی.....“

”حملہ کرتا.....“

”ممکن تھا.....“

”خاں تم تو جیسے اس کو اہمیت ہی نہیں دے رہے ہو گے.....!“

سے معری ہوتا ہے یہ سب اس کے کام نہیں ہیں..... جس کا جو کام ہے اسے وہی خوب انجام دے سکتا ہے.....

البتہ..... آدم خوری شروع کرتے ہی..... یہی بہادر..... دنیا کا بزدل ترین شکاری بن جاتا ہے..... یہ حال..... کہ پتہ کھڑکا بندہ بھڑکا..... تا یہ کسی جانور کا بہادری کے ساتھ مقابلہ کر سکتا ہے نہ انسان کا..... اس کو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو لقمہ تر بناتے ہی ساری دنیا کے انسان اس کے دشمن جان ہو گئے ہیں اور یہ بھی اس کو قدرت بتا دیتی ہے کہ انسان دنیا میں سب سے زیادہ عقلمند مخلوق ہے..... اس کی دعوت مبارزہ دینا آسان بات نہیں!.....

جتنی دیر میں یہ تفتیش ختم ہوئی اتنے میں ناشتہ تیار ہو گیا..... اور میں آبادی میں واپس آ گیا..... گاؤں کے کئی آدمی ہماری قیام گاہ کے سامنے جمع تھے..... اور چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں..... ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان لوگوں کے روزانہ معمول میں خلل واقع ہو گیا ہے..... جو کاروبار وہ لوگ صبح سے شروع کر دیتے ہیں وہ اس روز شروع نہیں ہوا تھا.....

میں نے عظمت کے ملازم کو ہدایت کی کہ وہ ان لوگوں کو احتیاط کی تاکید کرے اور کہہ دے کہ آئندہ کوئی شخص تنہا تو گھر سے بھی نہ نکلے..... کھیتوں میں گروہ کی شکل میں جائیں..... کنویں پر بھی کئی مرد اور عورتیں مل کر پانی بھریں..... بچوں کو قطعاً تنہا نہ چھوڑیں نہ بھاگ دوڑ کرنے دیں.....

ناشتے کے بعد میں نے کنویں پر آ کر وضو کیا..... دو رکعت نفل جگت پر ہی پڑھی..... اب میں اس آدم خور سے مقابلے کے لیے نکلا.....

عظمت میاں کا خاص منصوبہ یہی تھا کہ وہ اس شکار میں پورا حصہ لیں..... چنانچہ وہ بھی میرے ساتھ تھے..... اور میری ہدایت کے مطابق آٹھ دس قدم آگے آگے چل رہے تھے..... ویسے انھوں نے حسب عادت اس معاملے میں حیل جت کرنا

ہوئے کنویں تک آپہنچا شاید اس لیے کہ اس کو معلوم تھا صبح صبح گاؤں والے کنویں پر پانی بھرنے آ جاتے ہیں..... وہ کنویں کی جگت کی آڑ میں دبکا رہا تھا..... اگر ایسی حالت میں کوئی عورت یا مرد علمی میں ادھر آ نکلتا تو اس کا لقمہ تر بنتا.....

میں کنویں سے تقریباً پچیس گزر پر ٹھکا تھا..... اور جس جگہ دیوار کے سہارے ہم ہوگ کھڑے رہے تھے وہ تیس پچیس گز کے فاصلے پر تھی..... شیر نے غالباً حملہ صرزد اس لیے نہیں کیا کہ ہمارے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں اور جبکہ میں پہلے بھی لکھ چکا ہوں..... جانور بھی شکاری اور ہتھیار بردار شخص کو پہچانتے ہیں..... خصوصاً آدم خور شیر جس مقابلہ ہی اشرف المخلوقات سے ہوتا ہے.....

آدم خور شیروں کی چالاکیوں کے متعدد قصے میں اپنی شائع شدہ کتب میں لکھ چکا ہوں.....

شیر..... ایک بہت بہادر..... نہایت جری اور نڈر درندہ ہے..... ہاتھی کے روئے زمین پر کوئی ایسا چرند و درندہ پرند نہیں جو شیر کا بال بھی بیکا کر سکے..... شیر جنگل بادشاہ ہوتا ہے..... نہ یہ کسی کا دوست نہ کوئی اس کا دوست..... ہاتھی بھی شیر کی آواز سننے اور بوسنگھنے کے بعد خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلتا ہے پالتو ہاتھی بھی بے قابو ہو جاتا ہے..... خود میرے ساتھ نیپال میں نہایت ناخوشگوار واقعہ پیش آچکا ہے جو میں تفصیل سے بیان کر چکا ہوں.....

ہاتھی کے علاوہ سور..... شیر کے سامنے جرات کا مظاہرہ کرتا ہے..... شیر کو سور کا گوشت مرغوب ہے اور ہمیشہ اس کی جستجو میں رہتا ہے..... سورنی تو بے آسانی ماری جاتی ہے..... لیکن بٹڈیلا مقابلہ کیے بغیر جان نہیں دیتا..... سور خواہ کتنا ہی عظیم الجثہ اور خبیث کیوں نہ ہو..... شیر کے سامنے بے بس ہوتا ہے..... شیر کی پھرتی..... شکار کافن، بچوں اور دانتوں کی خوں آشامی..... اور شکار کی جان لینے کا کمال..... غیر معمولی ہوتے ہیں..... اس کے ان فنوں میں کوئی اس کا مد مقابل نہیں..... جبکہ سور ان تمام اوصاف

چکے ہیں..... میں گیا تھا تو میں نے ایک ہرن شکار کیا..... جس کے کباب بھابھی عاصمہ اور بیگم منیر نے متفقہ کوشش سے تیار کئے جو ایسے لذیذ بنے کہ میں نے ایک قلغی بھر کر کباب فریز کروائے اور ساتھ ٹلسا لایا.....

ہم آبادی کے کھیتوں سے نکلے تو اس بار میں نے وہ سمت اختیار کی جدھر صبح شیر بھاگ کر گیا تھا..... اس طرف جنگل گھنا تھا..... اور درختوں کے نیچے جھاڑیاں بھی نہبتا گھنی تھیں..... جا بجا آندھی میں گر جانے والے درختوں کے تنے اور شاخیں سوکھ کر ایسے ڈھیر تھیں کہ ان سے گزرنا ممکن نہیں تھا..... میں نے عظمت میاں سے کہہ دیا تھا کہ جہاں کوئی گھنی جھاڑی یا ایسا موڑ آئے کہ دور تک نظر نہ آتا ہو وہاں وہ ٹھہر جائیں تاکہ میں قریب آ کر دیکھ بھال کر لوں.....

شیر کو جنگل میں تلاش کرنا کوئی آسان کام نہیں..... شاید کسی کو یہ گمان ہو کہ جنگل میں ہر طرف شیر نظر آتا ہوگا..... ایسا نہیں ہے.....

بھوسے کے ڈھیر میں سوئی تلاش کرنا آسان ہے..... اس لیے کہ سوئی نہ تو خود چھتی پھرتی ہے نہ کسی پر حملہ کرتی ہے..... لیکن شیر نہ صرف خود چھپتا ہے بلکہ حملے کے لیے بھی آمادہ رہتا ہے.....!

سینکڑوں میل پر پھیلے گھنے جنگل..... نالے ندی..... غار کھوہ..... نشیب و فراز..... جھاڑ جھنکاڑ میں شیر جا بجا چھپتا پھرتا ہے..... وہ شیر جو نہ صرف ماہر ترین شکاری ہوتا ہے بلکہ چھپنے اور دیکھنے کے فن کا امام..... اگر شیر کسی جھاڑی میں چھپا ہو تو اس کو دیکھنا ممکن نہیں..... انھیں جنگلوں میں رہنے والے جانور جھاڑی میں سے جھانکتے ہوئے شیر سے دھوکا کھا جاتے ہیں..... انسان تو اس کا عادی ہی نہیں ہوتا..... الایہ کہ شکاری..... اور وہ بھی مشاق اور تجربہ کار شکاری ہو..... گذشتہ صفحات پر ایک تصویر ہے جس میں امریکی باب کیٹ چھپی جھانک رہی ہے..... اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ال خاندان کے جانور چھپنے کے کتنے بڑے فنکار ہوتے ہیں..... اور شیر ان سب کا

چاہا..... لیکن میں نے صاف کہہ دیا.....  
”عظمت میاں صاحب..... شرط سفر یہ ہے کہ آپ مجھ ناچیز کی ہدایت پر عمل فرمائیں.....“

”لیکن میں آگے کیوں چلوں خاں.....؟“  
”میں خود اپنی حفاظت کر سکتا ہوں.....“  
”بے شک..... لیکن آپ نے اس سے قبل کتنے آدم خور شکار فرمائے ہیں.....؟“

”اس سے کیا ہوتا ہے.....“  
وہ مسکرائے.....

اور اس کے بعد انھوں نے کسی ہدایت سے انحراف نہیں کیا..... ان کو اپنی اہلیت اور تجربات کا خود بھی احساس تھا..... عظمت میاں میرے بچپن کے دوست..... ہم جماعت اور نہایت مخلص رفیق تھے.....

اب..... جبکہ کتاب لکھی جا رہی ہے..... عظمت کینڈا میں مقیم اور بہت بڑی RANCH کے مالک کامیاب فارمر FARMER ہیں..... ان کی زمین آٹھ ہزار ایکٹر پر پھیلی ہوئی ہے..... جو بہت بڑا رقبہ ہوتا ہے دو ہزار ایکٹر پر جنگل ہے..... دو ہزار ایکٹر پہاڑیاں..... اور باقی پر وہ گندم کاشت کرتے ہیں اور نہایت خوشحال و مطمئن زندگی گزارتے ہیں..... سیب اور آلو پچے کے باغات ہیں..... ہزار ایکٹر پر آلو پچے کاشت کرتے ہیں..... دو مرتبہ امریکہ..... ٹلسا آ کر مجھے مہمانی کا شرف بخش چکے ہیں..... اور بھابھی صاحبہ کی میری بیگم منیر سے خوب دوستی ہو گئی..... میں بھی ایک بار بغرض شکار ان کی رینج پر ہی وارد ہوا اور حسب معمول بھابھی صاحبہ کے تیار کردہ کھانوں سے لطف اندوز ہوا..... یہ اکتوبر ۱۹۹۴ء کا واقعہ ہے.....

ان کی رینج پر جنگل میں بکثرت ہرن ہیں..... لیکن عظمت شکار سے مستغنی ہو



ہماری پیش قدمی کی لائن شمالاً جنوباً تھی..... شیر کا ماگھ شرٹا غربا تھا..... میں نے غربی سمت نگاہ کی..... نشیب کی طرف اترتی ہوئی گھائی..... ادھر دور تک بلند گھاس تھی..... اور جا بجا بہت تناور درخت گھاس کے درمیان کھڑے تھے..... ہم چونکہ بلندی پر اس لیے یہ دیوپیکر درخت رکاوٹ ثابت ہوئے اور میں دور تک اس علاقے میں نہیں دیکھ سکا..... تاہم جس قدر ممکن ہوا ہم دونوں نے بہت غور توجہ کے ساتھ دیکھا شکار میں غفلت کرنا غلط ہے..... خصوصاً جب شیر..... اور وہ بھی آدم خور شیر کو تلاش کرنے کا مرحلہ..... ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنا عین دانشمندی ہے.....

عظمت میاں نے بھی گاؤں سے اس مقام تک آنے میں شکاری لوازمات کی پوری پاسداری کی تھی..... انھوں نے..... میرے آگے آگے چلنے کے ساتھ ساتھ کسی قدم پر لاپرواہی کا ثبوت نہیں دیا تھا..... ویسے واقعہ یہ ہے کہ وہ خود بہت اچھے شکاری ہیں..... شیر کے شکار سے وہ میری ہدایت کے مطابق احتراز کرتے رہے جو ان کے حق میں یقیناً مفید رہا..... وہ اس راز سے آگاہ ہو گئے تھے جس کی بناء پر ان کو شیر کے شکار سے منع کیا گیا تھا..... یہ بھی ان کی دانشمندی اور عاقبت اندیشی کی دلیل تھی.....

میں نے عظمت کو اشارہ کیا کہ وہ مغرب کی طرف جانے کے بجائے سیدھے چلتے رہیں..... مجھے آدم خوروں کی نفسیات سے پوری واقفیت تھی..... یقین تھا کہ شیر جس طرف گیا ہے ادھر ناک کی سیدھ میں تو ہرگز نہیں گیا ہوگا..... دورا سے تھے..... یا تو نشیب کی طرف..... یا بلندی کی طرف..... یہاں اگر میں اس مجرمانہ ذہنیت کا تذکرہ کروں جو اکثر مشاہدے میں آتی ہے تو آدم خور کو مجرم گردانتے ہوئے یہ باور کرنا عین درست تھا کہ شیر بلندی کی طرف گیا ہوگا..... میری مراد ہے کہ کچھ دور مغرب کی طرف چل کر پھر وہ شمال کی سمت گھوم گیا ہوگا..... یہی آدم خور شیروں کی نفسیاتی حرکت ہے..... یا یوں کہا جاسکتا ہے کہ عام طور سے مجرموں کی عادت یہی ہوتی ہے کہ وہ بلندی کی طرف فرار کرتے ہیں.....

استاد.....!

جنگل میں کوئی ایک گھنٹہ چلنے کے بعد وہ مسطح جنگل پہاڑی دامن میں تبدیل ہوتا گیا اور ہم بلندی کی طرف بڑھے.....

عام حالات میں ایک گھنٹے میں تقریباً تین میل فاصلہ طے ہوتا ہے لیکن ار دشوار جنگل میں جہاں ہمیں آدم خور کی فکر تھی..... اور قدم قدم پر رکاوٹیں کھڑی تھیں بشکل ایک میل طے ہوا ہوگا..... اس لیے کہ کسی قدر بلندی پر آنے کے بعد ایک کھل جگہ سے میں نے آبادی کی طرف دیکھا تو گاؤں کے دو ایک گھر درختوں کے درمیان سے جھانکتے نظر آئے مجھے یہ اندازہ کرنے میں دشواری نہیں ہوئی کہ فاصلہ شاید اب ایک میل سے بھی کم ہی ہو.....!

ہم چند قدم بڑھے ہی تھے کہ اک طرف سے چیتلوں کا ایک چھوٹا منہ جھاڑیوں سے نکلا اور آہستگی سے چلتا ہوا پہاڑی کے دوسری جانب اتر گیا..... منہ میں سات مادائیں اور دو کم عمرز تھے.....

پہاڑی پر جو درخت تھے وہ تناور نہیں تھے..... کم جشہ تھے..... بیشتر شریفہ بولہ اور کروندے ویرہ کے درخت ہوتے ہیں..... یا پھر چرونجی اور لہسوزہ..... یہ درخت پھل دار تھے اس لیے اس علاقے میں چرندے بھی زیادہ آتے جاتے رہے ہوں گے..... ہر طرف جہاں مٹی نرم تھی چیتل اور سانہجر کے کھروں کے نشانات بکثرت نظر آتے تھے..... اور.....؟!

میں یہ نشانات کنکھیوں سے دیکھ ہی رہا تھا کہ عظمت میاں یکبارگ ٹھہرے..... زمین کی طرف جھکے اور سر پیچھے گھا کر میری طرف دیکھتے ہوئے زمین کی طرف اشارہ کیا.....

ماگھ.....؟!

تازہ بہ تازہ.....!

”کیوں خاں.....؟“

انھوں نے پوچھا

”ذرا ٹھہر جاتے ہیں.....“

اور ہم لوگ ایک درخت کے تنے کے پاس رک گئے..... اس  
رح کہ ہم دونوں کی پشت ایک دوسرے کی طرف تھی.....  
میں شکار کی جو تفصیلات بیان کر رہاں وہ عادتاً سیر و قلم ہو رہی ہیں..... ورنہ  
یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ اس قسم کے شکار کا زمانہ گزر گیا..... یہ واقعہ تقریباً تیس  
تیس سال پہلے کا ہے..... اس طویل عرصے میں دنیا بدل چکی ہے..... شیروں کی جو  
مدا کثیر ہوا کرتی تھی وہ قلت میں بدل گئی ہے..... لیکن اب بھی شیروں کی تعداد خاصی  
ہے اور ان کے آدم خور ہونے کے واقعات بھی ہوتے رہتے ہیں.....

چند ماہ قبل ہی امریکہ کے DISCOVERY CHANNEL پر ایک  
م دکھائی گئی تھی جو شمالی ہند کی کسی SANCTUARY میں بنائی گئی..... اس خصوصی  
لاٹے میں ایک شیر آدم خور ہو گیا..... اور دو چار دیہاتیوں کو لقمہ بنایا..... ایک نوجوان  
ذکی کو سخت زخمی کر کے چھوڑ دیا..... فلم میں یہ لڑکی اور اس کے زخموں کے نشانات بھی  
لھائے گئے.....

اس علاقے کے متعلقہ افسران نے اس آدم خور کو ہلاک کرنے کا فیصلہ کیا اور  
لاخر اس کے لیے گاراباندھا گیا..... گیم وارڈن مچان پر بیٹھا..... اور شیر آیا تو اس کو گولی  
کا نشانہ بنایا..... اور جیپ کے بونٹ پر لاد کر آبادی میں لایا جہاں ہندو عورتوں اور  
اردو کو شیر کو چومتے..... شیر کو ہاتھ لگا کر پیشانی کو چھوتے اور اس کی لاش کے سامنے  
فقید مندانہ غم ہوتے بھی دکھایا گیا.....!

یہ ساری حرکات میری پہلے بھی دیکھی ہوئی ہیں.....!

جو میرے شیر کے شکار کا زمانہ تھا یعنی ۱۹۴۴ء سے ۱۹۶۴ء..... ان دنوں

عظمت میاں اسی طرف چلے..... قدم قدم سنبھل کر رکھتے..... جھاڑیوں  
درختوں کے ٹھنڈوں سے بچتے بلندی کی طرف جاتے رہے..... بلندی کی طرف جا  
میں سانس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اس لیے زیادہ محتاط ہونا پڑتا ہے..... ایسی حالت  
کہ تنفس تیز ہو رائل فائر کرنا ممکن نہیں رہتا..... اور اگر شیر نزدیک ہے یا کوئی  
خطرناک درندہ حملہ آور ہے تو پھولی ہوئی سانس کے ساتھ اس کا نشانہ بنانا ممکن  
ہوتا..... میں بلندی پر جانے میں ہمیشہ احتیاط کرتا ہوں..... پانچ منٹ کا فاصلہ پچ  
منٹ میں طے کرنا بہتر سمجھتا ہوں بہ نسبت اس کے کہ پانچ منٹ میں اوپر آؤں  
سامنے شیر کھڑا نظر آئے.....

ہم ٹھہر ٹھہر کر قدم اٹھاتے بلندی کی طرف بڑھتے رہے..... میں وقتاً  
گھوم کر پیچھے دیکھ لیتا..... دشمن کی علاقے میں اپنے عقب سے غافل نہیں  
چاہیے..... یہ جنگ کا ایک اہم نکتہ ہے.....!

بلندی تو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لیتی تھی..... ذرا سی مسطح پتھریلی زمین یا  
چٹان راہ میں آتی اور پھر وہی چڑھائی..... اس سارے فاصلے میں کوئی اور ماگھ بھی  
نہیں آیا..... میں نے کئی بار گھوم کر گاؤں کی طرف دیکھا لیکن اب جنگل راستے  
رکاوت بن چکا تھا اس لیے آبادی نظر نہیں آئی.....

جس سمت ہم جا رہے تھے اسی طرف بیرکنڈ کی آبادی تھی..... جو وہاں  
چھ سات میل رہی ہوگی..... مجھے یقین تھا کہ آدم خور اس وقت بیرکنڈ کا رخ کر گیا  
شیر طویل فاصلوں تک روزانہ چہل قدمی کرتا ہے..... رات میں تقریباً پندرہ بیس میل  
چکر لگا کر اپنی اقامت گاہ میں واپس آ جاتا ہے..... لیکن دن کے وقت اس کو اتنا  
کرنے کی تاب نہیں ہوتی..... دھوپ اور گرمی سے شیر بہت گھبراتا ہے.....

ہم نے اس کوہ کو سر کرنے کی کوشش میں تقریباً ایک گھنٹہ اور صرف کیا.....  
جب اس کی تسخیر کا امکان نزدیک معلوم نہ ہوا تو عظمت کو میں نے رکنے کا اشارہ کیا.....

ہاں بھی نہیں رہا.....  
اسی واقعے سے متاثر ہو کر میں نے مندرجہ ذیل غزل تخلیق کی:-

یہ نہیں ہے غم کہ سارا گھر جلا  
ساتھ منظر کے ہی پس منظر جلا  
آگ جو باہر لگی تھی بجھ گئی  
غم تو اس کا ہے کہ جو اندر جلا  
شع تو جلتی رہی ہے رات بھر  
جبکہ پروانہ فقط دم بھر جلا  
ہو گئے خاموش سارے ہی چراغ  
اک چراغ دل تھا بجھ بجھ کر جلا  
بے سرو ساماں ہوا کوئی تو کیا  
راہ جو روکے تھا وہ پتھر جلا

اللہ تعالیٰ سبحانہ نے انسانی ذہن بھی عجیب کرشمہ بنایا ہے..... ساٹھ سال کی  
ماری یادیں میرے ذہن کے پردوں پر اس طرح منقوش ہیں جیسے ابھی کل کی بات  
ہو..... میں جب کوئی واقعہ تحریر کرنا شروع کرتا ہوں تو ان یادوں کی تصاویر اس طرح  
منعکس ہونے لگتی ہیں جیسے سب زندہ ہو گئی ہوں..... یہی وجہ ہے کہ میرے قصوں میں  
ایک واقعے کی ضمن میں کتنے ہی اور واقعات کا سلسلہ ملتا چلا جاتا ہے..... یہی میری  
تحریر کی خصوصیت بھی ہے اور خوبی بھی.....

میں واحد شکاری ہوں جو اردو میں سچے واقعات قلمبند کرتا ہے..... اور واحد  
ادیب ہوں بجز اللہ تعالیٰ جس نے شکاریات کو ادب عالی کا مقام عطا کیا ہے.....  
میرے اس کارنامے کو تاریخ ادب اردو بیان کرے یا نہ کرے..... میرا نام نقدِ سخن میں  
آئے یا نہ آئے..... مجھے اس سے غرض نہیں..... میری طمانیت قلب کے لیے اتنا ہی

ویڈیو کیمرے کا رواج نہیں ہوا تھا..... مووی کیمرہ ہوتا تھا..... میرے پاس مووی کیمرہ  
تھا ضرور..... لیکن آ خر زمانے میں کیونکہ میں نے پہلا مووی کیمرہ ۱۹۶۳ء میں خریدا.....  
اس کیمرے کی دشواری یہ تھی کہ بیڑی سے چلتا تھا..... شور بہت کرتا تھا..... اس میں فلم  
آٹھ ملی میٹر کی لگتی جو صرف تین منٹ کی ہوتی تھی..... اس فلم کو کوڈیک کمپنی کوڈاک سے  
بھیجنا ہوتا..... جو اس کو ڈیویپل DEVELOP کر کے ڈاک سے ہی واپس کرتے  
تھے.....

تین منٹ کی فلم میں کیا آتا..... اور شکار میں اس شور کرتے ہوئے کیمرے کو  
لے جانے کا کیا فائدہ تھا.....

اب میرے پاس بجز اللہ نہایت قیمتی ویڈیو کیمرہ ہے..... اس میں ایک گھنٹے  
سے چھ گھنٹے تک کی فلم چلتی ہے..... بجلی اور بیڑی دونوں سے چل سکتا ہے..... میرے  
پاس اس میں استعمال کے لیے تین بیڑیاں ہیں..... ایک جو کیمرے کے ساتھ ملی وہ  
آدھے گھنٹے کی ہے..... دو میں نے خریدیں دونوں دو دو گھنٹے کی ہیں..... اس طرح میں  
ساڑھے چار گھنٹے ان بیڑیوں کی مدد سے فلم بنا سکتا ہوں.....

اور پھر اس کیمرے میں خصوصیت یہ ہے کہ BUILTIN وی سی آر بھی  
ہے..... فلم بنا کر اس کو اسی کیمرے کی اسکرین پر دیکھا جاسکتا ہے..... اب میں شکار پر  
رائفل کے ساتھ اس کیمرے کا بوجھ بھی اٹھائے پھرتا ہوں اور نہایت عمدہ اور دلچسپ  
فلمیں بنا کر لاتا ہوں.....

کاش کہ اس وقت یہ ویڈیو کیمرہ میرے پاس ہوتا جب میں بنگلہ دیش  
'نیپال'، 'برما'، 'ہندوستان'، 'پاکستان'، 'یوگنڈا' اور 'کانگو' میں شکار کرتا پھر رہا تھا..... اب تو ان  
شکاروں کی تصویریں بھی باقی نہیں رہیں..... گزشتہ سال میرے سامان میں آگ لگ  
جانے کا حادثہ پیش آیا..... اس آتشزدگی میں جو چند جوڑے کپڑوں..... میری رائفوں  
اور کیمروں کے علاوہ سب کچھ جل کر خاک ہو گیا..... بیس پچیس البم ایسے جلے کہ ان کا

’اوپر..... آگے.....‘

ذرا دیر بعد ہی ہمارا سفر دوبارہ شروع ہوا..... عظمت خاں آگے آگے اور میں کوئی آٹھ قدم ان کے پیچھے..... رفتار غالباً نصف میل فی گھنٹہ سے بھی کم..... ہمیں یہ خبر نہ ہو سکی کہ پہاڑ کا اختتام کہاں ہے..... کب ہم چوٹی کو سر کرنے میں کامیاب ہوئے..... اس لیے کہ کئی بار ایسا ہوا..... ہم ایک سطح مقام پر پہنچے اور ابھی یہ سوچتے ہی تھے کہ اس پہاڑ کی چوٹی پر آگے اسی وقت سامنے دوسری بلندی نظر آگئی اور ہم اس طرف چل پڑے.....

ایک بار پھر بلندی پر درخت کی آڑ لے کر ہم لوگ ٹھہرے..... سانس درست کرنے کی ضرورت بھی تھی..... میں نے نشیب کی طرف نظر ڈالی..... حد نگاہ تک سرسبز و شاداب درخت..... پہاڑ..... پہاڑیاں..... جن کے درمیان سے جابجا سرخ پتھر کی چٹانیں سرنکالے جھانک رہی تھیں..... دور مغرب کی طرف ایک پہاڑ کی ڈھلان کا سارا دامن جنگلی پھولوں سے ڈھکا ہوا تھا..... جن کو ہلکی خنک ہوا کے جھونکے جھولا جھلا رہے تھے.....

اور.....؟!

”عظمت خاں.....“ میں نے کہا

”ہاں خاں.....“

”یہ رہا شیر.....“

”شیر.....؟!“

وہ گھبرا کر بولے..... اور ایسے بدک کر بٹے جیسے شیران کے پیر کے نیچے ہی ہو..... پھولوں بھرے پہاڑی دامن سے ذرا اوپر ایک جانب ایک دیو پیکر چٹان کے سنگلاخ فرش پر شیر بیٹھا اپنا پنجہ چاٹ چاٹ کر سر اور چہرے پر پھیر کر صفائی کر رہا تھا..... غالباً شریفے کا ایک درخت اس طرح جھکا تھا کہ چٹان پر ساری شاخوں نے سایہ کر لیا

کافی ہے کہ میری بیس کے قریب کتابیں صرف اسی موضوع پر شائع ہو چکیں..... جو لوگ میری تخلیقات کا مطالعہ کرتے ہیں ان کی تعداد کا اندازہ دشوار ہے..... ناممکن ہے..... لوگ میری کتابیں پڑھ کر مجھے خطوط لکھتے ہیں ان کی تعداد بھی اتنی ہے کہ میں ان سر خطوط کا جواب نہیں دے پاتا مثال کے طور پر..... گزشتہ ہفتے ہی مجھے میری ناولیں شکاریات اور شعری تخلیقات پڑھنے والے مہربانوں کے اکتالیس خطوط ہندوستان پاکستان، جرمنی، سویڈن، ناروے، انگلینڈ، کینیڈا اور امریکہ کے کئی شہروں سے موصول ہوئے.....

میں گناہم ہوں..... لیکن اتنا گناہم بھی نہیں.....!

میری عمر اب پینسٹھ سال ہو رہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے دروازے مجھ پر کھلے ہوئے ہیں میری صحت اللہ تعالیٰ کی عنایت بے پایاں کے طفیل نہایت اعلیٰ ہے..... طاقتیں ہمت اور برداشت بدستور ہیں اور میں اب بھی بھڑا وہی شکاری ہوں جو کبھی تھا..... میری یادداشت، سماعت، و بصارت قابل اطمینان پر بحمد اللہ.....

اکتوبر ۱۹۹۰ء میں کولوریڈو میں الک کا شکار اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے اور اس شکار کے نتیجے میں تخلیق ہونے والی کتاب..... بلند یوں پر سنا یوں کا شکار..... عنقریب پڑھنے والوں کے ہاتھوں میں ہوگی..... انشاء اللہ تعالیٰ..... میں میرکنڈ کے آدم خور کا قصہ بیان کر رہا تھا.....

ہم دونوں..... ایک دوسرے کی طرف پشت کئے کھڑے تھے..... میرے ہاتھ میں رائفل اس طرح تھی کہ چشم زدن سے کم عرصے میں شانے پر آسکے.....

میں نے تھمرس سے چائے نکال کر عظمت کو دی دوسری پیالی میں اپنے لہ اندلی اور اسی طرح کھڑے کھڑے ہم نے چائے پی.....

”اب کدھر جانا ہے گا.....؟“

شیر کی نظر دور بین نہیں ہوتی..... قدرت نے اس کو قریب کی نظر عطا کی ہے..... اس کی وجہ یہی کہ شیر کو دور دراز فاصلوں تک دیکھنے کی ضرورت نہیں..... وہ گھنے جنگلوں میں رہنے والا اور گھنے علاقوں میں شکار کرنے والا درندہ ہے..... اس لیے نظر اتنی ہی ملی جتنی وہ استعمال کر سکے.....

ہم جتنے فاصلے پر تھے اگر وہاں سامنے بھی ساکت و جامد کھڑے رہتے تو شیر ہم کو شناخت نہ کر سکتا تھا..... اس لیے کہ سات آٹھ سو گز پر اس کی نظروں میں ساکن اشیاء میں تمیز کرنے کی اہلیت ہی نہیں رہتی..... البتہ حرکت کو وہ دیکھ سکتا ہے.....! ہمیں اپنی جگہ سے حرکت کیے کوئی بیس منٹ گزر گئے تھے اور جس رفتار سے اتنی دیر حرکت کی تھی اس کے پیش نظر غالباً ہم ایسے خطے میں پہنچ گئے تھے جہاں شیر سوڈیڑھ سو گز کے اندر ہونا چاہیے تھا..... یا شاید اس سے بھی کم.....

ہماری ست رفتاری اس لیے تھی کہ نہ صرف شیر ہی کی نظر سے بچنا تھا بلکہ جنگل کے دوسرے باشندے بھی ہمارے طرف دار نہیں تھے..... شکاری کو دیکھ کر کوئے اور مینائیں تو شور کرتی ہی ہیں..... بندر اور عام چڑیاں بھی احتجاج میں شریک ہوتی ہیں..... آہستگی سے قدم اٹھانا..... چلنا..... رک جانا..... جھاڑی کی آڑ لینا زیادہ ہاتھوں کو حرکت نہ دینا..... یہ سب احتیاطی تدابیر ہیں..... اور اکثر اسی طرح حرکت سے پرندے اور چرندے بھڑکتے نہیں ہیں.....

ان علاقوں میں مینائیں بھی تھیں اور بندر بھی..... ابھی تک ہم لوگ ان دونوں بلیات کو ساکت رکھنے میں کامیاب تھے.....

آدم خور بلا کا چالاک ہوتا ہے..... ذرا سی غیر عادی آواز..... معمولی سی حرکت کسی پتے پتی کی جنبش ہر مشتبہ صورت حال اس کو خطرے کی گھنٹی معلوم ہوتی ہے..... اور چونکہ کر دیتی ہے..... آدم خور کے ہوشیار ہو جانے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی جگہ فوراً تبدیل کر دے..... چھپ جائے..... یا جس شے سے اس کو خطرہ محسوس

تھا..... جو شاخص جھک پڑی تھیں شیر ان کی آڑ لے کر ہی بیٹھا تھا لیکن رخ کچھ ایسا کہ ہماری جانب سے صاف نظر آتا تھا..... ممکن ہے دوسری سمت سے نظر نہ آتا ہو..... فاصلہ.....!؟

تقریباً سات سو گز.....! ہم دونوں کی قدر آڑ میں تھے ہی..... اس کو دیکھتے ہی اور آڑ لے لی..... ”بہت دور ہے.....“

”ہاں.....“ ”اب کیا کریں خاں.....“ ”چلتے ہیں..... لیکن اس جگہ کو اچھی طرح شناخت کر لو.....“

اطراف کے نشانات اور علامات کو ذہن نشین کر کے ہم ساتھ کی جھاڑیوں میں چھپتے نشیب کی طرف مغرب رخ اترنے لگے..... کسی قدر وقفے سے میں جھانک کر بڑ کی موجودگی اور اس چٹان کو دیکھ لیتا جہاں وہ موڑی اب بھی با فراغت بیٹھا اپنے جسم صفائی میں مشغول تھا..... چند لمحوں بعد ہی ہم گھنے جنگل میں داخل ہو گئے جہاں وہ چٹان نظر نہیں آ سکتی تھی.....

باوجودیکہ میں نے شیر کو چٹان پر بیٹھے دیکھ لیا تھا..... اور یہ بھی معلوم تھا کہ اس علاقے میں اور کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن میں غافل پھر بھی نہیں تھا..... میری نظر میں اس طرح ہر طرف نگراں تھیں..... اور میں نے ان لال منہ کے بندروں کو بھی دیکھ لیا..... ہماری پیش قدمی سے مطلع ہو کر درختوں کے جھنڈوں میں ایسی آہستگی سے سرک گئے تھے کہ ایک پتی کو بھی جنبش نہیں ہوئی.....

ہماری پیش قدمی کی رفتار ست تھی..... عظمت میاں اب بھی آگے آگے تھے..... اور واقعی نہایت احتیاط کے ساتھ قدم اٹھا رہے تھے.....

کیا..... البتہ ہر دفعہ میں خوشی سے نہیں گیا..... بادل خواستہ گیا..... اگر ذرا بھی امکان ہوتا کہ مجھے نہ جانا پڑتا تو میں ہرگز نہ جاتا..... بس یہ کہ زخمی شیر کو ہلاک کرنا فرض کی صورت اختیار کر لیتا ہے.....

میں نے عظمت میاں سے کہا.....  
”برادر عزیز..... اب معاملہ نہایت خطرناک ہے..... اگر تم یہاں درخت پر چڑھ کر بیٹھ جاؤ تو میں اس آدم خور کی فکر میں جاؤں.....“

”کیوں..... میں کیوں نہ چلوں.....؟!“

سوال درست تھا.....

”اب خطرہ زیادہ..... مقابلہ بہت سخت اور احتیاط کی ضرورت بہت زیادہ ہے..... میں بالکل یکسوئی کے ساتھ اس کی فکر کرنا چاہتا ہوں.....“

”صحیح ہے..... اپن بھی چلیں گا.....“

کوئی اور ہوتا تو میں اس کو درخت پر چڑھا کر ہی رہتا..... لیکن عظمت میاں سے میں کیا کہتا..... میں نے ان کو شیر والے پہاڑ کی طرف چلنے کا اشارہ کیا.....

وہ صاحب آگے آگے..... تقریباً دس قدم آگے..... اور میں عقب میں..... میں نے ان سے پھونک پھونک قدم رکھنے کو کہہ دیا تھا..... وہ چند قدم چل کر رک گئے..... پہلے بغور اوپر کی طرف دیکھتے رہے..... پھر گھوم کر مجھے دیکھا..... میں قریب آ گیا.....

”خاں..... تم ٹھیک ہی کہہ رہے ہو گے.....“

”کیا.....؟“

”بہت خطرہ رہے گا.....“

”وہ تو ہے.....“

ہوا ہوا اس کی جستجو شروع کر دے.....

آدم خور کا کسی کی جستجو کرنا..... کچھ ایسا خوش آئند نہیں.....!

میں سالہا سال آدم خوروں کا شکار کرنے..... اس سے زیادہ سال شیروں کا شکار کرنے کے باوجود ہرگز کسی آدم خور کا اپنے تعاقب میں آنا گوارا نہیں کر سکتا..... ہر کون پسند کرے گا کہ موت اس کے تعاقب میں آئے..... آدم خور شیر چلتی پھرتی موت ہوتا ہے.....!

مختلف زاویوں سے ہم نے اس چٹان کو دیکھنا چاہا جہاں شیر بیٹھا تھا..... لیکن تناور درخت..... گھنا جنگل اور نشیب اس میں مانع رہے..... ضروری تھا کہ ہم کسی قدر بلندی کی طرف جائیں اس لیے کہ اب تک جتنا فاصلہ طے کیا تھا وہ سارا نشیب میں وادی اور گھنے جنگل کے درمیان ہی تھا.....

جس جگہ ہم اس وقت کھڑے تھے اس سے اُلٹے ہاتھ کی جانب تو وہ پہاڑ تھا جس کی چٹان پر شیر کو بیٹھے دیکھا تھا..... لیکن سیدھی طرف ایک اور پہاڑی تھی..... ہم اس پر جا کر شیر کو دیکھ سکتے تھے..... لیکن اس پہاڑی پر چڑھنے کے بعد فاصلہ پھر زیادہ ہو جاتا جہاں سے شیر پر فائر کرنا قطعاً درست نہ ہوتا..... میں شیر پر اس وقت تک فائر نہیں کرتا جب تک مجھے فاصلہ اور فائر کی کامیابی کا کامل یقین نہ ہو جائے..... شیر کو زخمی کرنا اور چھوڑ دینا ایک نہایت غیر دانش مندانہ فعل ہے..... دوسروں کے لیے تو خیر کیا خطرہ ہوتا اس لیے کہ وہ تو تھا ہی آدم خور..... مجسم خطرہ..... لیکن خود شکاری کے لیے خطرات تقریباً دو سو فیصد بڑھ جاتے ہیں..... اور اچھے اچھے تجربہ کار شکاری زخمی شیر کی تلاش میں جانے سے احتراز کرتے ہیں.....

مجھ کو دو بار زخمی شیر کی تلاش میں نہایت تلخ تجربات ہوئے ہیں اور دونوں بار محض اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت نے مجھے بچا لیا..... الحمد للہ تعالیٰ سبحانہ..... اس کے بعد بھی کئی بار زخمی شیر کی ہلاکت کو جانا پڑا لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا اور شیر کو فنا



عظمت خاں کو با آرام بٹھانے اور یہ یقین کر لینے کے بعد تک شیران تک نہیں پہنچ سکتا میں پہاڑ کی طرح چلا.....

بلندی یکبارگی ہی تھی..... اور عودی..... نتیجہ یہ کہ چند قدم چل کر سانس پھول جاتا..... اور مجھے ٹھہر کر سانس درست کرنا پڑتا..... پھولی ہوئی سانس کے ساتھ فائر ہرگز ممکن نہیں.....

اس لیے مجھے بلندی کی طرف جانے میں بڑا وقت صرف ہوا..... گھڑی پر تو میں نے نظر نہیں ڈالی لیکن بہت دیر لگ رہی تھی..... اور اس پر مجھے اختیار نہیں تھا..... ابھی میں تقریباً نصف بلندی تک گیا تھا کہ مجھے وہ چٹان نظر آ گئی جہاں شیر تھا..... اور صرف پچاس ساٹھ گز پر تقریباً اُلٹے ہاتھ کو..... لیکن..... وہاں اب شیر نہیں تھا..... چٹان خالی اور ویران..... مجھے یکبارگی جیسے بجلی کا جھٹکا لگا..... یقیناً شیر نے ہماری جھلک دیکھ لی اور حرکت کی ہے..... اب یہ کہ وہ کدھر گیا..... میں اس سے مقابلے کو تیار تھا..... میں نے اطراف کو بغور دیکھا..... اور ابھی میں ذرا ترچھا ہی تھا کہ عین سامنے..... تقریباً پچاس ساٹھ گز پر ایک جھاڑی میں سے نکل کر شیر دوسری کی آڑ میں ہو گیا..... اگرچہ حرکت اس قدر سریع تھی کہ بس گویا نظر نے ایک ذرا سی کسی شے کی جھلک ہی دیکھی..... لیکن یہ ضروری نہیں تھا کہ مجھ پر اس کے بارے میں وحی نازل ہوئی تب میں سمجھتا کہ کون ہے.....

میں نشیب میں..... شیر بلندی پر..... فاصلہ.....؟ ساٹھ گز..... عین ممکن تھا کہ شیر اسی فاصلے سے حملہ کر بیٹھے..... اس موڑی کو یقیناً معلوم ہو گا کہ میں نشیب میں ہونے کی وجہ سے دفاع نہ کر سکوں گا کیونکہ بلندی سے دوڑ کے نیچے آنے والے کی رفتار سرعت سے کم از کم چار گنا زیادہ سریع ہو سکتی ہے..... جبکہ نشیب سے بلندی کی طرف حملہ کی ضرورت میں رفتار اسی نسبت سے کم ہو جاتی ہے.....

میں حتی الامکان سرعت سے دائیں جانب ہٹ کر ایک چھوٹے درخت کے

”وہ تو ہے.....“

”اگر شیر نے اوپر سے کلائٹ لگا دی تو.....“

”ممکن ہے.....“

”تو..... پھر میں درخت پر بیٹھ جاتا ہوں.....“

”بہت عقلمندی ہوگی.....“

میں پھر نیچے واپس آیا..... عظمت میاں نے جوتے اتار دیئے اور بہ آسانی ایک نہایت تنادر برگد کے درخت پر چڑھ گئے..... جب وہ بلند ہو گئے تو میں نے ان کی رائفل بھی انہیں دے دی..... البتہ جوتے درخت کے نیچے ہی رکھے رہ گئے.....

اب مجھے کلاماً اطمینان تھا..... یہی سبب ہے کہ میں شکار میں کسی کو ساتھ لے جانے پر تیار نہیں ہوتا..... اگر خطرناک شکار نہ ہو تو کوئی بھی ساتھ جاسکتا ہے..... گو اس میں بھی اس وقت سے بہت محتاط ہو گیا جب سے مجھے لاہور کے ایک شخص کو ہڑیال کے شکار پر ساتھ لے جا کر نہایت تلخ تجربہ ہوا..... وہ آدمی ضلع کچہری لاہور میں ملازم اور ہرگز اس حیثیت کا نہیں تھا کہ میرے ساتھ جاتا..... البتہ حیثیت کچھ ایسی اہم نہیں..... اس لیے کہ باغبان پورہ کے لطیف الرحمان جو بڑے زمیندار..... تعلیم یافتہ اور متمول آدمی تھے..... ان کو میں ڈاکٹر ذوالفقار کے اصرار سے مجبور ہو کر دو تین بار ساتھ لے گیا..... اور ہر بار مجھے اپنی نادانی کا افسوس ہوا.....

پھر تو میں نے گویا عہد کر لیا..... اور کسی کو ساتھ نہیں لے گیا..... تاہم اب میرے دونوں بیٹے ماشاء اللہ جوان ہیں..... دونوں..... چھوٹے شکار کے شائق..... جو ان کے لیے مفید ہے..... ان دونوں سے بھمد اللہ تعالیٰ ہمارا خاندانی ورثہ..... یعنی شکار..... جاری رہے گا..... اور دونوں ہی ہرن، چکاڑا، لک، موڑ اور کیر بو..... تک محدود ہیں..... یا مرغابی، تیتڑ، ٹیڑ اور دوسرے جنگلی پرندے..... میں نے ان دونوں کو ریچھ اور پوما کے شکار پر جانے سے بھی روک دیا اور ان کو خود بھی دلچسپی نہیں ہے.....!

تنے کے ساتھ لگ گیا رائفل کے دونوں گھوڑے اٹھا دیئے..... توقع تھی کہ کسی بھی لمحے شیر حملہ کر بیٹھے گا..... مجھے وہ نظر نہیں آتا تھا ذرا سی جھلک بھی نظر آ جاتی تو میں فائر کرتا..... اس لیے کہ اتنے کم فاصلے سے اگر گولی لگتی..... چار سو پچاس ایکپریس کی گولی..... تو یقیناً مہلک ہوتی..... وقت گزرتا گیا..... اور میں سمجھتا ہوں اس طرح کھڑے مجھے صدیاں گزر گئی ہوں گی..... میں بار بار عقب میں اور ادھر ادھر بھی دیکھ لیتا..... ایک بار جو نظر اٹھی تو وہ موذی مجھے کوئی چالیس گز پردائیں جانب ایک جھاڑی میں گھستا نظر آیا..... لیکن صرف اس کی کمر اور دم ہی دیکھی وہ بھی چشم زدن سے بھی کم عرصے کے لیے..... فائر نہیں ہو سکا..... لیکن اب جس جگہ وہ آ گیا تھا وہ تقریباً برابر کی سطح تھی..... اور اس کی اولیں کہیں گاہ سے تقریباً ساٹھ ستر گز دور..... اس نے یہ فاصلہ اس چالاکی اور پوشیدگی سے طے کیا کہ میں نہ دیکھ سکا.....

اب میں نے بھی اپنا زاویہ ذرا سا بدلا تا کہ وہ مقام نظروں کے سامنے رہے.....!

(C)

اور رائفل کی نالی بھی اس طرف کر دی..... وہ یقیناً حملہ کرنے کو آمادہ تھا..... غالباً اسے کافی عرصے سے انسانی گوشت نہیں ملا تھا..... اور اس کی طبیعت مجبور کئے تھی کہ وہ کسی کو شکار کرے..... حملہ کرنے میں اس کو تامل صرف اس لیے تھا کہ وہ مجھے خطرناک شخص تصور کرتا تھا..... مجھے یقین ہے اگر میری جگہ کوئی دوسرا انسان ہوتا تو شیر حملے میں ہرگز تامل نہ کرتا..... مجھ پر حملہ کرنے میں وہ احتیاط برت رہا تھا..... اس نے جتنی دفعہ حرکت کی یقیناً اس وقت کی جب میں کسی اور سمت نگرانی کے لیے دیکھ رہا تھا.....

اب وہ جس جگہ تھا وہاں سے نیچے جانے کے لیے اتنی گھنی جھاڑیاں نہیں تھیں کہ وہ چھپ کر حرکت کر سکتا..... اس کی کہیں گاہ اور میرے مابین بھی کوئی ایسی چھپنے کی



ہلوں پر گر کر دو چار بار لڑھکا اور اٹھ کر بھاگا اس دوران اس کی غراہٹ کی آواز بھی  
سنا آئی.....

اور میں ابھی فائر کرنے والا ہی تھا کہ درخت پر سے عظمت خاں نے فائر  
کیا.....!

ان کی گولی بھی خالی گئی..... بلکہ ستم یہ ہوا کہ اس کا رخ میری ہی طرف  
تھا..... ایک پتھر پر سے گولی پھسل تو سیدھی میرے سر کے پاس سے نکلتی چکی گئی..... میں  
گھبرا کے درخت کی آڑ میں ہو گیا اس ڈر سے کہ وہ صاحب کہیں اس رخ پر دوسرا فائر  
نہ کر دیں.....

لیکن شیراب کہاں..... وہ تو یہ جاوہ جانہ جانے کدھر نکل گیا.....!

میں نے خالی کارتوس نکال کر چیمبر میں دوسرا کارتوس لگا دیا..... اور اپنی غلطی  
پر نادم ہونے کے سوا اور کیا کرتا..... دراصل بلندی سے نشیب کی طرف فائر کرتے وقت  
ہمیشہ غلطی کا امکان ہوتا ہے اس لیے کہ نیچے کی طرف جانے والی گولی پر کشش ثقل زیادہ  
اثر کرتی ہے اور کشش کے نتیجے میں گولی کا زاویہ یا ٹکڑی مختلف ہو جاتی ہے..... میں  
ایک فٹ اور آگے نشانہ لیتا تو گولی صحیح لگ سکتی تھی..... لیکن وہ موقع سوچنے کا نہیں  
تھا..... اگر میں ایک ثانیہ کے دسویں حصے کے برابر بھی دیر کرتا تو شیرجست لگا چکا  
ہوتا..... گو مجھے یقین ہے کہ اس کا حملہ نہایت غیر موثر ہوتا..... ایسی صورت حال میں کہ  
وہ خود نشیب میں اور میں بلندی پر تھا عام شیر تو حملہ ہی نہ کرتا..... یہ محض آدم خور کی  
چالاکی کہ وہ ایسی صورت حال میں حملہ کرنے پر آمادہ ہو گیا..... اس کو یقیناً یہ معلوم تھا  
کہ میں نشیب کی طرف سے حملے کا گمان نہیں کر سکتا اور بڑی حد تک یہ خیال درست بھی  
تھا..... وہ تو اللہ تعالیٰ سبحانہ کی عنایت شامل حال ہوتی ہے کہ میں بروقت ہوشیار ہو جاتا  
ہوں.....

مزید کوشش بے کار تھی.....

جگہ نہیں تھی..... اب وہ جس فاصلے پر تھا وہاں سے اگر وہ حملہ کر بھی دیتا تو میرے پاس  
فائر کے لئے کافی گنجائش تھی..... ساٹھ گز کا فاصلہ شیر اس برق رفتاری سے طے نہیں کر  
سکتا جس سے تیس گز کا مقررہ حملے کا فاصلہ طے کرتا ہے..... لہذا میں کم از کم دو فائر بہ  
آسانی کر سکتا تھا.....

میں نہایت غور سے جھاڑیوں میں دیکھ رہا تھا..... دل چاہتا تھا کسی طرح  
جھاڑیوں کی رکاوٹ کا پردہ ذرا سا سرک جائے اور وہ موذی نظر آجائے..... معاملہ ادھر  
یا ادھر کا آ گیا تھا..... وہ لمحہ دور نہیں تھا جب میرے خیال کے مطابق اس آدم خور کی  
لاش وہاں پڑی ہوگی..... اسی وقت میری چھٹی حس نے خطرے کی گھنٹی بجانا شروع  
کی.....

وہ علاقہ میرا دیکھا ہوا تو تھا نہیں..... لیکن میری نظر سے وہ ایک نالی چھپی  
نہیں رہی جو پہاڑ کی بلندی سے بارش کے پانی کو نیچے گراتی رہی ہوگی..... اور نہ جانے  
کتنے سالوں کی اس ریزش کے باعث کٹ کٹ کر غالباً دو اڑھائی فٹ عمیق تو ضرور ہو  
گئی ہوگی..... اس کا جتنا حصہ مجھے نظر آتا تھا وہ بلندی کی جانب تھا..... باقی وہ جھاڑیوں  
میں پوشیدہ اور اچانک مجھے احساس ہوا کہ وہ نالی عین ان جھاڑیوں میں جاتی تھی جہاں  
شیر کی جھلک دیکھی تھی..... یہ خیال آتے ہی میں نے گھوم کر نیچے کی طرف دیکھا..... اور  
جیسے سکتے ہو گیا.....!

اور..... چاروں ہاتھوں پیروں پر جھکا ہوا جست کرنے کے لیے آمادہ.....  
اگر میں اپنی چھٹی حس کی تنبیہ کو نظر انداز کر دیتا تو شیر مجھے دبوچ ہی لیتا.....  
میں نے اس کے جھکے ہوئے سر سے کوئی دس انچ پیچھے..... گویا گردن اور  
شانوں کے درمیان کے علاقے کا نشانہ لیا جہاں ریڑھ کی ہڈی ہوتی ہے اور بالاتال  
فائر کر دیا..... گولی غلط گئی اور شیر کے سر کے سامنے زمین پر پڑی جس کی وجہ سے خاک  
اڑ کر شیر کی آنکھوں میں پڑی ہوگی..... یا کنکریاں گئی ہوں گی کہ وہ تلملا کر پلٹا اور

درختوں کے پردے میں وہ راستہ ایک نیم دائرے کی شکل میں اسی پہاڑی دامن کے ساتھ ساتھ چکر لگا کر مشرق میں نکلتا تھا اور وہیں ایک نالے کے کنارے جنوب کی طرف گھوم جاتا تھا..... نیل گاڑی کے پیچھے پیچھے دو آدمی چل رہے تھے..... وہی آگے پیچھے کے دیہاتی طریقے پر.....

میں جس جگہ تھا وہاں سے اگر سیدھا جنوب کی جانب اترتا تو گاڑیوں کے نالے تک پہنچنے سے بہت پہلے اس موڑ پر پہنچ جاتا..... میری اس روز کی دشت نوردی اختتام پذیر ہو چکی تھی..... لہذا میں سیدھا جنوبی دامن پر اترنے لگا..... ابھی چند ہی قدم گیا تھا کہ نیچے گاڑی کے راستے پر نظر پڑی..... گاڑی کے پہیوں سے زمین کٹ کر دونوں پہیوں کی راہ بن جاتی ہے جبکہ درمیان کی زمین ویسی ہی رہتی ہے.....

ابھی میں ادھر دیکھ ہی رہا تھا کہ میری نظر شیر پر پڑی..... اور میں ٹھٹک کر رہ گیا..... وہ موڑی عین موڑ سے کوئی پانچ گز آگے..... نالے میں اترتے ہوئے نظر آیا اور ایک ٹانے میں ہی اتر کر نظر سے غائب ہو گیا..... مجھے اس کی تدبیر جنگ سمجھنے میں دیر نہیں لگی..... وہ اسی جگہ چھپا ہوا تھا..... اور گاڑیوں کے وہاں پہنچنے کا منظر..... غالباً اس نے دیکھ لیا تھا کہ گاڑیوں کے پیچھے پیچھے دو آدمی چل رہے ہیں اور دونوں آگے پیچھے ایک دوسرے سے دس بارہ قدم کے فاصلے پر چل رہے تھے جیسا کہ ان دیہاتیوں کی مستقل عادت ہوتی ہے..... میرے لیے یہ صورت حال بڑی تشویش اور تردد کا باعث تھی..... مجھے یقین تھا کہ اگر گاڑیوں کے مختصر قافلے کو ہوشیار نہیں کیا گیا تو سب سے پیچھے چلنے والا آدمی اس روز ضرور لقمہ تر بنے گا..... اور آدم خور کا طویل روزہ افطار ہو جائے گا.....

ایک انسانی جان شدید خطرے میں تھی.....!

میں جہاں تھا وہاں تقریباً تین سو گز..... میں بلندی پر..... ارتفاع تقریباً تین سو گز..... اور وہ نشیب میں.....

میں آزادانہ نیچے اترتا اور سیدھا اس درخت کی طرف آیا جہاں عظمت خاں تھے..... مجھے آتا دیکھ کر انھوں نے بھی اترنا شروع کر دیا تھا.....  
”وہ تو بھاگ لیا خاں.....“  
”ہاں.....“

میں نے ان سے قطعاً تذکرہ نہیں کیا کہ ان کی گولی میرے سر کے پاس سے گزری..... ان کا تصور بھی نہیں تھا اتفاقی بات تھی.....! لیکن..... اس قسم کے اتفاقات بعض اوقات سانحات بن جاتے ہیں..... اسی لیے میں کسی کو ساتھ لے جانے سے احتراز کرتا ہوں.....

اس روز مزید تلاش ملتوی کر دی..... مجھے یقین تھا کہ شیر کم از کم تین چار روز اس علاقے کی طرف رخ نہیں کرے گا..... دوپہر کا کھانا ہم دونوں نے ایک چشمے کے کنارے پتھروں پر بیٹھ کر کھایا..... وہیں یکے بعد دیگرے وضو کر کے ظہر کی نماز پڑھی..... اس کے بعد پہاڑیوں اور وادیوں میں گھومتے پھرتے عصر کے ذرا بعد واپس گاؤں پہنچے.....

اس کے بعد ہمارے تین روز اس علاقے میں سرگردانی میں گزرے شیر کا نہ صرف کوئی نشان نہیں ملا بلکہ اطراف سے بھی اطلاع موصول نہیں ہوئی..... میں سمجھتا ہوں کہ اس نے بندوق کا دھماکہ پہلی بار سنا تھا اور قدرتا اس پر خوف طاری ہوا اس کو یہ احساس ہوگا کہ اس کا شدید دشمن اتنا بے ضرر نہیں جتنا اس نے سمجھ لیا تھا.....

تیسرے روز سہ پہر کو میں تنہا سارے دن کی سرگردانی کے بعد واپس ہو رہا تھا..... ابھی گھبراہٹاً دو میل پر ہوگا کہ میں نے پہاڑ کی بلندی پر سے نیچے نظر کی..... وہ راستہ جو بیرکنڈ سے گھبرا آتا ہے نظر آ رہا تھا اور اس پر دو نیل گاڑیاں گھبرا کی طرف آرہی تھیں..... میں اس راستے سے تقریباً تین سو گز پر تھا..... میں جانتا تھا کہ وہ راستہ ذرا ہی دور پر گھنے تناور درختوں کے سائے میں ہو جاتا ہے اور مجھے نظر نہیں آئے گا..... لیکن ان

میں اگر تیز رفتاری سے نیچے اترتا تو خود میں اسے بہ آسانی نظر آ جاتا..... اور اگر اسی طرح خاموشی سے اترتا تو.....

لیکن..... میں نے سوچا اگر میں کوئی سوگزر پر چھپ جاؤں..... اور ان لوگوں کو آنے دوں..... تاکہ شیر اس آدمی پر حملہ کرے..... اس وقت میں شیر کو مار دوں.....! بہت بڑا خطرہ مول لینے والی بات تھی..... یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ شیر کس رخ اور کس سرعت سے حملہ کرے گا..... جانور کا معاملہ نہیں تھا..... انسانی جان کا موقع تھا.....

بارہا ایسا ہوا کہ میں نے شیر کے شکار کیے لیے مچان بندھوایا..... درخت سے ذرا فاصلے پر جانور باندھا گیا..... لیکن بہت کم ایسا ہوا ہے کہ جانور کو بچانے میں کامیاب ہوا..... ہمیشہ شیر اس وقت مارا جائے گا جب اس نے جانور کا کام بھی تمام کر دیا تھا..... شیر نالے کے اندر اترتا تھا..... دیہاتی پر حملہ کرنے کے لیے اسے بہ آسانی نالے میں سے نکل کر اوپر آنا ہوتا..... پھر..... یا تو زبردست دھاڑ..... اور حملہ..... یا نہایت خاموشی سے آدمی کو پکڑ کر لے بھاگتا..... آخری طریقے کی توقع زیادہ تھی اس لیے کہ آدم خور شیر بالعموم حملے کے وقت آواز نہیں کرتے..... میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا تھا کہ شیر کے نالے میں سے نکلنے اور حملہ کرنے کے دوران مجھے کم از کم دو فائر کرنے کا نہایت عمدہ موقع مل سکتا تھا..... اور وہ بھی..... سوگزر..... یا اس سے بھی کم فاصلے سے.....

سب کچھ صحیح تھا..... اور حتی الامکان تیزی سے جنوب مغرب کے رخ درختوں اور جھاڑیوں کی آڑ لے کر اترنا شروع کیا..... دس منٹ کے اندر ہی میں نیچے اتر آیا..... ابھی گاڑیاں وہاں نہیں پہنچی تھیں.....!

میں نے سوچا.....

کیوں نہ میں خود اس راستے پر چلوں اور شیر مجھ پر حملہ کرے.....!

یہ تو بالکل اقدام خودکشی ہوتا..... اور مجھے اس قسم کا خیال ہرگز نہیں تھا.....! میں واپس گاڑیوں کی طرف چلا..... اور اسی وقت میری چھٹی حس جاگ اٹھی..... میں تیزی سے اپنی جگہ سے ہٹا..... اور دائیں جانب ایک چٹان کے قریب ہو گیا..... اور عقب کی طرف دیکھنے لگا..... گاڑی کا راستہ تو صاف تھا..... لیکن.....!؟ خدا کی پناہ..... صرف پندرہ گز کے فاصلے پر ایک جھاڑی میں شیر غائب ہوتا نظر آیا..... صرف پندرہ گز پر..... گویا یقینی موت..... صرف پندرہ گز پر.....! میں نے رائفل سیدھی کر لی..... پھر خیال آیا.....

کہیں ایسا تو نہیں..... شیر بھی گاڑیوں کی طرف ہی جا رہا ہے..... لیکن یہ خیال درست نہیں تھا..... شیر کی بہترین تدبیر تو وہی تھی کہ وہ نالے میں چھپا رہتا اور گاڑی والوں کو اس موڑ پر سے گھومنے دیتا..... اس نے یقیناً مجھے دیکھ لیا اور پھر حملے کی نیت سے نالے سے نکل کر تعاقب میں آیا تھا..... تعجب یہ کہ اس نے حملہ نہیں کیا..... اور اس میں طرف وہ رائفل مانع تھی جو اس نے میرے ہاتھ میں دیکھ لی..... اور جس کے دھماکے سے وہ آشنا ہو گیا تھا..... اگر اس نے پندرہ گز سے ہی حملہ کر دیا ہوتا تو خدا جانے کا صورت ہوتی.....!

میں جہاں تھا وہیں پیش و پس سے گمراہ..... کھڑا رہا..... لیکن صرف چند ہی منٹ گزرے تھے کہ سامنے سے گاڑیاں آتی نظر آ گئیں..... جب میں نے اطراف کی جانب اچھی طرح دیکھ کر اطمینان کر لیا تو سامنے گاڑی کے راستے پر نکل آیا..... اس وقت گاڑی مجھ سے کوئی پچیس تیس گز پر رہی ہوگی..... گاڑی والے یکبارگی مجھے دیکھ کر یقیناً حیرت زدہ رہ گئے ہوں گے..... کیونکہ جہاں تھے وہیں رک گئے..... میں نے گھوم کر پیچھے دیکھا..... راستہ صاف تھا.....!

اور اس وقت اس طرف جدھر میں نے پندرہ گز پر شیر کو غائب ہوتے دیکھا تھا..... سو رکاز زبردست نعرہ..... پھر شیر کی دھاڑ..... اور جھاڑیوں میں زبردست

تھا۔

کیرالہ کے ایک مسلمان میرے ساتھ ابوظہبی کے انگریزی اخبار EMIRATES NEWS میں بھی کام کرتے تھے۔ ان کا نام جلیل تھا۔ بہت نمازی اور دیندار شخص تھے۔ وہ بتاتے تھے کہ ملیالم زبان میں قرآن پاک کے تراجم۔ تفاسیر۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے تراجم اور دوسری تمام علمی و ادبی کتب قدیم زبانوں سے لکھی جاتی رہی ہیں اور اب بھی بکثرت ہوتی اور لکھی جا رہی ہیں۔ ملیالم میرے نہ صرف مدارس بلکہ یونیورسٹی تک کی تعلیم ہوتی ہے۔

موسیقی۔۔۔ مجھے دلچسپی ہے۔ اور دنیا کے مختلف ممالک کی موسیقی میں سنتا رہا ہوں۔ جہانگرد ہوں اس لیے ہر ملک میں کچھ نہ کچھ موسیقی کا سامان ہو جاتا ہے۔ مجھے ملیالم کی خالص دیسی موسیقی سے قطعاً دلچسپی نہیں ہوئی۔ اسی طرح کوریانی، جاپانی، اور چینی موسیقی میں مجھے دلچسپی نہیں ہے۔

خیر۔۔۔!

وہ زخمی شخص بڑی تکلیف میں تھا۔ میں نے ان سے پوچھنا چاہا لیکن مشکل زبان کی تھی۔ تاہم ایک شخص نے اشاروں اور الفاظ کی مشرتکہ کوشش سے یہ سمجھا دیا کہ اسے شیر نے زخمی کیا ہے۔ اور وہ لوگ اسے بلہار شاہ ہسپتال لے جا رہے تھے۔ راستے میں دیر ہو گئی گاڑی کا دھرا ٹوٹ گیا دوسرا دھرنائے اور بدلنے میں بڑا وقت لگ گیا۔

زخمی شخص۔۔۔ گزشتہ روز اپنے کھیت میں کام کر رہا تھا۔ تین چار آدمی ساتھ تھے۔ یہ شخص کسی ضرورت سے قریب ہی جھاڑی میں گیا۔ اور شیر اس پر چڑھ دوڑا۔ غالباً شیر وہاں ان پر تاک لگائے بیٹھا رہا ہوگا۔ اچھا یہ ہوا کہ اس کے ساتھی بلم برچھے لے کر دوڑ پڑے اور شیر اس کو چھوڑ کر بھاگ لیا۔ لیکن اتنے ہی عرصے میں اس نے زخمی کو ایک بار تو شانے کے نیچے اس طرح پکڑا کہ پورا شانہ منہ میں تھا دانت

انتشار و اختلال۔۔۔ ایک ہنگامہ برپا ہو گیا پھر ایسا معلوم ہوا جیسے کئی سور ہوں۔ ایسا غل غپاڑا تھا۔۔۔ میں اسی طرف رخ کیے اگلے قدموں گاڑیوں کی طرف پسپا ہوا۔ میں چاہتا تھا فاصلہ ذرا زیادہ ہو جائے۔۔۔ نجانے یہ سور کہاں سے اس جگہ نکل آئے کہ شیر کو گھیر ہی لیا۔ شیر کے مسلسل غرانے اور دھاڑنے کی آوازیں آتی رہیں پھر جیسے کوئی سور بد حال ہو گیا۔ سور جب زخمی اور ناکارہ ہوتا ہے یا جنگ میں شکست کھاتا ہے تو بڑی دردناک قسم کی آواز سے چیں چیں کرتا ہے جیسے رو رہا ہو اور ساتھ ہی ہنگامہ ختم۔ شیر کے غرانے کی آواز دو ایک بار آئی۔ وہ بھی نالے کی طرف سے اور میں نے یہی طے کیا کہ وہ اس فساد سے اکتا کر چلتا پھرتا نظر آیا۔

گاڑیوں کے ساتھ سات آدمیوں کا قافلہ تھا۔ سب نے قریب آ کر فردا فردا میرے پاؤں چھوئے اور لاکھ منع کرنے کے باوجود ایسا کیا۔ مجھے اس سے بڑی وحشت ہوتی ہے مگر ان علاقوں کا رواج ہی یہی ہے۔

وہ لوگ اردو قطعاً نہیں بولتے تھے نہ سمجھتے تھے۔ لیکن میں جب گاڑی کے پاس آ گیا تو حال کھلا۔ گاڑی میں ایک شدید زخمی شخص چادروں میں لپٹا پڑا تھا۔ وہ لوگ سب ہی غالباً اس کا حال مجھے سنانے کی کوشش میں تھے لیکن مجھے کنٹری قطعی نہیں آتی۔

غالباً جنوبی ہند میں بولی جانے والی ساری علاقائی زبانوں میں کنٹری سب سے مشکل زبان ہے۔ اس کے قریب قریب ہی تلگو۔ اور اس کے بعد ملیالم۔ جو تالم ناڈو میں بولی جاتی ہے۔ ملیالم غالباً بہت قدیم زبان ہے اور جنوب مغربی ہندوستان کی بہت بڑی آبادی یہ زبان بولتی ہے۔ لیکن تعجب خیز یہ کہ ملیالم ایک بہت ترقی پذیر زبان ہے۔ میں جن دنوں ابوظہبی گورنمنٹ کالج میں کوآپریٹو سوسائٹی کا کمرشل مینجر تھا ان دنوں میرے ماتحت کئی لوگ کیرالہ کے تھے۔ اور یہ سب تامل بولتے تھے۔ میں نے اس سے بعض الفاظ سیکھ لیے تھے جن کا تلفظ ہی بہت مشکل



”یہ بات نہیں میرے بھائی..... مجھے خود اپنے پر اعتماد نہیں.....“  
 ”کیا مطلب ہیگا.....؟“

”بس کچھ ایسا ہی ہے..... میں تم سے درخواست کرتا ہوں برادر کہ تم گاؤں میں رہو..... لوگوں کے ساتھ..... تاکہ ان کی حفاظت بھی کر سکو..... شیر کسی وقت بھی گاؤں میں آ سکتا ہے.....“

عظمت میاں بہت سیدھے آدمی تھے اور مجھ پر ان کا اعتماد بھی انتہا کا تھا..... میرے چکے میں آ گئے..... یہ بات نہیں تھی کہ عظمت میاں شکاری نہیں تھے..... بہت اچھے شکاری..... نہایت عمدہ نشانہ..... بس فائر فوری نہیں کر سکتے تھے..... انتہائی سخت غلٹ میں شدید ضرورت کے باوجود نشانہ لینے میں دیر کرتے تھے یہ ان کی طبیعت کا تقاضا تھا..... اور کوشش کے باوجود وہ اس کوتاہی پر قابو نہیں پاسکے.....

شیر..... وہ بھی آدم خور..... اور اس کی چالاکی اور خونخواری کا حال کچھ صفحات میں بیان ہوا..... اگر وہ حملہ کر بیٹھا اور میری جگہ عظمت میاں صاحب ہوتے تو..... خدا کی پناہ..... نجانے کیا ہوتا..... ویسے واقعہ یوں بھی ہے کہ اتنے قریب سے شیر کے حملے کی صورت میں نجانے میں بھی کچھ کر سکتا کہ نہیں..... اللہ تعالیٰ ہی حفاظت کرتا ہے.....! میں ناشتے سے فارغ ہو کر تنہا ہی نکلا..... دوپہر کے کھانے کا سامان ساتھ تھا..... اس روز پان کی طلب بھی تھی..... لیکن میں نے چھالہ کتھہ اور چونہ اور الاچکی لوگ کھا کر کام چلایا..... یہ بتا دینا ضروری ہے کہ پان اور اس سے متعلقہ اشیاء کا استعمال شیر کے شکار میں تو جائز ہے..... لیکن اور کسی جانور کے شکار میں ان کا استعمال قطعاً ممنوع ہے..... لوگ اور الاچکی بہت تیز خوشبودار چیزیں ہیں..... اور ایسی جن سے جنگلی جانور قطعاً نا آشنا ہوتے ہیں..... ان کی خوشبو ان کو بھگانے یا ہوشیار کرنے میں نہایت کارآمد ہو سکتی ہے شکار میں نہیں.....!

بلہار شا میں پان ملتے تھے اور میں لایا بھی تھا جو ختم ہو گئے..... گبھا کے چار

سینے سے گھسے..... پشت پر بھی دو بڑے دانت گھس گئے تھے..... دوبارہ ران سے پکڑ اور ایک جھٹکا دیا..... ران کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی.....

غالباً خون بہت نکل گیا تھا..... جس وقت میں نے زخمی کا معائنہ کیا اس وقت تو خون رک چکا تھا لیکن زخمی کو نقاہت بہت تھی..... میں عظمت میاں کے ملازمین سے مرغ کا سوپ بنوا کر اس کو پلایا..... اس کے زخم گہرے تھے..... اور خراب ہونے کا اندیشہ تھا..... درد بھی بہت تھا..... میں نے اس کو اسپرین کھلائی..... اور زخموں کو اچھی طرح پانی سے صاف کر کے اس پر دوا لگا دی تاکہ جراثیم اور خرابی سے فی الوقت محفوظ رہیں..... ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی..... بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ شیر نے چبا کر توڑ دی تھی..... اس کو دونوں طرف سے لکڑیاں رکھ کر باندھ دیا..... اس نے رات نسبتاً آرام سے گزاری..... صبح روائگی سے پہلے میں نے اس کو ایک بار پھر مرغ کا سوپ پلوایا..... زخموں پر مزید دوا لگا کر پٹیاں باندھ دیں..... اور اسپرین کھلا دی..... میں اس کے لیے اتنا ہی کچھ کر سکتا تھا..... اس کے ساتھی اسے گاڑی میں ڈال کر بلہار شا کی طرف چلے گئے میں نے ان کو حفاظتی تدابیر کی ہدایت بھی دے دی تھیں.....

ان کی روائگی کے بعد میں نے اور عظمت خاں نے مجلس مشاورت منعقد کی..... ہم لوگ کا متفقہ فیصلہ یہی تھا کہ فی الحال گبھا کو ہی مرکز بنائے رکھا جائے..... اس لیے کہ شیر اس علاقے میں زیادہ سرگرم عمل ہے..... گو اس نے بیر کنڈ میں ایک آدمی کو مجروح کر کے چھوڑ دیا تھا..... میرا خیال یہ تھا کہ اس علاقے میں چیتے تو کئی جوڑے تھے لیکن شیر نہیں تھا..... یہ واحد شیر اس سارے علاقے پر حکمران تھا اور بیر کنڈ سے گبھا تک کے علاقے میں گشت کرتا رہتا تھا.....

”میں بھی آج تمہارے ساتھ چلوں گا خاں.....“

میں نے ایک ذرا توقف کیا.....

”تم کو مجھ پر اطمینان نہیں ہے گا.....؟“

ہمراہ تھا..... انھوں نے اس طرح کا شکار پہلے نہیں دیکھا تھا..... سب کو اس تماشے سے دلچسپی ہوگی..... عظمت خاں گویا اس جلوس کے سربراہ تھے..... ہم تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد اس موڑ پر آ گئے جہاں شیر نے گاڑی والوں پر یا شاید مجھ پر تاک لگائی تھی..... برگد کے جس درخت کا میں نے تذکرہ کیا وہ گاڑی کے راستے سے کوئی بیس میس گز جنوب کی طرف تھا اور بہت تناور تھا.....

پہلے گاؤں کے دو آدمی بہ آسانی اس درخت پر چڑھے اور اچھی طرح دیکھ بھال لیا..... میں نے ان کو اشاروں سے درخت پر جا بجا جانے کو کہا..... آخر اس مطلوبہ جگہ کا تعین ہو گیا جہاں میں بیٹھنا مناسب سمجھتا تھا اور گاؤں سے جو ایک ٹوٹی کھنیا لائی گئی تھی وہ اسی جگہ شاخوں پر اچھی طرح جما کر رکھی گئی اور رسیوں سے باندھ دیا گیا..... نیل کو درخت سے کوئی چالیس گز کے فاصلے پر گاڑی کے راستے کے شمال میں پہاڑی کے دامن پر نالے کے اتصال کے قریب درخت کی ایک جڑ سے باندھ دیا گیا..... رسہ کافی لمبا تھا نہ تاکہ نیل ادھر ادھر حرکت کر سکے..... نہ گھاس کی کمی تھی نہ جھاڑیوں کی..... نیل کو مفت ضیافت اڑانے کی آزادی اس لیے ملی کہ اس کی رسائی چوڑی کی ان جھاڑیوں تک بھی تھی جو وہاں خوب پھل رہی تھیں..... نیل کو باندھنے سے پہلے پانی پلا دیا گیا..... اس کے بعد اس کو باندھ کر..... آدم خور کے حوالے کر دیا گیا..... میں نے بھی گاؤں والوں کے جلوس کے ساتھ واپسی کی..... اس لیے کہ میں دن کے وقت وہاں بیٹھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تھا..... وہ سارا دن میں نے باقسط سونے میں گزارا..... عصر کی نماز پڑھ کر میں تیار ہوا..... گاؤں کے چھ آدمی ساتھ ہوئے اور میں ڈیڑھ گھنٹے میں مطلوبہ مقام پر آ گیا..... لیکن نیل؟..... نیل تو غائب تھا.....!

..... اور نہ صرف نیل..... رسہ بھی غائب تھا..... مجھے ہی تعجب نہیں ہوا بلکہ دیہاتی بھی تعجب ہوئے اگر شیر اس کو مار کر لے جاتا تو کوئی نشان تو ہوتا..... اور شیر رسہ کھولتا

پانچ آدمی بلھار شاہ گئے ہوئے تھے ان کو عظمت خان نے کچھ روپے دیئے تھے کہ واپس میں پان لیتے آئیں..... وہ اس روز شام تک متوقع تھے..... اس روز مطلع کسی قدر ابر آلود تھا..... کبھی دھوپ نکل آتی کبھی بار آ جاتے..... میرا خیال تھا کہ شام تک یہ بادل جمع ہو کر بارش کا باعث بننے لگیں گے..... ان جنگلوں میں بارش ہو جائے تو زمین نم ہو کر بعض مقامات پر تکلیف دہ بن جاتی ہے..... گاؤں میں تو کچھ سے بڑی ہی اذیت ہوتی ہے..... لیکن گبھا پہاڑی علاقہ اور بجری کی زمین تھی اس لیے کچر کا اندیشہ نہیں تھا.....

پھر وہی پہاڑ..... ندیاں..... نالے..... گھاٹیاں..... اور شام کو ناکام واپسی..... تمام دن کی مختصر داستان یہی تھی.....

شام کو بادل خوب گہرے ہو گئے ہوا میں خنکی بھی زیادہ ہوگی..... اس روز میں نے عظمت میاں کے ایک گارے کے انتظام کی تجویز پیش کی شیر کمزور تھا نہ بوڑھا..... جانور کی طرف اس کی توجہ نہ ہونے کی وجہ کوئی نہیں تھی.....!

”کہاں بندھو آؤ..... گے خاں.....“

”میرے خیال میں وہی گاڑی کا راستہ.....“

”موڑ کے پاس.....؟“

”ہاں..... میں نے وہاں برگد کا ایک درخت دیکھا ہے جو میرے بیٹھنے کے لیے اچھا رہے گا..... وہاں سے موڑ تک تقریباً چالیس پچاس گز جگہ صاف نظر آتی ہے.....“

انھوں نے اپنے آدمی کو ہدایت کر دی کہ گاؤں میں کوئی قابل فروخت جانور تلاش کر کے قیمت بتائے..... ذرا ہی دیر میں ایک کھنڈا نیل مل گیا..... جس کے عظمت میاں نے پندرہ روپے بھی فوراً ادا کر دیئے.....

دوسرے روز صبح میں گاؤں سے اس طرح چلا کہ ایک جلوس نیل کو ساتھ لیے

صبح ہم ناشتے سے فارغ ہو کر چائے پی رہے تھے کہ وہ آدمی جس نے نیل فروخت کیا تھا اس کو دو آدمی بمشکل لے کر آئے..... نہایت برا فروختہ تھا.....

”کیا بات ہے.....؟“

عظمت نے گرج کر پوچھا..... ان کی آواز بڑی گرجدار..... اور لہجہ اکثر ایسے موقعوں پر نہایت جاگیردارانہ ہو جایا کرتا تھا.....

”سرکار..... یہ کچھ نہیں بتاتا.....“

”اچھا.....“

عظمت اٹھ کر دو قدم اس کی طرف بڑھے..... اس بیوقوف دیہاتی کی یہ ہمت کہ ان کو بڑھتے دیکھ کر نہایت مضحک انداز سے ہنسا.....

بس عظمت خاں کو جاگیردارانہ جلال آ ہی گیا..... قریب پڑا ہوا ایک ڈنڈا اٹھا کر انھوں نے جو اس کی پٹائی شروع کی ہے تو اللہ دے اور بندہ لے..... اس کے تو خواب و خیال میں نہیں تھا کہ عظمت میاں..... جن کو اس نے احمق شہری بابو سمجھا تھا..... اس قدر طاقتور اور ایسے خونخوار ثابت ہوں گے دو منٹ میں ہی وہ چسپ بول گیا..... اور رو کر اور چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھالیا..... ہاتھ جوڑے..... قدموں پر سر رکھا..... اور نجانے کس کس طرح گڑ گڑایا..... بھاگنے کی کوشش کی تو عظمت نے لنگڑی اڑا کر گرا دیا..... آخر عظمت میاں نے ہاتھ روکا.....

”پوچھو اس سے نیل کہاں گیا.....؟“ ان کی آنکھوں میں واقعی خون اتر آیا تھا جیسے اس نے آنسوؤں ہچکیوں التجاؤں اور نجانے کس کس کو اس کے ساتھ جو کچھ اپنی زبان میں بتایا اس کا ترجمہ یہ تھا کہ نیل کو اس کا ایک رشتے دار وہاں سے چار میل شمال مغرب کی چند گھروں کی آبادی کو اڑا لے گیا..... خود اسی نے یہ پلان بنایا کہ بیٹے بھی وصول کر لے اور نیل بھی غائب کر دے اس کو یہ خیال تھا کہ ہم اس کو شیر کی زکرت سمجھیں گے.....

کس طرح.....

میں نے اس جگہ کا اچھی طرح جائزہ لیا..... شیر کا کوئی نشان نہیں تھا..... یقیناً کسی نے رے کی گرہ کھولی اور نیل لے گیا..... اور..... یہ کام کسی انسان کا ہی ہو سکتا ہے.....

ہم لوگ جس وقت گاؤں واپس آ رہے تھے..... اسی دوران بوندا باندی شروع ہو گئی اور بادل گہرے ہو رہے تھے.....

گاؤں میں نیل کی گمشدگی کی خبر نے سب ہی کو حیران کیا.....

”عظمت میاں..... کیا خیال ہے.....؟“

”عظمت میاں ذرا دیر سوچتے رہے.....“

”خاں..... یہ تو کسی کی حرکت ہیگی..... اپن پتہ کر ہی لیں گے.....“

انھوں نے اپنے آدمی کو بلایا.....

”تم جا کے پتہ کرو..... نیل کس نے بیچا تھا.....“

”اس گاؤں کا آدمی تھا.....“

”اس سے پتہ کرو..... اور اگر نہ بتائے تو اس کو دھمکاؤ.....“

”لیکن اسے کیا معلوم ہوگا.....!“ میں نے دخل دیا

”خاں.....“ عظمت بولے ”تم شکاری تو پکے ہو گے..... مگر میر

جاگیردار ہوں گا..... مجھے ان کے کل پرزے کا پتہ ہے گا.....“

میں چپ ہو رہا.....

بہر حال..... شام تو ہو ہی گئی..... اور بارش بھی زیادہ ہونے لگی..... ہم لوگ

گمشدگی کے مسئلے کے بارے میں سوچتے رہے..... بلکہ شاید عظمت کے علاوہ اور سب

سوچتے رہے..... عظمت سے جب اس کی بات کی ان کی جبین پر شکن ہو گئی..... ان

یقین تھا کہ نیل دستیاب ہو جائے گا.....

”اس سے کہو گویا جائے اور نیل لے کر آئے..... اور فوراً اور نہ جہاں یہ جا رہے ہیں آکر اس کی ہڈیاں توڑ دوں گا.....“

آدمی نے ویسے ہی ترجمہ کر دیا..... اور اس خبیث نے ہاتھ جوڑ کر اور قدموں میں سر رکھ کر وعدہ کیا کہ جلدی ہی لے کر آئے گا.....

گاؤں والوں نے یہ جلال اور پٹائی دیکھی تو سارے ہی سہم گئے..... ایک آدمی نے اپنی پرانی بیکار گھوڑی لا کر پیش کی جو نہایت لاغر بھی تھی..... کو تاہ قدر بھی..... اور اس کی پیٹھ پر گہرے زخم تھے جن پر کھیاں بھنک رہی تھیں..... میں نے اس کو بیس روپیے بھی دے دئے اور گھوڑی لے لی..... اگرچہ وہ منت دینا چاہتا تھا.....

”اب وہ اس کا اپن کیا کریں گے..... خاں.....؟“ عظمت نے پوچھا  
”اس کو باندھیں گے گارے کے لیے.....“

بالعموم شیر گھوڑے پر حملہ نہیں کرتا..... شاید اس کی تیز رفتاری یا بلند قامتی کے وجہ سے..... لیکن یہ زخمی گھوڑی تو قدر میں گدھے کے برابر ہی تھی.....

دو پہر کو اسے کھلا پلا کر وہیں باندھا گیا جہاں نیل بندھا تھا..... اور ابھی ہم لوگ گاؤں واپس آ رہے تھے کہ وہ چور اپنا نیل لے کر بھی آ گیا.....

اس نیل کے میں نے گاؤں سے ذرا دور مشرق کی جانب جنگل کے عین وسط میں جہاں ایک کشادہ میدان تھا بندھوا دیا..... اسی کے قریب درخت پر عظمت میاں بمعہ اپنے دو عدد ملازمین کے بیٹھے..... نہ معلوم انھوں نے یہ منصوبہ کب بنالیا مجھے نہیں بتایا کہ شاید میں اجازت نہ دوں.....

ان کو درخت پر محفوظ بٹھانے اور تاکید کر دینے کے بعد کہ شام کے بعد وہ قدم درخت سے نیچے نہ رکھیں میں چار پانچ دیہاتیوں کو ساتھ لے کر اس جگہ آیا جہاں گھوڑی بندی تھی..... اور بہ آرام چان پر بیٹھ گیا..... تھمرس میں چائے تھی وہ ساتھ کی شاخ پر لٹکا دیا..... میں سردیوں میں ساتھ کھل وغیرہ نہیں رکھتا..... اس لیے کہ میرا شکاری لباس خود

خوب گرم ہے..... تھوڑی ٹھنڈک محسوس ہوتی رہے تو نیند دور رہتی ہے..... اچھی طرح گرم ہو جانے کا مطلب ہے کہ نیند آ جائے.....

میرے درخت پر بیٹھ جانے کے بعد دیہاتی میری ہدایت کے مطابق ہلکی آواز میں باتیں کرتے گاؤں کی طرف واپس ہو گئے.....

اب میں تھا اور اس جنگل کا سناٹا..... وہ سکوت جو زندہ تو ضرور ہوتا ہے..... ہوتا تو ضرور رہتا ہے لیکن وہ آوازیں صرف شکاری ہی سن اور سمجھ سکتا ہے..... ایک عام شخص کو ان کا احساس نہیں ہوتا اس لیے کہ جنگل کی آوازیں اس کے ماحول میں اس قدر گھٹی ملی ہوئی ہیں کہ ان کو اس فضا سے جدا کر کے سننا اور سمجھنا ممکن نہیں ہوتا..... الا یہ کہ سماعت و ہوش کو ان کا تجربہ کرنے کی عادت ہو.....!

میں سن رہا تھا کہ ایک ننھا منانڈا..... اپنے پیروں کو رگڑ کر وہ مسحور کن آواز کر رہا ہے جو اس کی محبوبہ کو کچے دھاگے میں باندھ کر کھینچ لائے گی.....

میں اس جھینگڑی کی آواز بھی سن رہا تھا جو اسی برگد کے درخت کی نزدیکی شاخ پر گیت گارہا تھا..... مجھے اس گہرے کی بھی خبر تھی جو کسی غذائی مواد کا گولا بنا کر لڑھکا رہا تھا.....

میری سماعت میں اس ننھی چڑیا کا گیت بھی نغمہ بن کر آ رہا تھا جو کہیں دور پر لوٹی راگ الاپ رہی تھی میں بالکل بے خیال..... بے فکر..... اور اطمینان کے حال میں پلنگڑی کی تنگ مچان پر بیٹھا تھا..... رائفل گود میں رکھی تھی ہاتھ گرفت کے گرد..... گائی ٹریگر کے قریب..... نظر میں ہر جنبش کو دیکھنے اور تجربہ کرنے پر آمادہ..... سارا نور سر گرم عمل.....!

وہ وقت بہترین وقت تھا..... ساری کونین جیسے معدوم ہو گئی تھی..... نہ فکر نہ خیال، نہ تردد، نہ غم، نہ خوشی..... لہ یوں کہنا چاہیے کہ صرف خوشی ہی خوشی تھی..... سکون..... سکوت اور سکون یہی وہ دو

رہے تھے جہاں ان کی شب گزاری کا انتظام تھا..... بندروں کو رات کے وقت بالخصوص ایسی محفوظ قیام گاہ کی ضرورت ہوتی ہے جہاں وہ بہ حفاظت رات گزار سکیں..... ان کا سب سے بڑا دشمن تو تیندوا ہوتا ہے جس کے لیے درخت پر نقل و حرکت آسان ہوتی ہے.....

انسان کو اطمینان اور سکون کی دولت کم ہی میسر آتی ہے..... جو بھوکا ننگا ہے وہ بھی پریشان و مضطرب اور جو متول ہے وہ بھی..... سکون کسی کو میسر نہیں..... الا اس کے جو دنیا سے جہاں کا حلا بے نیاز ہو چکا ہو..... یا وہ شخص جو اپنے حالات سے سمجھوتہ کر کے قانع ہو گیا ہو.....

قناعت ہر شخص کی صفات میں شامل نہیں ہوتی..... کچھ ایسے متحمل صابر اور نوی الاعصاب لوگ ہوتے ہیں جو حالات کی نامساعدگی کا مقابلہ کر کے ان پر قابو پا لیتے ہیں اور اس مقام پر رسائی کے بعد پھر ان کے سکون میں کوئی خلل نہیں ڈال سکتا..... نئی اور نرمی دونوں ان کے اختیار میں ہوتے ہیں..... دوسرا اگر وہ جو قناعت کی صفت رکھتا ہے وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر مکمل یقین اور اعتماد رکھتا ہے..... اور اللہ تعالیٰ سبحانہ کی نایات و نوازشات ان کے دل و دماغ کو وہ تسکین اور اطمینان عطا فرماتی ہیں کہ پھر ان کے لئے افکار کا لشکر بھی ہیج ہوتا ہے.....

میں جس جگہ بیٹھا تھا اس کے گرد شاخوں کو ادھر ادھر ہٹا کر ایسی مناسب آڑ بنا لی گئی تھی کہ میں بالکل صاف نظر نہیں آ سکتا تھا..... یہ اس لیے بھی ضروری ہوتا ہے کہ مجھے تھوڑی بہت حرکت کی اجازت رہے..... سارا وقت دیوار بن کر تو کوئی نہیں بیٹھ سکتا..... البتہ چمان پر بیٹھ کر حرکات میں احتیاط بھی ضروری ہے اور کم از کم حرکت کرنا..... مسلسل جنبش تو کسی جانور کو بھی متوجہ کر سکتی ہے.....

امریکہ میں مختلف جانوروں کے شکار میں مجھے اکثر چمان (STAND) پر بیٹھا پڑتا ہے جس کا یہاں عام رواج ہے..... میں دیکھتا ہوں کہ وہ امریکن جو شوق شکار

قیمتی اجناس ہیں جو ہمیں زندگی کے مختلف ادوار میں بمشکل ہی نصیب ہوتی ہیں..... لیکن وہ سکون کے لمحات جو میں چمان پر گزار رہا تھا ان کی کیفیت کا اندازہ کسی کو نہیں سکتا..... وہ لمحات ایسے بیش قیمت تھے کہ اگر ان کی کیفیت کا کسی کو اندازہ ہو جائے تو اپنی ساری کائنات دے کر ان لمحات کا فراغ حاصل کرے.....

ذہن، اعصاب، جسم، سب کامل اطمینان کی حالت میں تھے.....! خامی الذہن ہونا بھی ایک نعمت الہی ہے..... میں قطعاً خامی الذہن تھا..... کوئی خیال ہی نہیں تھا..... نہ میں کچھ سوچ رہا تھا..... نہ وہاں بیٹھ کر سوچنے کی ضرورت تھی.....

ہوا بہت خوشگوار تھی.....! بادل خوب گہرے ہو گئے تھے..... جنگل میں تھوڑی بارش ہو کر رک جائے مٹی سے ایسی سوندھی معطر خوشبو اٹھتی ہے جو روح کو فرحت اور ذہن کو مسرت پہنچا ہے..... سارا ماحول اس سوندھی سوندھی خوشبو میں بسا ہوا تھا درخت..... بارش میں نہا کر ایسے نکھر آئے تھے کہ ان کو دیکھ کر ہی نظروں کو فرحت ہوتی تھی..... بعض بعض جگہ پر خوش رنگ جنگلی پھول اس ماحول کی رنگینی میں اور اضافہ کر رہا ہو.....

نگاہوں کے سامنے پہاڑیوں کے وہ نشیب و فراز تھے جو تصویروں میں لگتے ہیں لیکن اپنی اصل حالت میں عام طور سے نظر انداز ہو جاتے ہیں..... البتہ ان دیکھنے اور ان کے حسن کا اندازہ کرنے کے لیے نگاہ خوب میں ہونا چاہیے..... ان علاقوں کی مٹی لال ہوتی ہے..... اکثر پتھر بھی اسی رنگ کے ہو ہیں..... سامنے جو بلند و بالا پہاڑ تھے ان میں جا بجا ہرے بھرے درخت تو تھے ہی..... جہاں کہیں درخت اور سبزہ نہیں تھا وہاں سرخ یا کالی بڑکی بڑی بڑی چٹانیں سر ابھار جھانک رہی تھیں.....

لال منہ کے بندر کا ایک قبیلہ اس طرف سے گزرا..... غالباً وہ اس طرف

اب پاکستان میں انسانوں کا شکار کھیلا جاتا ہے..... دنیا کا سب سے برا شکار.....!

جنگل کی شام بڑی حسین ہوتی ہے..... یا ممکن ہے صرف مجھ کو حسین معلوم ہوتی ہو..... اسی طرح صبح بھی بہت دلکش ہوتی ہے..... صبح تو سبھی کو حسین معلوم ہوتی ہے بشرطیکہ کسی کو صبح بیدار ہونے کی عادت بھی ہو..... امریکہ میں تو خصوصاً صبح بیداری کا رواج نہیں.....

حیرت کی بات ہے..... ایک دفعہ کسی سے گفتگو ہو رہی تھی..... مچھلی کے شکار پر جانے کا پروگرام بن رہا تھا..... میں نے اپنے دوست سے پوچھا.....  
”صبح کس وقت روانگی ہوگی.....؟“

”بہت جلدی..... Early morning.....“

میری لفظ میں ارلی مارننگ کے معنی ہیں علی الصباح..... جس کی معنی ہیں سورج نکلنے کا وقت بلکہ اس سے قبل جسے صبح کا ذب کہا جاتا ہے.....

”کس وقت..... پانچ بجے..... چھ بجے.....؟“

”نہیں نہیں.....“ اس نے گھبرا کر کہا..... ”آٹھ بجے کے قریب“

گو یا آٹھ بجے کا وقت امریکی لوگوں کے لیے ارلی مارننگ کا وقت ہوا.....

بھگدند..... امریکہ میں بھی میری صبح خیزی کی عادت نہیں گئی..... پانچ بجے کے قریب میں ہر روز اٹھتا ہوں..... ضروریات شاد..... اور شیوکر کے آدھ گھنٹے میں تیار ہو جاتا ہوں..... فجر کی نماز..... تلاوت اور کچھ دیر حدیث نبوی کے مطالعے کے بعد سات بجے میں دوبارہ بستر پر دراز ہو جاتا ہوں..... آدھا گھنٹہ ایک گھنٹہ پھر سونے کے بعد اٹھتا ہوں اور اپنی لائبریری میں آ بیٹھتا ہوں..... الحمد للہ.....

عروس شام اپنی ساری رعنائیوں کے ساتھ اس علاقے میں اتری..... اور رات کی خوابگاہ کی طرف گامزن ہو گئی جہاں..... شب رنگیں آغوش وا کئے اس کی منتظر

میں رائفلیں سنبھالے اور تاریخی جیکٹ پہنے ویرانوں میں جا کر جا بجا اسٹینڈ بناتے اور ان پر بیٹھتے ہیں وہ برابر متحرک رہتے ہیں..... اور بالآخر شکار میں ناکام ہو کر جاتے ہیں یہ فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ ان کی ناکامی میں ساکت نہ رہ سکنے کا عنصر بہت زیادہ ہوتا ہے.....

پاکستان میں اب کوئی ایسا شکار نہیں ہوتا جس کے لیے چپان یا اسٹینڈ کی ضرورت پڑے..... اب اس ملک میں شکار بھی کیا رہ گیا ہوگا..... جاگیرداروں اور زمینداروں کی بادشاہت اب بھی پاکستان میں قائم ہے..... رشوت اور افسر شاہی کا دور اب بھی ہے..... جس معاشرے میں کوئی انسانی زندگی اور بقا و فلاح کا ذمہ دار اور محاذ نہ ہو وہاں جانوروں کی پرواہ کسے ہوگی..... اور شکار کس طرح باقی رہ سکتا ہے..... پاکستان قوم زندہ قوم ہے..... انسانوں کو شکار کرتی ہے..... جانوروں کی ضرورت بھی ا

میں نے ایک عرصہ گزرا ایک کتاب دیکھی..... غالباً ارنسٹ ہلنگ وے ا تھی..... اس میں ایک ایسے شکاری کی داستان تھی جس نے ساری دنیا میں ہر قسم کا شکار کیا تھا اور آخر میں ایک چھوٹے سے جزیرے میں مقیم ہو گیا..... وہ جزیرہ کچھ ایسا چٹانوں اور پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا جو زیر آب تھیں..... جو جہاز اس طرف آ جاتا ان چٹانوں میں غرقاب پہاریوں سے ٹکرا کر تباہ ہو جاتا اور جو انسان بچکر جزیرے آ جاتے تھے ان کو وہ شکاری قید کر لیتا..... پھر یہ پیشکش کرتا کہ ان کو اس شرط پر چھوڑا جاسکتا ہے کہ وہ..... اس جیسے عظیم شکاری سے بچ کر نکل جائیں..... جو راضی ہوتا اس کو جنگل میں رہا کر دیتا پھر اس کو اس طرح تلاش کرتا جس طرح قابل شکار جانوروں تلاش کیا جاتا ہے..... اور بالآخر اپنے شکار کے تجربے اور مہارت کے پیش نظر تلاش کے ہلاک کر دیتا..... آخر کا ایک ایسا شخص بھی پھنس گیا جو اس سے زیادہ چالاک ثابت ہوا اور اس نے اس ظالم شکاری کو ہلاک کیا.....



تھی.....

جہاں گھوڑی بندھتی تھی ادھر سے بہت کم جانور گزرے..... بندروں کے اس جھتے کے بعد جن کا میں نے تذکرہ کیا پھر دو ایک گیدڑ ضرور گزرے..... اس کے بعد..... سناٹا ہو گیا..... سناٹا تو میں نے اصطلاحاً کہا ہے ورنہ جنگل میں کامل سکوت تو کسی وقت نہیں ہوتا..... کم از کم جھینگر ہی بولتے رہتے ہیں..... پانی نزدیک ہو تو مینڈک گانے گاتے ہیں.....

اس وقت تو ابھی دیر میں بسیرا کرنے والے پرندوں کا نغمہ بھی ختم نہیں ہوا تھا..... تعجب تو یہ کہ میں جس درخت پر بیٹھا تھا اس پر بھی مختلف قسم کے کئی پرندوں نے اڈے جما لیے تھے اور مجھ کو قطعاً نظر انداز کر دیا تھا..... اگرچہ مجھے یقین تھا کہ ان پرندوں نے مجھ کو ضرور دیکھا ہوگا.....

اندھیرا..... سارے ماحول کو سیاہ پوش کرنے پر آمادہ تھا..... اس وقت رائفل کے زبردست دھماکے نے مجھے چونکا دیا..... عظمت خاں جہاں بیٹھایا تھا وہ جگہ ایک میل سے زائد فاصلے پر تھی..... لیکن پہاڑوں میں آواز خوب گھونچتی ہے اور ویرانوں میں رائفل کا فائر بہت دور سے سنا جاسکتا ہے..... عظمت نے ہی فائر کیا.....!!؟

لیکن ان کے فائر کی وجہ.....؟

کیا شیر ادھر آیا.....؟

یقیناً ایسا ہی ہوگا..... شیر کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے..... عظمت ایسے اناڑی نہیں تھے کہ بلا سبب فائر کرنے لگتے.....

دبے دبے شور کی آواز بھی آئی..... عظمت میاں کے ساتھ تین آدمی اور بھی درخت پر بیٹھے تھے..... انھیں کی آوازیں ہوں گی..... لیکن اتنے فاصلے سے آنے والی



شمالی امریکہ کے پتھر لیے علاقوں میں پایا جانے والا نہایت زہریلا سانپ رٹلر (Rattler)

صبح ہونے لگتی ہے تو نیند کا زبردست غلبہ ہو جاتا ہے..... لیکن..... ابھی پوری طرح روشنی نہیں ہوئی تھی کہ میں نے اپنی جگہ سے حرکت کی..... پہلے اچھی طرح اطمینان کیا کہ آس پاس وہ موذی..... یا کوئی اور طرہ تو نہیں..... اس کام میں تھوڑا وقت لگا..... اپنی رائفل رسی میں باندھ کر نیچے لٹکانی اور رسی نیچے گرا دی..... اس کے بعد خود اترنا شروع کیا..... ابھی میں ایک شاخ سے دوسری شاخ پر ہی آیا تھا کہ میرے درخت سے کوئی پچاس ساٹھ گز پر..... گاڑی کے راستے سے قریب..... جھاڑی میں سے شیر نے سر نکالا..... اور میں اپنی جگہ..... گویا منجمد ہو کر رہ گیا.....

شیر نے ذرا دیر اطراف کا جائزہ لیا..... پھر اور باہر نکلا..... اب وہ بالکل سامنے تھا..... صرف ساٹھ گز پر..... صبح کی بڑھتی ہوئی روشنی میں اس کا سارا جسم مجھے صاف نظر آ رہا تھا..... نہایت صاف اور خوش رنگ کھال..... نہ کوئی داغ نہ دھبہ..... چاروں ہاتھ پیر صحیح و سالم..... میرے خیال میں وہ پختہ عمر کا صحت مند شیر تھا..... دم کا گچھا برابر جنبش میں تھا..... جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو..... اور نظریں سیدھی گھوڑی کی طرف تھیں جو شیر کی بوسونگہ کر بھاگنے کی تدبیریں کر رہی تھی اور رسد اس کو روکے تھا.....

اس نے ایک قدم بڑھا کر سر اوپر اٹھایا..... جیسے کچھ سونگنے کی کوشش کر رہا ہو..... شاید میری خوشبو کی کوئی موج پہنچی ہو لیکن گھوڑی کی بو اس سے زیادہ شدید رہی ہو گی جس نے شیر کو میرا خیال نہیں آنے دیا..... اور وہ ذرا سا چل کر ایک اور جھاڑی کے پاس رکا..... اور وہیں زمین پر بیٹھ گیا..... اب وہ تقریباً ترچھا تھا..... اور اس کا سارا سینہ..... شانے..... گردن اور سر ایسا صاف نشانے پر تھا کہ اگر فائر ہوتا تو گولی کا صحیح جگہ لگنا اتنا یقینی تھا جتنا.....

اب یہ کہ میرے پاس رائفل نہیں تھی.....!

اس وقت..... یہ کہنا غیر ضروری ہے..... میرا دل چاہا اپنا سر پیٹ لوں.....! میں درخت پر..... رائفل زمین پر.....!

آوازوں کے بارے میں کیا کہا جاسکتا تھا..... میں تو ان آوازوں کو ایسے سن رہا تھا جیسے کھیاں بھنبھنا رہی ہوں.....

آوازیں فوراً ہی موقوف ہو گئیں اور اس کے بعد خاموشی رہی.....!

میں مچان پر بیٹھا تھا..... بجز اس کے کہ کسی کی جان کو شیر سے خطرہ لاحق ہو..... میں اپنی مچان سے اترنے پر ہرگز آمادہ نہیں ہو سکتا تھا..... اور مجھے یقین تھا کہ خدا نخواستہ عظمت میاں کو اس قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا یقیناً ان کو شیر نظر آیا اور انھوں نے اس پر فائر کیا.....

لیکن اس اطمینان و یقین کے باوجود میری وہ رات جس اضطراب میں گزری اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے..... اور یہ خود میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں مضطرب کیوں ہوں..... فائر کی آواز نرالی بات نہیں تھی.....!

شکار کے ارادے سے..... مسلح ہو کر..... جو شخص گھر سے نکلتا ہے اور ویرانے یا جنگل میں وارد ہوتا ہے اس کے بارے میں سب کو یقین ہوتا ہے کہ بہادر ہے..... ہتھیار کے استعمال سے واقف ہے..... جنگل کے نشیب و فراز کو سمجھتا ہے اور اس قابل ہے کہ کسی اتفاق کی صورت میں نہ صرف اپنا دفاع کر سکے بلکہ دوسرے ساتھیوں کی حفاظت بھی کر سکے اور عقل سے کام لے..... نجانے کیوں مجھے عظمت میاں کی طرف سے اطمینان کبھی نہیں ہوا..... باوجودیکہ وہ ایک نہایت عقلمند مدبر یقین اور دور اندیش شخص ہیں..... بندوقوں کے استعمال سے واقف نہایت اچھا نشانہ..... شکار کا تجربہ..... لیکن..... مجھے ان کی طرف سے اطمینان کبھی نہیں ہوا.....

اب جبکہ وہ کینڈا میں اپنے فارم پر بدستور زمینداری کر رہے ہیں..... شکار تقریباً ترک ہی کر چکے..... ان کی مصروفیات بھی زیادہ ہیں..... اور عمر نے بھی ان کو اس قابل نہیں چھوڑا..... گو عمر میں مجھ سے دو سال چھوٹے ہی ہیں..... لیکن بعض لوگوں کا جسم جلدی جواب دینے لگتا ہے.....!

اور ستم بالائے ستم..... شیر اس جگہ بیٹھ کر گھوڑی پر نظریں جمائے رہا.....  
تا ایک ساڑھے آٹھ بجے دو گاؤں والے آوازیں کرتے آئے نظر آئے جو مجھے درخت  
سے اتارنے آئے تھے..... ان کی آوازیں سن کر شیر اٹھ کر جھاڑیوں کے درمیان خراماں  
خراماں چلتا پہاڑ کی طرف چلا گیا.....

گاؤں والے نزدیک آگئے تو میں نیچے اتر آیا..... رائفل اٹھا کر..... دل چاہا  
سر پر مار لوں..... پھر شانے پر لٹکا لی..... ایک آدمی درخت پر چڑھ کر تھمس وغیرہ اتار  
لایا..... اور ہم گاؤں کی طرف چلے.....

”رات کو فائر ہوا تھا.....“ میں نے پوچھا

وہ سب میری صورت دیکھتے رہ گئے..... اس لیے کہ اتفاق سے ایسے دیہاتی  
آئے تھے جو تلگو گے علاوہ اور کسی زبان کا ایک لفظ نہیں بول سکتے تھے.....  
میں نے اپنا رخ عظمت میاں کی شکار گاہ کی طرف کر دیا.....  
زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ وہ بھی بمعہ اپنے آدمیوں کے ادھر آتے نظر  
آئے..... اور مجھے دیکھتے ہی ہنسنے لگے  
”خیریت.....؟“

میں نے پوچھا

”اپن کا تو شکار ہو گیا خاں.....“

”اچھا..... مگر میں نے شیر تو صبح صبح سالم دیکھا.....“

وہ اور ہنسنے.....

”شیر سے کیا غرض ہیگی خاں.....“

اب ان کے ساتھی بھی دبی دبی ہنسی ہنسنے لگے.....

”پھر کیا ہوا.....؟“

میں نے پوچھا

”اپن نے تیل مار دیا.....“

”ہائیں..... اپنا تیل..... جو گارے کے لیے باندھا تھا.....؟“

”اور کیا..... ہے ناشکار.....“

میں پھر ہنس دیا..... اور کیا کرتا.....

”خاں اپن نے تو تیل کے پاس شیر ہی دیکھا..... یہ لوگ کہتے ہیں شیر ادھر  
آیا ہی نہیں..... لیکن اپن نے خود دیکھا ہیگا..... بس اس پر فائر کر دیا ہیگا..... اور وہ  
گرایگا..... پھر لائٹ جلا کر دیکھا تو تیل پڑا تھا..... صبح یہ تیل ہی مرا ملا..... اس کے  
سنے میں گولی لگی.....“

میں خوب ہنسا..... ساتھ عظمت بھی ہنسنے رہے.....

ایسا قصہ نہ پہلے سنا..... نہ کوئی ایسا واقعہ دیکھا.....

غالباً یہ ہوا کہ عظمت میاں کی آنکھ لگ گئی..... ان کے ساتھی تو پہلے ہی سو  
رہے ہوں گے..... عظمت میاں اچانک نیند سے جاگے اور اس حالت میں ان کے وہم  
نے تیل کو شیر بنا دیا..... انھوں نے بھی اسی حالت میں اندھا دھند فائر جھونک دیا.....  
میں پہلے بھی لکھ چکا عظمت خاں کا نشانہ بہت اچھا تھا..... گولی سیدھی تیل کے لگی اور وہ  
کچی دیوار کی طرح گر کر ختم ہو گیا.....

ان کے ساتھی جو سو رہے تھے فائر کی آواز سے بڑبڑا کر اٹھے..... اور شور  
کرنے لگے ان میں سے ایک تو ایسا بوکھلایا کہ جس شاخ پر بیٹھا تھا اس سے بڑبڑا ہٹ  
میں گرا..... وہ تو خیریت ہوئی کہ درخت سے نیچے نہیں گرا..... قریب کی پختی شاخوں میں  
الجھ کر رہ گیا..... خراشیں تو ضرور آئیں..... لیکن کوئی مہلک صورت حال پیدا نہیں  
ہوئی.....

ساری صورت حال خاصی مضحکہ خیز تھی.....

وہ دن تو سو کر گزرا گیا..... میں ظہر کی نماز اور ظہرانے کے لیے اٹھا..... اس

”بہتر ہے۔“

میں چار دیہاتیوں کے ساتھ گاؤں سے نکلا۔۔۔۔۔ اور ڈیڑھ گھنٹہ بعد چان پر  
بٹھ چکا تھا۔۔۔۔۔ دیہاتی حسب سابق کسی قدر آواز سے باتیں کرتے واپس گئے۔۔۔۔۔  
گھوڑی صحیح سلامت اپنی جگہ پر بندھی ہوئی تھی۔۔۔۔۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شیر ادھر نہیں  
ایا۔۔۔۔۔

وہ رات میں نے خیالات کی آزادی میں گزاری۔۔۔۔۔  
وہاں آنے کے بعد سے پنے پنے واقعات ہوتے رہے تھے۔۔۔۔۔ روزانہ  
کوئی نہ کوئی مسئلہ ہوتا یا شیر نظر آ جاتا۔۔۔۔۔ کہنا چاہیے کہ یہ تمام ایام بہت ہنگامہ خیز  
گزرے۔۔۔۔۔ اور ان مسائل کو دیکھتے ہوئے مجھے یہ طے کرنے میں دقت نہیں تھی کہ  
آئندہ دنوں میں بھی یہی صورت حال رہے گی۔!

صبح گاؤں والے آئے تو میں درخت سے اتر آیا۔۔۔۔۔ اور واپس آ گیا۔۔۔۔۔ اس  
کے بعد چھ راتیں اسی طرح گزریں۔۔۔۔۔ شیر کی نہ کوئی اطلاع نہ نظر آیا۔۔۔۔۔ گھوڑی کو  
روزانہ دانہ پانی دیا جاتا رہا۔۔۔۔۔ چھ روز میرے حکم کی تعمیل میں اس کو بھی کھول کر لے آیا  
گیا۔۔۔۔۔ حیرت یہ ہے کہ روز شیر اسی نواح میں مجھے یا کسی نہ کسی کو نظر آتا رہا۔۔۔۔۔ پھر  
چھ روز سے ادھر نہیں آیا۔۔۔۔۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ کسی اور جانب نکل گیا۔۔۔۔۔

مجھے اب آرام کی ضرورت بھی تھی۔۔۔۔۔ شب بیداری کا کسل دن میں سونے سے رفع  
نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ مجھے نہ صرف شکار کی وجہ سے راتوں کو جاگنے کی  
عادت ہے بلکہ مشاعروں میں شرکت بھی اکثر تمام رات کے شور و شغب پر پھیلی ہوتی  
ہے۔۔۔۔۔ مشاعروں میں میری شرکت ضروری۔۔۔۔۔ شکار میں۔۔۔۔۔ اگر بڑا شکار ہو تو شب  
بیداری کی ضرورت۔۔۔۔۔ اس کے باوجود۔۔۔۔۔ ایک حد ہوتی ہے۔۔۔۔۔

اس کے بعد میں نے دو روز آرام کیا۔۔۔۔۔  
عظمت میاں بھی گویا مجھ سے شرط باندھے تھے۔۔۔۔۔ میرے برابر کیا مجھ سے

کے بعد پھر سو گیا۔۔۔۔۔ عصر کے وقت بیدار ہوا۔۔۔۔۔

شیر اسی نواح میں موجود تھا۔۔۔۔۔ اور میں بہت پر امید تھا کہ جلد شکار ہو جائے  
گا۔۔۔۔۔

نماز کے بعد میں تیار ہوا اور شکاری لباس زیب تن کیا۔۔۔۔۔ تعجب یہ ہوا کہ  
عظمت میاں نے کوئی تیاری نہیں کی۔۔۔۔۔

”کیوں بھی۔۔۔۔۔ تمہارا کیا ارادہ ہے۔۔۔۔۔؟“

عظمت میاں ذرا دیر مسکراتے رہے۔۔۔۔۔ پھر بولے۔۔۔۔۔

”قمر خاں۔۔۔۔۔ اپن تو بیٹھ گئے۔۔۔۔۔ بات یہ ہوگی کہ اپن شیر کے شکاری نہیں  
ہیں گے۔۔۔۔۔ خواہ خواہ ایسے کام میں نہیں گھسنا چاہیے ہیگا جس کے لیے آدمی نہیں  
بنا ہیگا۔۔۔۔۔“

میں خاموش رہا۔۔۔۔۔ دراصل میرا بھی یہی خیال تھا۔۔۔۔۔ عظمت جس فیصلے پر  
پہنچے وہ نہایت منصفانہ اور دانشمندانہ فیصلہ تھا۔۔۔۔۔ اور یہ ان کی غیر معمولی بردباری اور  
عقلندی تھی کہ انھوں نے اس نتیجے پر پہنچنے کی ہمت کی۔۔۔۔۔ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں  
جو اس دانشمندی کے ساتھ اپنے کردار اور اہلیت کی حقیقت سمجھ کر صحیح فیصلہ کر سکیں۔۔۔۔۔ ہر  
شخص کی اہلیت کی حدود ہوتی ہیں۔۔۔۔۔ کم لوگ ان حدود کو پہچانتے ہیں۔۔۔۔۔

میں نے ان کے فیصلے کے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا۔۔۔۔۔ یہ ان کا اپنا فیصلہ

تھا۔۔۔۔۔

”اچھی بات ہے۔۔۔۔۔“

میں نے کہا

”تم اس کا ضرور خیال رکھنا کہ شیر گاؤں میں بھی وارد ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ راقفل

ساتھ رکھنا اور شام کے بعد خود بھی کمرے میں رہنا اور دوسروں کو بھی تاکید کر دینا کہ باہر  
نہ نکلیں۔۔۔۔۔“

غل لوڑ کر رکھی تھی عظمت کے تین آدمی..... گاؤں کے سات دیہاتی..... گویا دس بی..... اور دو ہم..... بارہ مسافروں کا یہ کارواں گاؤں کے کھیتوں کے درمیان سے زرتا پیر کنڈ کی راہ پر ہو گیا..... سب ہی گاڑیوں میں بیٹھے تھے..... میرے سوا..... میں اری گاڑیوں کے پیچھے تقریباً بیس قدم کے فاصلے پر چل رہا تھا..... عظمت میاں مجھ سے پانچ قدم آگے تھے اس لیے کہ ان کو میری یہی ہدایت تھی.....

غل لوڑ کر رکھی تھی عظمت کے تین آدمی..... گاؤں کے سات دیہاتی..... گویا دس بی..... اور دو ہم..... بارہ مسافروں کا یہ کارواں گاؤں کے کھیتوں کے درمیان سے زرتا پیر کنڈ کی راہ پر ہو گیا..... سب ہی گاڑیوں میں بیٹھے تھے..... میرے سوا..... میں اری گاڑیوں کے پیچھے تقریباً بیس قدم کے فاصلے پر چل رہا تھا..... عظمت میاں مجھ سے پانچ قدم آگے تھے اس لیے کہ ان کو میری یہی ہدایت تھی.....

شیر چیتے یا..... آدم خور..... بالعموم بیل گاڑی پر حملہ نہیں کرتے..... میرے پائیس پینتالیس سالہ تجربے میں صرف ایک آدم خور ایسا ہے جو بیل گاڑیوں پر حملے کرنے لگا تھا..... ورنہ اور کسی شیر کے بارے میں مجھے معلوم نہیں کہ اس نے بیل گاڑی پر بیٹھے لوگوں پر حملہ کیا ہو..... چیتا بھی بیل گاڑی پر حملہ نہیں کرتا.....

تعب خیز یہ کہ بیل گاڑی پر بیٹھے ہوئے عام لوگوں سے جنگلی جانور ڈرتے بھی نہیں..... بارہا ایسا ہوا کہ بھوپال اور دکن کے جنگلوں میں بیل گاڑی پر میں جیتلو مانجھروں..... ہرنوں اور نیل گایوں کے پندہ بیس گز کے فاصلے پر پہنچ گیا..... اور وہ کڑے دیکھتے رہے..... مجھے اگر ان کے شکار کی ضرورت ہوتی تو ایک کو مار لیا.....

میں نے عام طور سے جانوروں کو ہلاک کرنا تقریباً ترک ہی کر دیا تھا..... ۱۹۵۵ء کے بعد سے میں نے جتنے جیتلو سانجھز بارہ سنگھے، نیل چکارے، ہرن وغیرہ شکار کئے وہ صرف نہایت اعلیٰ ثرائی ہونے کی صورت میں شکار کئے..... امریکہ میں بھی میرا شکار نہایت محدود ہے..... مجھے اب کسی شکار کی حسرت نہیں.....

دو چار گھنٹے زیادہ ہی سوئے تانیکہ میں تازہ دم ہو گیا.....

اب سوال یہ تھا کہ میں اسی گاؤں میں ٹھہر کر شیر کے ظہور کی دعائیں کر رہوں..... یا پیر کنڈ کی طرف کوچ کروں..... میں نے عظمت سے مشورہ کیا..... ”خال..... اپن تو سو سو کر تھک گئے پیٹکے..... کچھ کرنا چاہیے بیگا.....“

”کیا مطلب.....؟“

میں نے پوچھا

”پیر کنڈ.....“

وہ مسکرا کر بولے

”ہوں.....“

میں ذرا دیر سوچتا رہا.....

مشکل یہ تھی کہ پیر کنڈ سے بھی کوئی اطلاع نہیں آئی تھی..... ایسا معلوم ہوتا کہ شیر کسی اور طرف نکل گیا..... اور میں اس خیال کو سر سے نکال دینا چاہتا تھا..... ار لیے کہ میں ناکام واپس جانے کے لئے آمادہ نہیں تھا..... شیر کے کسی اور طرف نکل جانے کا مطلب یہ ہوتا کہ نجانے کدھر گیا ہو.....

”اچھی بات ہے.....“ میں نے فیصلہ سنایا..... ”کل صبح انشاء اللہ پیر کنڈ کے لیے روانگی ہوگی.....“

دوسرے روز فجر کی نماز کے بعد ہی ہم لوگ روانہ ہوئے..... تین بیل گاڑیوں ساتھ تھیں..... گاؤں والوں کی ایک جماعت بھی ہمراہ ہو گئی یہ لوگ کئی دن سے پیر کنڈ جانے کا ارادہ کئے ہوئے تھے لیکن آدم خور کے خوف سے روانگی ملتوی رکھی..... روشن چکی تھی..... لیکن ابھی سارا ماحول شبم زدہ ہو رہا تھا..... جیسے جاتے جاتے رات نے اپنے آنسوؤں سے صبح نورانی کا دامن بھگو دیا ہو..... ہوا میں خاصی خشکی تھی اتنی کہ رائفل کی تال ہاتھ میں ٹھنڈی لگتی تھی..... میری رائفل لوڈ کی ہوئی تیار تھی..... عظمت نے بھی

مرغابی کا شکار ہمیشہ خاصا دلچسپ ہوتا تھا..... لاہور کے آس پاس بے شمار پانی تھے جن کو لوگ کلر کا پانی کہتے تھے..... شیخوپورہ..... مرید کے 'گجرات' شادی پونیاں، سرگودھا، قصور اور جلو موڑ کے راستے میں..... بے شمار مرغابی آتی تھی..... چوئیاں میری محبوب جگہ تھی..... یہ بھی شاید کلر کا ٹھہرا ہوا پانی تھا..... دواڑھائی پل کے رقبے میں پھیلا ہوا یہ سارا پانی پایاب تھا اور مرغابی بکثرت آتی تھی.....

بھوپال میں ۱۹۳۵ء سے ۱۹۵۲ء تک میں نے بے حد حساب شکار کیا..... کس بہن، چیتل اور سانہر مارے ان کا شمار ممکن نہیں..... پھر دکن کے شکار کا شمار بھی ان ہے..... البتہ جو جانور سب سے کم شکار کیا وہ نیل گائے ہے..... وہ اس لیے کہ جانور کا نہ گوشت ذائقے دار ہوتا ہے نہ کھال کا فرش اچھا بنتا ہے نہ سینگ ہی ہوتے سات آٹھ انچ کے کالے بھدے سینگ کسی زمرے میں نہیں آتے.....

مار کے جو لوگ بلبھار شا میں میرے لیے پان لائے تھے وہ بہت عمدہ مدراسی پان..... اور میں..... جبکہ کاروان بیرکنڈ کی طرف گامزن تھا..... نہایت خوش ذائقہ اور بیور پان سے لطف اندوز ہو رہا تھا..... دھوپ نکل آئی تھی اور ہوا کہ وہ چبھتی ہوئی رک کم ہو گئی تھی جو صبح رہی تھی.....

کئی بار نیل گایوں کے بڑے بڑے گروہ ادھر ادھر آتے جاتے نظر آئے..... روہ میں کم از کم تیس چالیس جانور تو ضرور ہوں گے..... چیتل بھی جا بجا نظر آتے ہیں..... صبح کا وقت تھا..... یہی وہ لمحات ہوتے ہیں جب جنگل کے مختلف باشندے نقل حرکت کرتے ہیں..... کچھ پانی پینے کی فکر میں جاتے آتے ہیں کچھ اپنی رات گزارنے جگہ سے خوراک حاصل کرنے والے مقامات کا رخ کرتے ہیں.....!

ان علاقوں میں پھل دار درخت بھی بکثرت ہیں..... یہی وجہ تھی جا بجا نہایت مارگ پرندے بکثرت تھے..... ایک چھوٹا سا..... نہایت چھوٹا خوش رنگ پرندہ..... ال" کہا جاتا ہے..... پاکستان اور ہندوستان میں بکثرت ملتا ہے اور بہت لوگ ان لہر میں رکھتے ہیں..... یہ پرندہ ان علاقوں میں بہت کثرت سے نظر آتا ہے.....

میں اپنے پینتالیس پچاس سال کے دوران ہر قسم کے شکار کو انتہائی چکا..... حتیٰ کہ تیر بٹر کے شکار سے شیر تک سب کچھ کر لیا.....

ایک زمانہ تھا کہ میں روزانہ شام کو بندوق لے کر داروغہ والے سے ذرا آراوی کے کنارے نکل جاتا اور ایک گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے اندر چار پانچ تیر مار کر آتا..... لیکن یہ اس زمانے میں جب تیر کے شکار کی آزادی ہوتی تھی..... اس کے تیر کے لیے ہفتے میں چند دن مخصوص کر دیئے گئے میں ان کی سخت پابندی کرتا تھا.....





تھے..... لیکن معلوم ہوتا تھا کہ شیر کے ماگھ ہیں..... ان نشانات سے ہماری معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوا..... جنگلوں میں شیر کے ماگھ مل جانا کوئی معنی نہیں رکھتا..... وہ بھی پرانے ماگھ.....

بیرکنڈ سے شمال مشرق کی طرف ایک طویل پہاڑی ہے..... جو پھیل کر سات میل میں دو جگہل کی آبادی کے قریب سے گزرتی ہے..... یہ پہاڑی اونچی ہے..... لیکن مجھے بتایا گیا کہ اوپر سطح مرتفع سی بن گئی ہے جو ہموار بھی ہے اور بیشتر رقبہ درختوں لے ڈھکا ہوا ہے..... کئی شریفے کے گھنے جنگل..... اور چرونجی اور تہندو کے جنگل ہیں..... جو نجانے کہاں تک جاری ہیں.....

اور میں گاؤں واپس آیا تو ایک خوشگوار مگر حیرت انگیز خبر میری منتظر تھی.....! جگہل کا آیا ہوا ایک شخص وہاں تین دن سے مقیم تھا..... اس نے بتایا.....  
”نہارو ہیں رہتا ہے.....“

”کہاں.....؟“

”جگہل سے کوئی تین میل پر جو کالے پہاڑ ہیں.....“

”تم نے وہ جگہ دیکھی ہے.....؟“

”ہاں.....“

”دیکھیں کیسے معلوم ہوا.....؟“

”میں تو ادھر مویشی ڈھونڈھنے گیا تھا.....“

”ایک بار.....؟“

”ہاں.....“

”ایک بار میں کیسے معلوم ہو گیا کہ شیر وہاں رہتا ہے.....؟“

”سرکار..... میں تو اس کے بعد وہاں پچیسوں بار گیا.....“

”کیوں.....؟“

”ادھر آم کے درخت بہت ہیں.....“

گاؤں میں داخل ہونے تک کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا..... نہ شیر نہ کوئی ہار..... آس پاس میں ملا.....

گاؤں خاصا بڑا تھا..... پندہ سولہ گھر..... دور تک پھیلی ہوئی زمین چاروں طرف اونچے اونچے درخت پوش پہاڑ..... اور گھروں کی ساخت کچھ ایسا معلوم ہوتا تھا وہ گاؤں والے بد حال نہیں تھے.....

لیکن سب کے چہرے فق..... پریشان، متفکر..... یہ بات سمجھ میں تھی..... آدم خور کے علاقے میں رہنے والوں کا یہی حال ہوتا ہے..... ہر شخص کے موت کا سایہ ہوتا ہے..... نجانے کس وقت آدم خور کے ہتھے کون چڑھ جائے..... ہماری آمد ان کے لیے بڑی خوشی اور بہت ہمت افزائی کی بات تھی گاؤں کے سارے مرد اکثر عورتیں سارے بچے اور کئی کتے..... ہمارے گرد گئے..... جیسے ہم لوگ کوئی عجیب مخلوق ہوں..... سبھی نے باری باری میرے اور غنہ میاں کے پاؤں کو ہاتھ لگائے..... لاکھ لاکھ منع کیا گیا.....!

گاؤں والوں کو ہماری آمد کا علم تو تھا نہیں..... لیکن تھوڑی ہی دیر میں ہمارے متصل ایک کچے کمرے کو صاف کے کر درست کر دیا گیا..... دو چار پائیاں آگئیں جو بان سے بنی ہوئی تھیں..... غرض یہ کہ ہمارے قیام کا انتظام ہو گیا..... لوگوں نے بھی بہت روز سے شیر کے بارے میں نہ سنا..... نہ کسی نے اس کو دیکھا لیکن ان سب کو یقین تھا کہ کسی لمحے بھی وہ آدم خور ان پر حملہ آور ہو سکتا ہے.....

اس روز کا باقی ماندہ وقت ہم دونوں نے گاؤں والوں سے شیر کے بارے میں گفتگو اور معلومات سے حاصل کرنے اور گاؤں کے اطراف چکر لگا کر اس جگہ آشنائی پیدا کرنے کی کوشش میں صرف کیا..... کھیتوں اور فصلوں کے درمیان گھر رہے..... وہ جو ایک خشک اور عمیق نالا گاؤں کے شمال میں شرقا غرابا ہے اس کا کیا..... اور کئی مقامات پر شیر کے ماگھ بھی نظر آئے جو مٹ چکے تھے اس لیے کہ پرانے رہے ہوں گے..... سارے مٹ گئے تھے صرف ہلکے نشانات کٹے پٹے

گاؤں سے نکلا..... اس نے جگدل کا سیدھا راستہ اختیار کیا..... اس راستے پر پیادہ پا  
لوگوں کی آمدورفت زیادہ معلوم ہوتی تھی..... اس لیے کہ گاڑیوں کے راستے پر گھاس  
آتی تھی.....

ونڈارا اچھا چلنے والا تھا..... اور راستہ بھی ہموار..... ہم لوگ بیرکنڈ سے صبح  
سورج نکلنے نکلنے روانہ ہوئے تھے جو ساڑھے پانچ کا وقت تھا..... ایک گھنٹے بعد راستہ  
چھوڑ کر ونڈارا ایک پگڈنڈی پر ہولیا جو کسی قدر بلندی کی طرف جاتی تھی..... اب ہم گویا  
پہاڑی پر چڑھ رہے تھے..... تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ ونڈارا کی رفتار سست ہو گئی جو  
قدرتی بات ہے..... اگر وہ رفتار کم نہ کرتا تو میں اس کو آہستہ چلنے کا حکم دیتا اس لیے کہ  
بلندی پر جاتے ہوئے سانس کا پھولنا شکار کے اصول کے خلاف ہے.....

پینتالیس منٹ بعد ہم لوگ پہاڑی کے کنارے کنارے جاتے ہوئے تقریباً  
سو گز بلندی پر تھے..... اور تھوڑی ہی دور پر جگدل نظر آتا تھا..... ونڈارا نے ایسا راستہ  
اختیار کیا تھا کہ ہم گاؤں جانے کے بجائے براہ راست ادھر نکل جائیں جدر جانا تھا.....  
آبادی کوئی میل بھر پر رہی ہوگی..... ہم جس ارتفاع پر تھے وہاں سے آبادی  
کے گھر..... مویشی اور کھیت..... نظر آرہے تھے لیکن زیادہ واضح نہیں تھے۔

تھوڑی اور بلندی پر گئے تو ہم اس سطح مرتفع پر نکل آئے جس کا میں تذکرہ کر  
چکا ہوں..... اس سطح مرتفع کی چوڑائی نصف میل رہی ہوگی..... کسی جگہ گھنے درختوں کے  
جھنڈ..... کہیں گھنی جھاڑیاں..... کوتاہ قامت درخت..... یہاں اکا دکا آم کے درخت  
بھی نظر آرہے تھے..... اور جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے گئے ویسے ہی ویسے آم کے  
درختوں کی کثرت ہوتی گئی..... ان دنوں درختوں میں پھل تو نہیں تھے..... لیکن جس  
زمانے میں پھل آتے ہوں گے ان دنوں ان کی کثرت ہوتی ہوگی.....

کالے منہ کے بندر..... جنھیں لنگور بھی کہا جاتا ہے..... اس جگہ نظر آتے  
رہے..... اور فاصلے پر ہونے کی وجہ سے ہماری طرف سے بے توجہی ظاہر کی..... تو یقیناً  
وہ ہماری نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے تھے.....

”آم.....؟“

اس موقع پر عظمت نے دخل دیا  
”بعض جگہوں پر جنگلی آم ہوتا ہے“

”تم نے شیر ہر بار دیکھا.....؟“

”بہت دفعہ.....“

”اس نے تم پر حملہ نہیں کیا.....؟“

”اس نے مجھے دیکھا ہی نہیں.....“

یہ بلنڈ بڑی تعجب خیز تھی..... آدم خور شیر کے عین رہنے کی جگہ پر وہ شخص بار  
بار آتا جاتا رہا..... شیر کو دیکھا بھی اور شیر نے ضرور اس کو دیکھا ہوگا..... لیکن وہ شخص  
زندہ تھا.....!

حیرت ناک.....!

یہ اپنی نوعیت کا پہلا اتفاق تھا.....

لیکن اتفاقات ہم ان ہی واقعات کو کہتے ہیں جو عام وقوعوں سے علیحدہ  
نوعیت کے ہوں..... غیر معمولی ہوں اور عام طور سے واقع نہ ہوتے ہوں  
اس شخص کی جرات کا اعتراف بھی کرنا چاہیے..... یہ جانتے ہوئے کہ وہ آدم  
خور شیر ہے..... اس احمق نے اس کے جنگل میں تنہا جانے میں خوف محسوس نہیں کیا.....  
اس کو انتہائی احمق بھی کہا جاسکتا ہے..... خودکشی کی ایسی کوشش دیوانہ پن ہی  
کہی جاسکتی ہے.....

اس بد معاش کا نام ونڈارا تھا..... نجانے اس لفظ کے کوئی معنی بھی تھے کہ  
نہیں.....

”اس سے کہو مجھے وہ علاقہ دکھائے.....“

اس کو یہ حکم دیا گیا..... اور وہ بخوشی راضی ہو گیا.....

دوسرے روز صبح عظمت میاں کو گاؤں میں چھوڑ کر میں ونڈارا کی راہنمائی میں

ہو گئے..... اس لیے کہ ہندو ان کو کچھ کہتے نہیں..... اور یہ نڈر ہو ر انسان کو ڈراتے ہیں..... اردو میں گیڈر بھی تو سب ہی بول لیتے ہیں لیکن گیڈر کے بجائے اس کو بند بھکی ہونا چاہیے..... اس لیے کہ بندر آدمی کو قریب آتے دیکھ کر دانت نکال کر ایک دو قدم بڑھتا ہے جسے کاٹ کھائے گا..... اسی کو بندر کا خوشیا بھی کہتے ہیں..... یہ صرف بھکی ہوتی ہے..... حملہ کبھی نہیں ہوتا..... اتنی ہمت بندر میں کہاں..... البتہ اگر دس بارہ پندرہ بندر حملہ آور ہوں..... تو خاصی خطرناک صورت حال پیدا ہو سکتی ہے.....! اگرچہ کبھی ایسا کوئی واقعہ میں نے سنا نہیں..... میرے ساتھ صرف ایک بار حلوے کے مسئلے پر تشویشناک صورت حال پیدا ہوئی ہے.....!

ایک جگہ نرم زمین پر میں نے شیر کے کئی ماگھ دیکھے جوتاڑہ تو نہیں تھے لیکن دو ایک روز کے اندر کے تھے..... اور آگے چل کر ان نشانات کی تعداد میں خاصی برکت ہوئی..... میں نے خاص طور سے خیال رکھا کہ اس اطراف میں کوئی ایسا بڑا درخت نظر آجائے جس پر میں بیٹھ سکوں..... کچھ ہی دور پر اہلی کا ایک درخت اتنا تار ملا کہ زمین سے چوبیس پچیس فٹ بلند نہایت مضبوط شاخ پر کم از کم جھولا بنایا جاسکے..... میں نے اس درخت کو ذہن میں محفوظ کر لیا.....

دوسو گز چل کر یہ سطح مرتفع ذرا نیچی ہو گئی..... اور وہ چلا علاقہ گھنی جھاڑیوں سے بھرا تھا..... درمیان میں کئی جگہ جانوروں کے بار بار گزرنے کی وجہ سے کچھ گھاس اور جھاڑیاں دب گئی تھیں کچھ شاخیں ٹوٹ کر گر گئی تھیں اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ ادھر سے جانور گزرتے رہتے ہیں..... البتہ میں ادھر سے گزرنے کا خطرہ ہرگز قبول نہیں کر سکتا تھا..... گھاس اتنی بلند تو تھی ہی کہ میں اس میں چھپ جاتا..... مجھے یہ بھی گمان تھا کہ شاید وہ TRAILS شیر کے گزرنے سے بنے ہوں..... میں نے گھاس کے نزدیک جا کر ماگھ دیکھنے اور اس گمان کو یقین میں بدلنے کی کوشش نہیں کی.....

کیبارگی گھاس میں جنگلی مرغیوں کا ایک غول پھڑ پھڑا کر اڑا..... مرغیاں چیخ رہی تھیں..... مجھے فوری گمان ہوا کہ گھاس میں شیر ہے.....!

لنگور..... خصوصاً دوسری اقسام کے بندر بالعموم..... ہندوؤں کے عظیم شہر شمار ہوتے ہیں اس لیے کہ بندروں کے جدا علی ہومان نے رام چندر جی کی اس وڈہ مدد کی تھی جب وہ اپنی رفیقہ حیات سیتا جی کو راوون سے چھڑانے لڑکا پر حملہ آور ہوئے تھے..... یہ قصہ سب کو معلوم ہے.....

غرضیکہ بندر قابل احترام ہیں..... ہندوؤں کے لیے تو اور بھی بہت سی جاندا اور بے جان مخلوقات قابل پرستش ہیں.....

عرصے کی بات ہے ایک دفعہ میں امرتسر دہلی جا رہا تھا..... ٹرین کے ایرکنڈیشنڈ کلاس میں چار برتھر تھیں..... دو نیچے اور دو اوپر..... اس کیمن میں ایک چانبر برتھر پر تو میں قابض تھا..... دوسری طرف میرے مقابل برتھر پر ایک مہذب خضر تھا..... ہندو تھا..... اس لیے کہ دھونی باندھے تھا..... لیکن ساتھ ہی کوٹ پتلون بیگرہ لٹکے تھے..... رات تو خیر ہم بہ آرام سوتے رہے..... صبح میں اٹھا تو دیکھا وہ شخص کاڈ پہلے بیدار ہو کر نہا دھو چکا تھا..... میں جب ہاتھ روم سے فراغت کے بعد واپس آیا تو اس شخص نے اپنے سامان میں سے ایک تصویر نکالی..... کسی ہندو دیوتا کی تھی..... کئی ہر کئی ہاتھ..... ہاتھوں میں کسی میں ترشول، کسی میں خنجر، کسی میں سانپ وغیرہ.....

اس نے وہ تصویر سر ہانے سے لٹکا کر رکھی..... اور اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر سر جھکا دیا..... ذرا دیر کوئی اشلوک یا سنسکرت کے مضامین پڑھتا رہا..... پھر اس تصویر کے سامنے سجدے کیے..... پھر ہاتھ جوڑے کچھ پڑھتا رہا، اس کے بعد جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبی نکالی اس کو کھول کر سفید رنگ کے کسی مرکب سے اپنی پیشانی پر نیکہ لگایا..... اور ڈبی بند کر کے رکھ لی..... پھر ہاتھ جوڑ کر اس تصویر کے سامنے سر جھکا یا اور گویا پوجا ختم ہو گئی..... تصویر واپس بیگ کے اندر.....!

رات کو نو بجے ٹرین امرتسر سے روانہ ہوئی تھی..... دوسرے دن میں صبح دہلی پہنچی..... ذرا ہی دیر بعد مجھے دوسری ٹرین مل گئی جو دلی سے سیدھی دکن جاتی تھی.....! بات بندروں کی ہو رہی تھی..... ہندوستان کے بندر بہت بے خوف اور جارح

فقیر کسی صاحب سطوت و ثروت سے سوال کرتا ہے..... ہاتھ پھیلاتا ہے تو یہ دینے والے کی مرضی پر منحصر ہے چاہے تو دے..... چاہے نہ دے..... فقیر کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا..... اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں یہی نکتہ بیان فرمایا ہے..... قرآن کریم کی آیت

ياايهاالناس انتھاللفقراء الى الله

اے بنی نوع انسان..... تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کے فقیر ہو..... اللہ کے حضور میں ہیک مانگنے والے ہو اس بیان میں کیا شک ہے.....! انسان سب اللہ سے مانگتے ہی رہتے ہیں..... اور وہ رب کریم عطا کرتا رہتا ہے..... دعائیں قبول فرماتا رہتا ہے.....!

میں اس وقت شیر کے سامنے آنے کی دعا کر رہا تھا.....! فاصلہ..... روشنی..... ہوا..... زمین کی ساخت..... میری کیفیت..... سب ہی کامیابی کے لیے مناسب اور معقول تھے..... میں نے بندوق کی نالی ایک شاخ پر ٹکا دی تھی اور ایسی حالت میں تھا کہ نشانہ خطا نہیں ہونا چاہیے تھا.....

ایسے موقعوں پر بعض لوگوں کو بڑی وحشت اور بہت جوش ہوتا ہے..... دل کی دھڑکن بڑھ جاتی ہے سانس کی رفتار بہت تیز ہو جاتی ہے..... اور بعض لوگوں کے جسم پر کچکی طاری ہو جاتی ہے..... اگر ایسی حالت ہو تو نشانہ خطا ہونا یقینی ہے..... میں بھی ابتدائے عمر میں اس مرحلے سے گزرا ہوں..... لیکن بتدریج تجربے اور افراط شکار کے نتیجے میں مجھے اس کیفیت سے نجات جلدی ہی مل گئی..... غالباً سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں میرے اعصاب قطعاً آہستہ ہو گئے..... نہ جوش..... نہ خوف.....! اور اسی سکون کی کیفیت کا نتیجہ تھا کہ میرا نشانہ اکثر خطا نہیں ہوتا تھا..... اب بھی خطا نہیں ہوتا..... الحمد للہ..... لیکن اتفاق ہے..... خطا ہو بھی سکتا ہے.....! اگست ۱۹۹۵ء کا واقعہ ہے کہ میں سپلیا (SAPULPA) کی فائرنگ رینج پر اپنی تین رائفلین لے کر مشق کے لیے گیا..... میرے ساتھ جو رائفلیں تھیں.....

میں جہاں تھا وہ جگہ بلند تھی..... جیسا کہ میں نے اوپر لکھا ہے..... گھاس والا قطعہ نشیب میں تھا جس کے اکثر قطعات مجھے بلندی پر ہونے کی وجہ سے نظر آتے تھے لیکن گھاس گھنی تھی میں اس میں چھپے ہوئے جانور کو دیکھ نہیں سکتا تھا..... گھاس میں اب واضح طور سے حرکت ہوئی..... اور جو جانور بھی تھا وہ میری جانب تو نہیں آ رہا تھا..... لیکن جس زاویے سے حرکت کر رہا تھا اس کے پیش نظر وہ مجھ سے ساٹھ ستر گز دور مغرب کی جانب گھاس کے قطعے سے باہر آتا..... میں نے ایک درخت کے تنے سے لگ کر اقل اسی طرف سیدھی کر لی..... وائڈ را کو میں نے درخت کے پیچھے کر لیا..... اور اس کو دوسری طرف دیکھتے رہنے کی بھی تاکید کی..... اپنے عقب سے غافل ہو جانا دانشمندی نہیں ہوتی

شیر کے مقابلے میں آنے والا گویا میدان جنگ میں قدم رکھتا ہے..... جس شخص نے میدان جنگ میں قدم رکھا اور دشمن کو لٹکارا اس کو اپنے پس و پیش اور چپ و راست سے غفلت نہیں کرنا چاہیے..... آدم خور شیر ہمیشہ غیر متوقع حرکات ہی کرتا ہے.....!

وہ لمحات جو اس جانور کے خروج کے انتظار میں گزرے..... اضطراب، جوش اور توقع کے لمحات تھے وہم اور یقین کے لمحات تھے..... کبھی گمان ہوتا شیر نہیں کوئی اور جانور ہے..... کبھی خیال ہوتا شیر ہوگا..... دل سے جو دعا نکلتی تھی وہ یہ کہ الٰہی یہ شیر ہو..... اور سامنے آ جائے.....

انسان..... اللہ کا بندہ..... کس قدر خود غرض اور کتنا حریص ہوتا ہے..... طرح طرح کی خواہشات کرتا ہے اور ہر خواہش کے لیے اللہ تعالیٰ سبحانہ سے دعا مانگتا ہے..... اور جب دعا مانگتا ہے تو یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول ہی کر لے..... اور فوری قبول کرے..... یہ نہیں سوچتا کہ بندہ بے اختیار اور مجبور اور اللہ تعالیٰ..... شہنشاہ کون و مکاں..... مطلق العنان..... بے نیاز..... اور مالک ہے..... اس کی مرضی ہے..... قبول کرے یا نہ کرے.....

تین سو پچھتر ہالینڈ اینڈ ہالینڈ میکسم.....

تھرٹی اسپرنگلینڈ.....

تھرٹی تھرٹی.....

تینوں رائفلوں سے میں بیس بیس میں فار کرتا ہوں..... گویا ایک ڈبہ ہر رائفل کے کارتوسوں کا چلاتا ہوں..... میں نے پہلے تھرٹی تھرٹی سے فارنگ شروع کی..... ڈیڑھ سو گز کی رینج پر مونے کاغذ کا وہ ٹارگٹ لگا ہوا تھا جس پر مختلف فاصلوں کے دائرے بنے ہیں..... درمیان میں دو انچ دور کا سیاہ رنگ کا حلقہ ہوتا ہے جس کو اصطلاح میں ”ہدف“ یا انگریزی میں (BULL'S EYE) کہتے ہیں.....

میں نے ذرا ٹھہر کر پانچ فار کیے..... رائفل رکھ کر دور بین سے دیکھا..... پانچوں گولیاں ”ہدف“ پر لگی تھیں..... پانچ فار کیے..... گولیاں پھر ہدف پر لگیں..... میرے قریب جو دوسرے لوگ تھے اب وہ متوجہ ہو گئے..... اس لیے کہ تھرٹی تھرٹی پر اسکوپ نہیں ہے..... میں دور بین سے نشانہ دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک شخص پاس آیا..... ”تمہیں اندازہ ہے کہ تمہاری ساری گولیاں کہاں لگیں.....؟“

میں نے اسے دیکھا اور مسکرا دیا.....

”ہاں معلوم ہے.....“

”ہوائے..... یو آر سم تھنگ.....!“

میں نے کوئی جواب نہیں دیا..... پھر رائفل اٹھائی..... پانچ فار اور کیے..... ایک گولی سیاہ ہدف کے باہر لگی..... چار سیاہ ہدف پر..... پھر پانچ فار اور اسی طرح کیے..... سب سیاہی پر.....

اب میں نے ٹارگٹ والا کاغذ بدل کر ایک نیا کاغذ لگا یا اور تھرٹی اسپرنگلینڈ اٹھائی..... اس پر ٹیلیکوپ لگی ہوئی ہے..... اور دس پاور کی (VARIABLE) اسکوپ ہے.....

تین جوان العمر بندوچی اپنی میزیں چھوڑ کر میرے پیچھے آکھڑے

ہوئے..... مجھے یہ بات اچھی نہیں لگی لیکن میرے کچھ کہنے سے پہلے ہی فارنگ رینج کے بڑے مالک نے ان کو ٹوکا..... اور وہ کسی قدر دوز چلے گئے.....

میں نے تھرٹی اسپرنگلینڈ سے بیس فار کئے سارے (Bulls Eye) پر لگے..... اب تین سو پچھتر ہالینڈ اینڈ ہالینڈ میکسم کی باری تھی.....

اس پر بھی اسکوپ نہیں ہے..... اتنے بڑے کیلبر کی رائفل پر کوئی اسکوپ استعمال نہیں کرتا.....!

پانچ پہلے فار ”ہدف“ پر..... اس طرح کہ پانچوں گولیاں ایک ہی سوراخ میں سے گزریں..... باقی گولیاں ساری ”ہدف“ پر لگیں.....

بڑی اور زیادہ وزن کی رائفل میں گرفت زیادہ متوازن (STABLE) ہوتی ہے..... اور فار آسان.....

لیکن..... میں قادر انداز نہیں ہوں..... مجھے اس کا قطعاً دعویٰ نہیں کہ ساری گولیاں صحیح نشانے پر جائیں گی..... کوئی نشانہ خطا بھی ہو سکتا ہے..... لیکن اللہ تعالیٰ کی

عنایت ہے کہ میں نے کئی بار حملہ آور شیر یا چیتے یا ریچھ کو موت سے ہم کنار کر دیا..... اسی کتاب میں بھگت گڑھ کے چیتے کا قصہ شامل ہے جس نے مجھ پر کوئی چالیس گز کے

فاصلے سے حملہ کیا..... فاصلہ بہت زیادہ تھا..... اتنے فاصلے سے چیتا تو کیا شیر بھی بالعموم حملہ نہیں کرتا..... لیکن اس چیتے نے یہ غیر معیاری کام کیا..... اور ابھی دس گز فاصلہ بھی

طے نہیں کیا ہو گا کہ میری چار سو پچاس ایکریس کی گولی اس کے شانوں کے عین درمیان ریزہ کی ہڈی میں لگی اور وہ پیوند زمین ہو گیا..... الحمد للہ.....

یہ میرے نشانے کا کمال نہیں..... اللہ تعالیٰ سبحانہ کی مشیت اور عنایت کا کمال تھا..... اس طرح اس نے میرے ذریعے سے چیتے کو فنا کرایا.....

تہا ایک پرندے کو اڑتی حالت میں مارنا آسان نہیں..... بہت دشوار ہے..... اور اچھے قادر انداز بھی مشکل ہی سے مار پاتے ہیں.....

میں ایک بار..... تیس سال پہلے اس سے بھی زیادہ عرصہ قبل..... ممکن ہے

رہی تھی..... سخت خطرہ.....!

ایک بار گھاس کا پردہ چاک ہوا..... اب مجھے سخت خطرہ محسوس ہو رہا تھا.....! میری انگشت شہادت نے ٹریگر کو اپنے دائرے میں لے لیا..... نظر رائفل کی ہالی پر سے پھسلتی اس نقطے پر جم گئی جہاں سے وہ موذی باہر آنے والا تھا..... دل کی دھڑکن اس وقت غالباً کسی قدر تیز ضرور ہوئی ہوگی..... اگرچہ سالہا سال شکار میں گزارنے اور سینکڑوں جانور شکار کرنے کے بعد وہ جوش اور اضطراب کی کیفیت تو پیدا نہیں ہوتی جو بعض نوآموز یا مبتدیوں کا خاصہ ہے لیکن کبھی کبھی بہت زیادہ فشار کے موقع پر طبیعت مضطرب..... ضرور ہوئی ہے اور شاید یہ تقاضائے بشریت ہے.....

تاہم..... ایک تجربہ کار شکاری کے لیے..... بلکہ ہر شخص کے لیے جو کسی قسم کے شکار کا ارادہ کر لے طبیعت کو پوری طرح قابو رکھنا..... اعصاب کو سکون کی حالت میں رکھنا..... جوش و خروش سے سخت احتراز کرنا اور جلد بازی کو قطعاً ترک کر دینا ضروری ہے..... یہ تمام متروکات لازمی جنکا اور تذکرہ کیا گیا شکار کے لیے اور اکثر حالات میں خود شکاری کے لیے خطرناک ہیں..... بعض حالات میں مہلک بھی ہو سکتے ہیں.....

بعض کمزور طبیعت لوگ افواہیں اڑنے اور مبالغہ آرائی کرنے بھی کمال رکھتے ہیں..... خصوصاً ایسے لوگ جو کسی شخص کی بعض حرکت سے یا خوبی سے مرعوب ہو کر اس کے بارے میں طرح طرح کی خبریں پھیلاتے ہیں..... مثلاً ایک صاحب نے مجھے بتایا کہ نواب بھوپال حمید اللہ خاں بڑے قادر انداز تھے..... اس زمانے میں جوانی بہت چھوٹا سا چاندی کا سکہ ہوتا تھا..... کہنے لگے جوانی ہوا میں اچھال کر اس کو تھری اسپرنگفیلڈ سے اڑا دیتے ہیں.....

حمید اللہ کی قادر اندازی کیا..... نشانہ ہی نہایت مشکوک تھا..... شاذ و نادر بندوق چلانے والے شخص کا نشانہ ہی کیا ہو سکتا ہے..... کامیاب نشانے کے لیے مسلسل مشق اور فائرنگ لازمی ہے..... مشق کے بغیر کوئی شخص کسی کام میں مہارت نہیں حاصل کر سکتا.....

پینس سال قبل جب لاہور میں رہتا تھا..... ایک رات دو بجے تین احباب کے ساتھ چوئیاں مرغابی کے شکار کے لیے گیا..... صبح سویرے جو شکار ہوا وہ تو خیر علیحدہ..... نوہ کے قریب جبکہ ہم واپسی کا ارادہ کر رہے تھے..... ایک مرغابی جو ALLARD تھی..... دور سے اڑتی ہوئی نظر آئی..... فاصلہ کوئی ستر گز..... بلندی پر تھا..... اس کا سیدھا ترچھا تھا..... یعنی ایسا نہیں تھا کہ سامنے ایک جانب سے دوسری جانب یا غرباً جا رہی ہو..... بلکہ سیدھی ہماری ہی طرف آرہی تھی..... اور بس ایک نقطہ سامعہ ہوتی تھی.....

میرے ساتھ جو صاحب تھے..... ان کا نام میں ارادتا نہیں لکھ رہا..... بولے ”فقوی صاحب..... اس کو گرائیں.....“  
”بسم اللہ.....“

میں نے کہا.....

میں نے بندوق اٹھائی اور..... فائر.....

مرغابی سیدھی جس طرح آرہی تھی ویسے ہی آکر ہم سے دس گز پر گری..... ان صاحب نے اٹھائی اور ذبح کر کے مجھے عنایت کی.....!

میری پچاس سالہ شکاری زندگی میں چند ایسے عجیب نشانے کی کامیابی کے واقعات ہوئے ہیں جو ذہن پر ایک دلکش رنگین تصویر بن کر رقم ہو گئے..... جب بھی وہ مواقع یاد آتے ہیں طبیعت پر نہایت خوشگوار مسرت کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے..... ان میں سے کئی واقعات شیر کے شکار کے ہیں..... چیتوں کے ہیں..... ریچھ..... ہریال..... ہرن..... سانپھر اور مرغابی کے ہیں.....!

کسی وقت..... اگر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا..... تو ان واقعات کو ایک کتاب کی شکل میں جمع کر کے شائع کر دوں گا انشاء اللہ تعالیٰ.....!

خیر..... اب جو مسئلہ درپیش تھا وہ مجھے بادی النظر میں بہت حوصلہ افزا معلوم ہوتا تھا..... فیصلے کا لمحہ قریب تھا..... میری چھٹی حس خطرناک صورت حال سے خبردار کر



لیکن میری گمنامی میرے لیے بڑی نعمت ہے..... مجھے اس کے بدلے اللہ تعالیٰ سبحانہ نے دنیا کی ساری نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے..... الحمد للہ!..... گھاس کا کنارہ تھا.....

وہ موذی آدم خور اب سامنے آنے ہی کو تھا..... اب تو میں نے رخسار کندے پر لگا کر ایک آنکھ بھی موند لی تھی..... ونڈرا کو پھر بھی تاکید تھی کی پشت کی طرف دیکھے رہے..... مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ بیوقوف میری ہر ہی طرح نظریں ادھ جمائے ہے جدھر میں بندوق کی نالی کئے تھا..... میری انگشت شہادت ٹریگر پر تھی.....

ایک بار ہی شیر کی زبردست بھبکی سے چونک کر ہٹا..... انگشت شہادت ٹریگر پر تو تھی بھی غالباً غلج کے عالم میں ٹریگر ہی دب گیا اور فائر ہو گیا..... جنگل میں تو جیسے قیامت آگئی..... پرندے جا بجا سے پھڑ پھڑا کر اڑے.....

شیر کی آواز عقب سے آئی تھی..... میں بمشکل ہی فائر کے ریکوئل سے سنبھل سکا..... دہشت ہی ایسی تھی..... اتنے قریب کی بھبکی.....

گھوم کر دیکھا تو ونڈرا مجھ سے صرف پانچ گز پر شیر کے جڑوں میں تھا..... لیکن چاروں ہاتھ پیر چلا رہا تھا..... اور حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی.....

میں دوسرا کارٹوس چیمبر میں لایا..... لیکن رائفل کے دھماکے نے شیر کو بدحواس کر ہی دیا تھا..... وہ اپنے شکار کو چھوڑ کر ساتھ ہی جھاڑیوں میں گھس گیا..... مجھے نظر نہیں آ رہا تھا..... یقیناً وہ بھاگ لیا.....

ونڈرا زمین پر پڑا تھا..... اس کو شیر نے ران سے پکڑا تھا جہاں دانتوں کے گہرے زخم تھے..... بچوں سے شانوں اور بشت پر بھی گہرے زخم آئے تھے..... لیکن کوئی ہڈی نہیں ٹوٹی تھی.....

یہ سب واقعہ جتنے عرصے میں بیان کیا گیا اس سے کہیں زیادہ سرعت سے

ایک زمانے میں مہاراجہ گوالیار..... جبکہ ہندوستان میں ریاستیں ہوا کرتی تھیں اور یہ ریاستیں نیم خود مختار بھی تھیں..... شکار کے شائق ہو گئے..... چان پر بیٹھ کر شکار کرتے تھے..... اور کئی بار کی ناکامی کے میدان کے مصاحین نے یہ کیا کہ جس درخت پر راجہ گوالیار بیٹھتا..... اس کے نزدیک درخت پر ایک چان پر ایک نہایت قادر انداز شخص متعین کیا جاتا..... وہ شخص ایسے زاویے سے بیٹھا کہ راجہ اس کو نظر آتا رہے.....

شیر آتا تو راجہ صاحب کے فائر کے ساتھ یہ قادر انداز بھی فائر کرتا..... اتنے قریب کہ ایک ہی فائر معلوم ہوتا..... راجہ صاحب کی گولی سے تو شیر کیا مرنا ہوگا..... قادر انداز کی گولی لگتی ہوگی..... لیکن نام راجہ کا ہوتا تھا..... اور ان کے مصاحین کو انعامات ملتے رہے ہوں گے.....!

بہت سے رؤسا اسی قسم کے شکاری ہو گزرے ہیں.....! میں جانتا ہوں ایسے شکاری شاذ ہی ہوتے ہیں جو میری طرح پایادہ جنگل جنگل گھوم کر شیر..... وہ بھی آدم خور شیر..... تلاش کر کے بالمقابل کھڑے ہو کر اس موذی کو ہلاک کرتے ہوں.....!

لوگوں کو جم کاربٹ اور کینتھ اینڈرسن کے نام یاد ہوں گے..... قمر نقوی بدستور گمنام ہے اس لیے کہ یہ دونوں اسی ایک کام کے ہو گئے..... دونوں کے مستقر ان ہی علاقوں میں تھے جہاں انھوں نے وہ کارنامے انجام دیئے جن کے قصے لندن سے شائع ہوئے اور ساری دنیا میں پڑھے گئے..... میں کسی ایک علاقے میں محدود نہیں رہا..... میرا قیام کہیں..... شکار کہیں بھوپال..... کبھی اٹاری ناگپور..... بلہارشا..... گلبرگہ..... آصف آباد..... نلگنڈہ..... ربوا..... اڑیسہ..... دیتا..... نیپال..... ملائیشیا..... برما..... ایران..... یوگنڈا..... کانگو..... اور بالآخر امریکہ ایسی حالت میں مقامی لوگ مجھ سے اس قدر آشنا نہیں ہوئے کہ میرا نام اور پتہ ہمیشہ یاد رکھتے..... میں آج بھوپال میں ہوں..... تو کل دکن میں..... اور وہ بھی اس طرح کی رہائش لاہور..... شکار حیدر آباد دکن.....!

عظمت میاں ے میں نے کہہ دیا تھا کہ اگر ضرورت محسوس کی تو رات میں اسی علاقے میں کسی محفوظ رخت پر بسر کروں گا..... انھوں نے اس کی مخالفت کی لیکن میں اپنا منصوبہ بنا چکا تھا..... تنہا راتفل پانی کی بوتل اور ضرورت کے مطابق کھانے کا سامان پشت پر..... میں بہ آرام خراماں خراماں اسی راستے پر چلتا ان پہاڑوں پر آ گیا..... جہاں دو روز قبل ونڈرا کو حادثہ پیش آیا تھا.....

سامنے وہ گھاس کا میدان تھا جہاں گھاس کے اندر وہ جانور چلتا رہا تھا جس پر میں نشانہ لیے رہا یہ سمجھ کر شیر ہوگا اور شیر نے عقب سے حملہ کیا جدھر ونڈرا نگہبانی کر رہا تھا.....

یہاں آ کر میں نہر گیا..... مجھے یقین ہو چلا تھا کہ آدم خور مختلف علاقوں کا دوران کرنے اور شکار کر کے بعد شکم سیر ہو کر اپنی جگہ واپس آتا ہے..... مجھے اس کی کچھار کا علم تو نہیں تھا لیکن ونڈرا کے گذشتہ بیان کے تحت اسی جگہ کے آس پاس ہونا چاہیے تھا.....

ایک بڑے درخت کے تنے سے پشت لگا کر میں راتفل بدست کھڑا ہو گیا..... اس درخت پر لال منہ کے بندروں کا ایک چھوٹا قبیلہ آرام کر رہا تھا..... مجھے یقین اگر انھوں نے شیر کو دبھا تو خوف کی وہ آواز ضرور کریں گے جس کا مجھے علم تھا..... مجھے دیکھ کر انھوں نے تھوڑا بہت خوں خاں تو بے شک کیا پھر خاموش ہو گئے.....

جنگل کے سارے ہی جانور مختلف بولیاں بولتے ہیں..... جو لوگ جنگلوں میں آتے جاتے رہتے ہیں وہ ذرا سی توجہ اور مشاہدے کے بعد ان آوازوں سے نتائج اخذ کرنے لگتے ہیں.....

میں اس جگہ تقریباً ایک گھنٹہ ٹھہرا..... ابھی صبح ہی تھی..... نو کا وقت تھا جب میں وہاں پہنچا..... مجھے وہاں کھڑے کھڑے دس بچ گئے..... اس عرصے میں چند منٹ پہلے بندر بھی اس درخت سے دوسری جانب کو دو کر کسی طرف بھاگ لئے.....

وقوع پذیر ہوا..... شیر کے حملے سے فائر ہو جانے اور ونڈرا کے نظر آنے اور شیر جھاڑیوں میں گھسنے تک شاید دو چار سکند کا وقت ہی لگا ہوگا.....!

میں نے ونڈرا کو دلاسا دیا..... ذرا سا پانی بلایا تب اس کی حلق کھلی اور آؤ نکلی.....

میں نے اس سے کہا تھا پیچھے دیکھتا رہے..... وہ اس تاکید کو نظر انداز کر کے دیکھتا رہا کہ گھاس میں سے شیر کیسے نکلتا ہے اور میں اسے کیسے ہلاک کرتا ہوں.....!

یہ میری شکاری زندگی کا چوتھا تلخ تجربہ انتہائی خطرناک واقعہ تھا.....!

اس لیے میں انجانے لوگوں کو ساتھ لے جانے کا مخالف ہوں..... بلکہ کسی ساتھ لے جانے کا ہی قطعاً مخالف ہوں..... یہ تو شیر کا شکار تھا..... اب تو میں ہرن کے شکار پر بھی کسی کو ساتھ نہیں لے جاتا.....

۱۹۹۰ء کے اکتوبر میں کولوراڈو میں الک (ELK) کے شکار پر میں پہلی بار پوری ایک پارٹی کے ساتھ گیا..... سارا امریکن..... میری مراد سفید فام امریکی تھے..... اور ان میں سے ہر شخص تجربہ کار شکاری..... بحمد اللہ یہ شکار کسی ناخوشگوار واقعے کے بغیر کامیابی کے ساتھ انجام کو پہنچا.....

اس کا حال..... ”بلندیوں کے سائے“..... میں پڑھا جاسکتا ہے.....

ونڈرا کو گاؤں لانے کے لیے مجھے کیا کیا مشقتیں اٹھانا پڑیں وہ خود ایک داستان ہے..... لیکن بہر حال میں اس کو کسی نہ کسی طرح لے ہی آیا اور دوسرے روز اس کو نیل گاڑی میں ڈلو کر بلھا رشا روانہ کرایا..... ایک ہفتے بعد جب کہ ہم لوگ واپس ہو رہے تھے اور بلھا رشا جا رہے تھے راستے میں ونڈرا ملا جو خوش و خرم اپنے گھر واپس جا رہا تھا..... زخم بھرے تو نہیں تھے لیکن روبہ اندمال تھے اور خطرے کی بات نہیں تھی ڈاکٹر نے دو اور مرہم دے دی تھی.....

میں اس چکر میں بہت تھک گیا..... ایک روز آرام کیا..... تیسرے روز میں حسب معمول صبح گاؤں سے روانہ ہوا..... تنہا.....!

ساتھ ہی تقریباً دس گز پر جو شریفے کا درخت تھا اس پر کئی خوشنما پرند بیٹھے اپنے پروں میں صفائی کا کام کر رہے تھے.....

مجھے تعجب یہ تھا کہ ونڈرا اس علاقے میں بارہا آتا جاتا رہا..... آدم خور نے اس پر حملہ پہلے کبھی نہیں کیا..... اگرچہ اس نے مجھے بتایا تھا شیر نے اسے کئی بار دیکھا..... اس نے تو شیر کو بارہا دیکھا.....! عجیب بات ہے.....!

ممکن ہے جتنی دفعہ شیر نے اسے دیکھا اس وقت وہ شکم سیر رہا ہو.....! میں نے اس گھاس بھرے میدان پر بہت دیر نظر رکھی..... گھاس میں کوئی حرکت نہیں ہوئی..... اسی میدان کے عقب میں..... یا دوسری جانب وہ درخت پوش گھائیاں تھیں جہاں ونڈرا کے بیان کے مطابق شیر کی کچھارتھی.....

مشرقی سمت..... دور پر آبادی سے دھواں اٹھتا نظر آتا تھا..... یہ جگہ دل کی آبادی تھی جو اسی پہاڑ کے جنوبی سلسلے کے دامن میں آباد تھی..... کوئی ڈیڑھ میل رہی ہو گی یا کچھ زیادہ..... شمال کی سمت اور اونچے پہاڑ تھے.....

میں جنوب کی طرف چلا..... لیکن گھاس تو نجانے کہاں تک پھیلی تھی اور کم از کم چار فٹ بلند تو ضرور تھی..... میں اس میں گھسنے کا خطرہ لینے کو ہرگز تیار نہیں تھا..... پھر شمال کی طرف میں تقریباً آدھا میل گیا..... یہاں آ کر ایک مقام پر پہاڑ کی بلندی کے ساتھ گھاس کا قطعہ ختم ہو گیا..... اور چونکہ زمین نسبتاً بلند بھی تھی اس لئے مجھے مشرق کی جانب ادھر پیش قدمی کا امکان نظر آ گیا جدھر گھنے درختوں والی گھائیاں تھیں.....

میں بہت ہوشیار تھا..... رائفل کا سیفٹی کیج تو کب کا کھول دیا تھا..... لیکن اپنے اطراف و جواب سے بھی غافل نہیں تھا..... کسی دوسرے کے ساتھ ہونے کی صورت میں آدمی اپنی بعض ذمہ داریاں اپنے ساتھی کے سپرد کر دیتا ہے اور وہی غلطی ہو جاتی ہے..... تنہائی میں ساری ذمہ داریاں بخود ہی نبھانا ہوتی ہیں..... اپنی حفاظت آپ ہی کرنا ہوتی ہے..... اس یقین کے ساتھ کہ اللہ کے ہوا کوئی مددگار نہیں ہے.....

میں تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ جن گھائیوں کا میں نے تذکرہ کیا ان ہی میں سے

کسی گھائی سے شیر کے دھاڑنے کی آواز آئی..... یہ وہ دھاڑ تھی جو شیر نہایت آسودگی اور سکون کی حالت میں کرتا ہے..... اس نے آواز کر کے مجھے مطمئن کر دیا..... کم از کم یہ بات چکی ہوگی کہ شیر اس علاقے میں موجود ہے..... اب سوال یہ تھا کہ اس کو نکالا کس طرح جائے..... یا اگر وہ خود نکلے تو کس طرف نکلے گا جدھر میں چھپ کر اس کا انتظار کروں.....

وہ علاقہ کوئی سو دو سو گز کا رقبہ تو نہیں تھا کہ میں اس کو نظر میں رکھ سکتا..... میلوں پر پھیلا ہوا تو گھاس کا میدان یا سطح مرتفع ہی تھی..... پھر جنگل..... صدہا میل تک پھیلے پہاڑ گھائیاں..... وادیاں..... البتہ یہ مجھے یقین تھا کہ وہ نکلے گا اسی جانب..... اس کی جولاں گاہ جگہ دل پیر کنڈ وغیرہ کے علاقے ہی تھے

آواز سننے کے بعد میں پھر اسی طرف واپس چلا جدھر ایک گھٹنا درخت کے تنے سے ٹک کر گزرا تھا.....

شیر کی آواز..... جنگل میں سننا اور ہوش و حواس قائم رکھنا آسان بات نہیں..... میں نے تو دس بیس آدمیوں کی جماعت کو میل دو میل سے شیر کی آواز سن کر لہٹے دیکھا ہے.....

اس وقت سارے جنگل میں ایک واحد میں ہی انسان تھا..... باقی شیر اور اورے جنگلی جانور..... جان مجھے بھی عزیز ہے..... شکاری ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ مجھے اپنی زندگی پیاری نہیں.....

جو بھی سانس آئے غنیمت جاننا

زندگانی لوٹ کر آئی نہیں

میرے خیال میں..... فیصلہ کن مقابلے کا وقت آ گیا تھا.....!

یہ بھی ممکن تھا کہ میں کسی درخت کی یا جھاڑی کی آڑ میں کھڑا رہتا..... لیکن کب تک.....؟

آدم خور اب کہیں قریب ہی تھا..... میری موجودگی سے بے خبر..... مگر مجھے

چند گھنٹ پانی پیا..... ایک پان کھایا..... اس کے بعد جم کر بیٹھ گیا..... اب انتظار شروع ہوا جو شکاری کے اعصاب اور صبر و استقامت کا امتحان کہا جاسکتا ہے.....

سب سے پہلی بلاچھروں کی شکل میں نازل ہوئی..... اور ان کے لشکر نے پری گردن پر حملہ کیا..... میں نے اپنا خاکی رومال اس طرح گردن پر لپیٹا تھا کہ کان در گردن چھپ گئے تھے پھر میرے شکاری جیکٹ کے کالر بھی اٹھ کر خاصی قلعہ بندی کر لیتے ہیں..... اس طرح گردن تو ان کے نرغے میں نہیں آئی.....

دوسری یلغار پیروں پر ہوئی ہوگی..... وہ بھی مونے اونی موزوں میں محفوظ تھے..... وہاں بھی ان کا داؤں نہیں چلا..... رہ گیا چہرہ اور ہاتھ..... ہاتھ میں نے جیب میں ڈال کر محفوظ کیے تو چہرہ غیر مسلح رہ گیا.....! صورت حال بڑی دشوار تھی.....

میرے شکاری تھیلے میں پلاسٹک کا ایک تھیلہ نہ جانے کس ضرورت کے تحت موجود تھا میں نے وہ نکال کر آنکھوں اور ناک کی جگہ سوراخ بنائے اور سر پر پہن کر گردن کے نیچے تک پہن لیا..... یہ ایک نہایت موثر خود ثابت ہوا..... چھروں کی یورش ہوتی..... جتھے کے جتھے مجھے اپنی گردن اور چہرے کے نزدیک اعلان جنگ کرتے سنائی دیتے..... لیکن پلاسٹک پر ان کا اسلحہ کام نہیں کر رہا تھا..... پاؤں ان کے حملوں سے محفوظ تھے..... ہاتھ جیبوں میں تھے.....!

یہ صورت حال تقریباً ایک گھنٹہ قائم رہی..... اس کے بعد وہ موزی قوم بتدریج وہاں سے کوچ کر گئی اور میں نے اطمینان کا سانس لیا..... شاید وہ مجھ متصل حملے کرنے کے بعد مایوس ہو گئے ہوں گے..... اگرچہ مجھ کبھی مایوس نہیں ہوتا..... حملے کرتا ٹھہرتا ہے..... اور سینہ زوری کا یہ عالم کہ حملوں کا اعلان بھی کرتا جاتا ہے..... وہ جتھے جو حملہ آور ہوئے تھے..... دفع ہو گئے..... لیکن اکا دکا مجھ برابر سر اور گردن کے گرد منڈلاتے رہے.....

اس کی موجودگی کی اطلاع تھی..... اور اس نے خود ہی مجھے مطلع کیا تھا.....!

میں نے ایک آم کا درخت اپنے بیٹھنے کے لیے منتخب کیا..... اس لیے کہ اس پر مجھے چڑھنا آسان معلوم ہوا..... ایک دفعہ نہایت احتیاط کے ساتھ ہر طرف دیکھنے کے بعد میں نے جوتے اتار کر زمین پر رکھے..... رائفل شانے پر لٹکائی اور حتی الامکان تیزی سے درخت پر چڑھ گیا اور اس وقت تک بلند ہوتا گیا جب تک چڑھنا ممکن تھا..... اگرچہ اتنی بلندی تو نہیں ہو سکی جتنی مجھے مناسب معلوم ہوتی ہے لیکن جتنی بھی تھی کافی تھی اس سے اوپر شاخیں پتلی اور کمزور تھیں..... یہاں پہنچ کر مجھے ایک تین شاخ مل گیا جس پر بہ آسانی بیٹھ سکتا تھا..... رائفل شانے سے اتار کر ایک نزدیکی شاخ پر رکھی..... اور شاخوں کو اچھی طرح دیکھ بھال کر اپنی جگہ متمکن ہو گیا..... درخت کی شاخیں اور پتے مجھے اچھی طرح چھپائے ہوئے تھے اور اس درخت کے عمدہ محل وقوع کی وجہ سے مجھے گھاس کا تو سارا قطعہ نظر آتا تھا..... شمالی پہاڑ کے دامن تک کا منظر سامنے تھا..... جنوب کا بیشتر علاقہ بھی نظر آتا تھا.....

میری نقل و حرکت کے لیے زیادہ گنجائش نہیں تھی لیکن شیر اگر کسی ایسے زاویے پر آتا جو عین سامنے نہیں تھا تو مجھے اپنا رخ بدلنے میں دشواری نہیں تھی..... میں نے اس کا امتحان بھی کر لیا کہ مختلف زاویوں سے رائفل شانے پر لانے کی مشکلات کا اندازہ لگا لیا.....

آم کے درخت پر زرد رنگ کے جیسیم چیونٹے..... جن کو اصطلاحی زبان میں سرٹو کہتے ہیں اکثر پائے جاتے ہیں..... اور یہ اگر کاٹتے ہیں تو نہ صرف بڑی اذیت ہوتی ہے بلکہ دو تین چیونٹے چپک جائیں تو اس جگہ ورم ہو جاتا ہے اور بڑی کھجلی اور جلن رہتی ہے..... میں نے اچھی طرح دیکھ لیا تھا کہ ان سے مقابلہ نہ کرنا پڑے.....

اپنے سامان کا جھولا پشت سے اتار کر پاس ہی شاخ پر لٹکا دیا اور اس کے اسٹریپ اس طرح باندھ دیئے کہ اس کو کھولنے بند کرنے میں درخت سے گر جانے کا احتمال نہ رہے.....

آدم خور شیر تو خیر گوشت خور درندہ ہونے کے ساتھ ہی آدم خوری شروع کرتا ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ چھڑا انسانی خون کا اتنا شائق کیوں ہوتا ہے۔ نہ صرف انسانی ہی۔۔۔۔۔ جانوروں کا خون بھی یہ ظالم اسی طرح چوستے ہیں۔! جنگل میں۔۔۔۔۔ خصوصاً گرم موسم کے دنوں میں۔۔۔۔۔ ان سے نجات مشکل ہے۔۔۔۔۔ میں جب بھی مان سون کے جنگلوں میں مچان پر بیٹھا ہمشہ چھڑا۔۔۔۔۔ بلکہ چھڑا کریم ہاتھوں اور گردن اور چہرے پر لگالی اور اکثر کوئی چھڑا میرے نزدیک نہیں آیا۔۔۔۔۔

امریکہ کے جنگلوں میں چھڑوں سے مقابلے کی نوعیت بہت کم ہی آئی ہے۔۔۔۔۔ اس کا سبب یہ ہے کہ امریکہ میں شکار کا زمانہ ایک مقررہ مدت ہے۔۔۔۔۔ جو صرف سردیوں میں آتی ہے۔۔۔۔۔ مثلاً۔۔۔۔۔ الگ کا شکار۔۔۔۔۔ کولورڈو۔۔۔۔۔ مانیٹا۔۔۔۔۔ وایومنگ وغیرہ میں اکتوبر میں کھلتا ہے۔۔۔۔۔ صرف دس روز کے لیے۔۔۔۔۔ متذکرہ بالا ریاستوں میں اکتوبر کا مہینہ اچھی خاصی سردی کا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ نومبر کے وسط سے برف باری شروع ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔

اکتوبر میں ان شکار گاہوں میں۔۔۔۔۔ جو اکثر سطح سمندر سے آٹھ نو ہزار فٹ کی بلندی پر ہیں۔۔۔۔۔ سردی ہوتی ہے۔۔۔۔۔ دن کا ٹمپریچر پچاس پچپن ڈگری فارن ہائیٹ اور رات کا درجہ حرارت پینتیس چالیس ڈگری تک ہوتا ہے۔۔۔۔۔!

اتنی سردی میں چھڑا نہیں ہوتے۔۔۔۔۔

لیکن۔۔۔۔۔ اوکلاہوما میں عین گرمی کے زمانے میں۔۔۔۔۔ میرا مطلب نسبتاً گرم موسم میں بعض شکار کھلتے ہیں۔۔۔۔۔ مثلاً ستمبر کی پہلی تاریخ سے فاختہ کا شکار کھلتا ہے۔۔۔۔۔ اور ان دنوں میں چھڑا ہوتے ہیں۔۔۔۔۔

بہر حال۔۔۔۔۔ پلاسٹک کے بیک نے خاصا تحفظ دیا۔۔۔۔۔

درخت کی سخت کھردری شاخوں پر کسی گدی یا نرم شے کی عدم موجودگی میں بیٹھنے کی اذیت کا بیان ہی مشکل ہے۔۔۔۔۔ دواڑھائی گھٹنے گزارنے کے بعد میں چھڑوں کو تو قطعاً بھول گیا۔۔۔۔۔ رانوں اور کولہوں کی فریاد کرتی ہوئی ہڈیوں کی فکر میں لگ گیا۔۔۔۔۔

بار بار پہلو بدلنا۔۔۔۔۔ ہلنا جلنا۔۔۔۔۔ حرکت کرنا۔۔۔۔۔ یہ سب شکار کو خراب کرنے والی حرکات ہیں۔۔۔۔۔ عام طور سے شیر درخت پر ساکت جامد بیٹھے ہوئے شخص کو شناخت نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ لیکن ذرا سی حرکت بھی اس کو متوجہ کرنے اور ہوشیار کرنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔۔۔۔۔

درخت پر بیٹھے ہوئے انسان سے ہر جانور سخت خوفزدہ ہوتا ہے۔۔۔۔۔! کسی مچان یا نرم شے کے بغیر درخت کی سخت اور سرد شاخ پر بیٹھنے کی ضرورت کم ہی ہوتی ہے۔۔۔۔۔ اس روز میں تنہا تھا۔۔۔۔۔ اور کوئی ایسی شے موجود نہیں تھی جو استعمال کی جاتی۔۔۔۔۔

انتظار طول کھینچتا گیا۔۔۔۔۔

اکثر انتظار کے دوران میں کبھی تو غزل کہنے میں مشغول ہو جاتا ہوں۔۔۔۔۔ کبھی جو کچھ قرآن پاک کی سورتیں زبانی یاد ہیں ان کی تلاوت کرتا رہتا ہوں۔۔۔۔۔ ایک ایک سورت کئی کئی بار تلاوت کرتا ہوں۔۔۔۔۔ غزل کہنے میں خاصا وقت لگتا ہے لیکن یہ سب اطمینان اور آرام سے بیٹھے ہونے کی صورت میں ممکن ہے۔۔۔۔۔ جس طرح میں بیٹھا تھا اس حالت میں مجھے یہ بھی یاد رکھنا مشکل تھا کہ میں وہاں کس لیے بیٹھا ہوں۔۔۔۔۔! وہ جو کسی نے کہا ہے۔۔۔۔۔

کباب بخ کی مانند ہم کروٹ بدلتے ہیں جو

جل اٹھتا ہے پہلو تو وہ پہلو بدلتے ہیں

اس کی مثال میں تھا۔۔۔۔۔ اور نظیر کے وقت تک میری اذیت عبرتناک حد تک بڑھ گئی تھی۔۔۔۔۔ میں اب سوچ رہا تھا کہ اس نامعقول جگہ بیٹھنے سے تو بہتر ہے نیچے اتر کر میں ان گھائیوں کی طرف چل پڑوں جدھر شیر کی رہائش تھی اور جدھر سے صبح میں اس کی آواز سن چکا تھا۔۔۔۔۔

ظہر کی نماز قصر پڑھنے کے بعد میں ابھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہی تھا کہ سامنے گھاس کے قطعے میں جنوبی جانب۔۔۔۔۔ ایک کوتاہ قدر درخت پر سے کئی

نہیں سمجھ سکتا تھا..... آدم خورشیر کے شکار میں اگر کسی کی نظر دھوکا کھانے لگے تو اس کو شکار سے فوراً واپس آ کر گھر میں بیٹھ جانا چاہیے.....  
میں یہ سوچنے پر مجبور تھا کہ پرندوں کے اڑنے اور گھاس میں آخری حرکت دیکھنے کے درمیان اتنا کافی وقفہ ضرور تھا کہ شیر وہاں سے چل کر دوسرے نقطے تک آجائے.....

مجھے ایک بار بھر اپنی نشست..... یا یوں کہنا چاہیے..... زاویہ بدلنا پڑا..... اب میں اس طرف رخ کیے تھا جدھر حرکت معلوم ہوئی تھی..... فی الحال ادھر بالکل سکوت تھا..... کوئی ایسا پرندہ..... یا بندر بھی نہیں تھا جس کو دیکھ کر کچھ قیاس کیا جاسکتا.....

اس حالت میں غالباً بیس منٹ گزرے ہوں گے.....  
اس زاویے پر بھی مجھے رائفل ایک ٹوٹی شاخ کے ٹھٹ پر رکھنے کا موقع مل گیا..... میرے درخت سے حرکت والے نقطے تک کوئی سوگزن کا فاصلہ ہوگا..... یا کسی قدر زیادہ..... سوا سوگزن سے زائد ہرگز نہیں تھا.....

تین سو پچھتر ہالینڈ ایڈ ہالینڈ میگنم..... سنٹی کیچ کھلا ہوا..... نظر دید بان کے نزدیک..... انگلی ٹریگر پر..... اور سانس رکھنے کو تیار.....

یہ وقت بھی کیسا عجیب وقت ہوتا ہے..... دل و دماغ کی ساری صلاحیتیں صرف ایک مقصد پر مرکوز ہو جاتی ہیں..... ساری دنیا تقریباً محو..... اس وقت کچھ یاد نہیں ہوتا..... واقعہ یہ ہے کہ ہدف کے سوا کچھ نظر بھی نہیں آتا اور یہ کہ ارادنا کچھ اور بھی دیکھنے کی کوشش کی جائے..... یہ بھی کہنا ضروری ہے کہ نشانہ اسی وقت یقینی اور قابل اعتبار ہو سکتا ہے جب صرف ہدف کو دیکھنے کی عادت ہو جائے..... اگر ہدف کے ساتھ کچھ اور بھی نظر آتا رہے تو اس کو بے توجہی کہا جاسکتا ہے.....

مجھ سے ڈبلن ٹائمز DUBLIN TIMES کیل فورنیا کے نمائندے

ہنری نے سوال کیا تھا آدم خورشیر بہت زیادہ چالاک کیسے ہو جاتا ہے میرا جواب تھا.....  
چور کس لیے بہت چالاک ہو جاتا ہے..... شیر جانتا ہے..... جانوروں کو ہلاک کرنے

پرندے پھڑ پھڑا کر اڑے اور شور کرنے لگے..... میں نے دعا ختم کی..... اور نزدیک کی شاخ کو ذرا جھکا کر اپنا رخ اس طرح تبدیل کیا کہ وہ حصہ جدھر پرندے ڈر کر اڑے تھے سامنے رہے..... میرے لیے بیٹھنا مشکل ہو گیا تھا..... لہذا میں نہایت آہستگی کے ساتھ ان شاخوں پر کھڑا ہو گیا..... رائفل اٹھا کر نشانے کی جانب سیدھی کر لی.....  
خوش قسمتی سے..... ایک چھوٹی سی شکستہ شاخ ایسی بھی مل گئی جس پر میں رائفل کی نال رکھ کر نہایت جما ہوا فائر کر سکوں.....  
کھڑے ہونے سے ہڈیوں میں جو اذیت ناک درد تھا اس سے نجات مل گئی.....

جدھر پرندے اڑتے تھے وہ حصہ میری نظر سے گھاس نے چھپا رکھا تھا.....  
چھوٹے درخت بھی تھے میں اسی طرف گیا تو نہیں تھا لیکن درخت کی بلندی سے اندازہ ہوا اگر شیر اس سمت آئے بھی تو اس کے لیے نشیب میں اترنے کے مواقع بھی ہیں اور اگر اس نے جنگل کی طرف جانے کا ارادہ کر لیا تو میرے درخت کی حدود میں آنے کی کوئی وجہ نہیں..... حوصلہ شکن بات تھی.....

میں اب اسی طرف متوجہ تھا..... لیکن میری ہمیشہ سے عادت ہے کہ اپنے اطراف سے باخبر رہتا ہوں میں جنگل میں تنہا ہوتا ہوں لیکن مجھ پر کسی طرف سے بے خبری میں کوئی جانور یا انسان حملہ نہیں کر سکتا..... البتہ اگر کوئی قابل اعتماد ساتھی موجود ہو تو اس کو عقب اور چپ و راست کی نگرانی سپرد کر کے شکار کی طرف توجہ کرتا ہوں.....  
ونڈرا کے معاملے میں یہی ہوا کہ میں نے اس پر اعتماد کر لیا اور اس کے سابقہ قصے سن کر سوچا کہ وہ چونکا رہنے والا آدمی ہے..... اور یہی سہو ہو گیا..... ونڈرا بالکل احمق تھا..... اس کے ساتھیوں نے بھی اس کے بارے میں یہی کہا تھا..... شیر سے وہ کیسے اس وقت تک محفوظ رہا یہ معمہ حل نہیں ہو سکا.....!

میں نے ایک دفعہ گھوکر ایک ٹانے کے لیے درخت کے شمال کی طرف دیکھ اور حیران رہ گیا..... وہاں بھی گھاس کے اندر حرکت ہوئی اور ٹھہر گئی..... میں نظر کا دھوک



نہیں.....!

یہ تو صرف انسان ہے کہ اپنی جان خطرات میں ڈالتا..... زک اٹھاتا..... اور  
لہان ہوتا ہے لیکن پھر وہی کام کیے جاتا ہے..... سبق نہیں سیکھتا..... انسان کا حال تو یہ  
ہے کہ جس کام میں جتنا زیادہ جان کا خطرہ ہوتا ہے زیادہ اس کام میں دلچسپی لے کر اس  
کو انجام دینے کی فکر میں رہتا ہے.....

آبشار: اگر..... جس کا پانی..... فٹ کی بلندی سے نشیب  
میں گرتا ہے..... اور کہا جاتا ہے..... کیوسک پانی  
میں..... گرتا ہے اس پر سے آج تک کوئی زندہ تو کیا کودنا..... مختلف قسم  
چوبی اور المونیمی بیرل (BARREL) میں بند ہو کر بھی کوئی صحیح سالم اور زندہ نہیں نکل  
سکا..... لیکن ایسے سر پھرے بھی ہیں جو کوشش کرنے سے باز نہیں آتے..... حکومت  
کینڈا..... اور امریکہ..... دونوں نے اس قسم کی حرکات پر پابندی لگا رکھی ہے..... دونوں  
طرف پولیس برابر گشت کرتی رہتی ہے اور اگر کوئی شخص دریا میں اترتا یا کوئی مشکوک  
حرکت کرتا نظر آتا ہے تو فوراً پکڑ لیا جاتا ہے اور اس پر الزام خود کشی کا مقدمہ چلا کر سخت  
سزا دی جاتی ہے..... اس کے باوجود وقتاً فوقتاً لوگ اپنی جان پر کھیلتے اور نتیجتاً مرتے  
رہتے ہیں..... کوئی نہیں بچتا..... اور یہ لوگ یہ اقدام صرف نام کے لیے کرتے ہیں.....  
اگر کوئی بچ کر نکل جائے تو نام ہو جائے گا.....

پانی اتنی بلندی سے گرتا ہے کہ اوپر سے نیچے جھیل میں گرنے والی چیز گرنے  
کے صدے سے ٹوٹ پھوٹ جاتی ہے اور اگر گرنے کے بعد پھنسنے سے بچ جائے تو  
لاکھوں کیوسک پانی کی دھار اس پر گرتی ہے..... جس کا وزن لوہا بھی برداشت نہیں  
کر سکتا..... انسانی جسم نہ اتنی بلندی سے گرنے پر محفوظ رہ سکتا ہے نہ اتنے پانی کا تھپڑا  
برداشت کرنا ممکن ہے.....

لیکن..... لوگ موت سے نہیں ڈرتے..... ہر ماہ دو ماہ بعد کوئی سر پھرا.....  
پولیس کی نگاہوں سے بچ کر آبشار سے اوپر دریا میں اترتا ہے..... اور آبشار کی نذر ہو

میں تو طاقت ہے..... لیکن انسان کے درپے ہوتے ہی وہ اپنے کو چور سمجھنے لگا  
ہے..... اور چور کی فطرت میں بزدلی اور خوف لازمی ہوتے ہیں..... یہی سبب ہے کہ  
شیر..... آدم خوری شروع کرتے ہی ممکن چالاکی اختیار کرنا سیکھ جاتا ہے.....

میں نے اپنے سر سے پلاسٹک کا وہ خول اتار دیا تھا جو مجھروں سے محفوظ  
رہنے کے لیے چڑھایا تھا..... اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک مجھرنے میرے  
کان کے قریب آ کر اعلان جنگ کیا..... میں نے جنبش نہیں کی..... لیکن فوراً ہی گردن  
کے قریب حملے کا احساس ہوتے ہی میں نے دفاعی ضرب لگا ہی دی..... اور خوب اتفاق  
کہ حملہ آور کونست و نابود بھی کر دیا..... ہاتھ پر اس کی خون آلود لاش چپکی تھی.....

یہ حملہ بہت ناوقت ہوا..... لیکن اس کے بعد عافیت رہی.....  
میری نظر میں اس مقام پر محمد تھیں جہاں حرکت نظر آئی تھی..... میں جانتا تھا  
کہ شیر ہے تو اس کو نکلنے میں تامل یوں نہیں کہ مجھے دیکھ لیا ہے..... تامل کی وجہ اس کی  
جہلت کی چالاکی تھی..... آدم خور شیر یوں اچانک سر میدان کیسے نکل آئے.....  
درخت پر بیٹھے ہوئے آدمی کو شیر نہ تو دور سے دیکھ سکتا ہے نہ درخت اور  
انسان میں تمیز کر سکتا ہے اس لیے کہ شیر کی نظر قریب میں ہوتی ہے..... تا وقتیکہ آدمی کوئی  
حرکت نہ کرے.....!

قدرت ہر جانور کو اس کے ماحول اور ضرورت کے مطابق خصوصیات عطا کرتی  
ہے..... وہ جانور جو گھنے جنگلوں میں رہتے ہیں ان کو زیادہ دور تک دیکھنے کی ضرورت  
ہوتی ہے نہ مواقع..... تھوڑے فاصلے پر ہی نظر کو کام کرنے کی احتیاج ہوتی ہے..... اس  
لیے قدرت نے اس کو نزدیک دیکھنے کی طاقت دی ہے..... البتہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ  
شیر اندھا ہی ہوتا ہے..... درخت پر بیٹھے ہوئے آدمی کو شیر اپنی موت کا فرشتہ خیال  
کرتے ہوئے بہت ڈرتا ہے..... اور ذرا بھی شبہ ہو تو بچنے کی تدبیر کرتا ہے.....

ویسے شبہ کا معاملہ ہو تو یہ ہے کہ ہر جانور..... جسے اپنی جان پیاری ہو..... اور  
جان کے پیاری نہیں ہوتی..... ذرا سا شک ہو جائے تو بھاگنے کی فکر کرتا ہے..... ٹھہرتا

جاتا ہے..... اس کی لاش جھیل میں ملتی ہے..... یہ جانتے ہوئے بھی لوگ اس حرکت سے باز نہیں آتے.....

دوسروں کی بات کیوں کروں..... خود میں بھی اس مرض کا گرفتار ہوں..... شیر اور چیتے کے شکار کی دشواری..... جان کا خطرہ..... اور بارہا شیر کا لقمہ زہنتے بنتے بچ جانے کے بعد..... میں اس کام سے باز نہیں رہتا..... کئی بار شیر نے ایسا حملہ کیا کہ چند فٹ کا فاصلہ رہ گیا..... مجھے خود سخت تشویش..... بلکہ خوف ہوا..... یہ کہنے میں مجھے کوئی شرم نہیں کہ میں ڈرا..... میں ڈرتا بھی ہوں..... مجھے اپنی جان بھی پیاری ہے..... میں کوئی بڑا بہادر رستم بھی نہیں ہوں..... لیکن میں جھوٹ نہیں بولتا..... حقیقت کو تسلیم کرنے میں مجھے قطعاً باک نہیں..... ہر دفعہ شیر کے حملے سے بچ جانے کے بعد مجھے اپنی جان کا خوف ہوا..... اور میں نے یہ بھی سوچا کہ میں آخر یہ کام کیوں کر رہا ہوں..... مجھے اس سے کیا حاصل ہے..... پیسہ ضائع ہوتا ہے..... وقت تلف ہوتا ہے..... اگر وہ وقت جو میں شکار میں صرف کرتا ہوں کسی تخلیقی کام میں لگاؤں تو شاید علم و ادب کی خدمت ہی ہو..... لیکن میں یہ سب سوچنے کے باوجود موقع ملتے ہی شکار کے لیے نکل کھڑا ہوتا ہوں..... شیر کے ایک شکار پر..... جب میں پاکستان سے ہندوستان جاتا تھا..... کم از کم پانچ چھ ہزار روپے خرچ ہو جاتا تھا..... جو ۱۹۵۰ء سے ۱۹۶۳ء تک ایک بڑی رقم ہوا کرتی تھی..... لیکن میں ہر سال کم از کم تین بار ضرور ہندوستان جاتا تھا اور دو تین ہفتے قیام کر کے شکار سے آسودہ و مطمئن واپس آتا.....

خود پاکستان کے اندر..... شکار پر جانے میں..... جو تین سے سات دن تک کے عرصے کا ہوتا تھا..... ہزار پانچ سو روپیہ خرچ آتا..... اس میں پٹرول کا خرچ..... کھانے کا خرچ..... رہنے کے مصارف..... جو مقامی مددگار ہو جائے اس کو بیس تیس روپیہ بخشش..... شکار کے لائسنس کی فیس..... اگر شکار کی جگہ کوئی ریٹ ہاؤس وغیرہ نہ ملے تو پھر کسی کے گھر کے کمرے میں قیام اور اس کا کرایہ..... غرضیکہ خرچ تو ہوتا ہی تھا..... شکار خرچ والا کام ہے..... اس لیے اس کو شاہ کار کہا گیا ہے.....

امریکہ میں شکار کا خرچ زیادہ ہے..... اور ہونا بھی چاہیے..... اگر یہاں شکار ارزاں کر دیا جائے تو ہر کوئی اس کام پر کمر باندھ لے..... ہتھیار تو سبھی کے پاس ہوتے ہیں..... اور اب جو شکار افراط ہے وہ ایک سال میں ہی قلت سے بدل جائے..... میں ایک بار فائرنگ رینج پر مشق کے لیے جاتا ہوں تو رینج کی فیس کے علاوہ کم از کم تیس ڈالر کے کارتوس فائر کر دیتا ہوں..... اور یہ کام میں ہر ماہ دو بار ضرور کرتا ہوں..... اس طرح نہ صرف یہ کہ میرا نشانہ قابل اطمینان رہتا ہے بلکہ کان رائل کی آواز سے مانوس رہتے ہیں.....

خرچ تو ہوتا ہی ہے.....؟  
اس طرح خرچ معلوم بھی نہیں ہوتا..... لیکن اگر سارے چھوٹے بڑے اخراجات کا حساب رکھا جائے اور ان کے مجموعے پر نظر ڈالی جائے تو دیکھنے والا حیران ہو.....!

غرضیکہ..... شیر کی نظر نزدیک کی ہوتی ہے.....!  
جو جانور میدانی علاقوں میں ہوتے ہیں..... ان کو اپنی حفاظت کے لیے دور تک کے فاصلوں پر دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے..... اس لیے قدرت ان کو دور بین نظر عطا کرتی ہے..... ہرن میدان میں رہنے والا جانور ہے..... گھنے جنگل میں کبھی نہیں ہوتا..... اس کی نظر تو تیز ہوتی ہے..... قوت شامہ..... یعنی سو گھنے کی قوت بھی زبردست ہوتی ہے..... اگر ہوا شکاری سے ہرن کی طرف جا رہی ہو تو میل ڈیڑھ میل کے فاصلے سے ہرن میدان کی مختلف خوشبوؤں میں ملی ہوئی شکاری کی بو سونگھ لیتا ہے اور ہوشیار ہو جاتا ہے.....

خود میری قوت شامہ اتنی قوی ہو گئی ہے کہ تین سو گز کے اندر موجود جانور کی بو سونگھ لیتا ہوں اور جانور نظر نہ بھی آ رہا ہو تب بھی یہ ضرور سمجھ لیتا ہوں کہ وہ آس پاس موجود ہے..... اس حال میں کہ ہوا جانور پر سے گزر کر میری طرف آ رہی ہو..... اسی طرح خطرات کی حس بھی مجھے قدرت نے عطا کی ہے..... اگر میرے

میں غزرے..... تو میں نے رائفل نیچے کر لی..... پہلے ہی میں رائفل شانے سے لگائے گئے تھک چکا تھا.....

فائر کرنے کے بعد جنگل میں جو کہرام مچا ہوتا ہے اس کا اندازہ مجھے کبھی نہیں ہوتا..... اس لیے کہ میں اس وقت شکار کے آخری لمحات میں اس قدر محو ہوتا ہوں کہ دنیا و انبیا کا ہوش نہیں ہوتا..... میری ساری ذہنی اور جسمانی صلاحیتیں اس وقت صرف ایک نقطے پر مرکوز ہوتی ہیں..... ساری توجہ صرف شکار پر ہوتی ہے اس وقت اگر ساری دنیا مل کر ہر قسم کا شور و غل..... چیخ پکار اور دھماکے کرے تب بھی مجھ پر اثر نہیں ہو سکتا.....

میں نے چالیس منٹ انتظار کیا..... شیر کی لاش میں کوئی حرکت نہیں ہوئی تو میں نہایت آرام سے درخت سے اترا..... موزے درست کر کے جوتے پہنے..... لیکن اس دوران رائفل قریب بار بار شیر کو دیکھتی رہیں جوتے پہن کر میں اٹھا..... رائفل کی نال شیر کی طرف کیے..... اور ٹریگر پر انگلی رکھے..... میں ادھر بڑھا.....

اللہ اکبر..... کیا زبردست شیر تھا..... اور کس قدر ہیبتناک..... نجانے اس کو آدم خوری کی لت کیوں لگی.....

میں نے اس کی لاش کو جھاڑیوں اور گھاس سے اچھی طرح چھپا دیا اور قریب ہی تیمم کر کے ظہر کا دو گانہ ادا کیا..... پھر ایک پان کی گلوری منہ میں رکھی اور نہایت اطمینان سے گاؤں کی طرف واپس ہوا..... جہاں عظمت میاں میرے منتظر تھے.....!

اطراف میں کوئی اذیت رساں جانور موجود ہو..... سانپ ہو..... یا اور کوئی خطرہ درپیش ہو..... تو مجھے اس کا احساس ہو جاتا ہے.....

لیکن مجھے یہ حس سا لہا سال جنگلوں ویرانوں میں گھومنے..... شکار کرنے اور ارادنا اس حس کی تقویت دینے کی کوشش کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے..... اور اللہ تعالیٰ سبحانہ کی خاص عنایت و کرم سے..... الحمد للہ.....

اس وقت بھی..... جبکہ میں درخت کی شاخ پر کھڑا..... رائفل کی نال گھاس کے اس قطعے کی طرف کئے تھا جدھر سے شیر کے نکلنے کی امید تھی..... میری چھٹی حس خطرے سے آگاہ کر رہی تھی..... اور میں جانتا تھا کہ گھاس میں کچھ نہ کچھ ہے ضرور..... اور خطرناک جانور ہے..... اس علاقے میں آدم خور کے علاوہ اور موذی کون ہو سکتا تھا.....!

اور وہی ہوا جس کی توقع تھی.....

گھاس کے..... میں سے ایک نہایت زبردست جسامت کا صحت مند و سالم ز شیر بہت سکون کے ساتھ برآمد ہوا..... چند قدم چل کر ذرا ٹھہرا..... اور اپنا ایک پنجہ اٹھا کر اس کو زبان سے چاٹا..... یہی اس کی موت کا لمحہ تھا.....

میری انگشت شہادت نے ٹریگر پر اتنا دباؤ ڈالا کہ ایک بار دھماکا ہوا..... میرے شانے پر زبردست دھماکا لگا..... اور شیر زمین پر گر گیا..... اس کا جسم زمین پر اور چاروں ہاتھ پیر آسمان کی طرف اٹھے ہوئے..... ان پر ریشہ طاری تھا.....

میں نے بلا تامل دوسرا کارتوس چیمبر میں ڈالا..... اور اس کے سینے کا نشانہ لے کر ایک فائر کیا..... اس بار بھی گولی بچھل گئی..... اور شیر کے اٹھے ہوئے ہاتھ پیر یکبارگی زمین پر بکھر گئے..... جسم میں ایک دو تیشخ کی لہریں آئیں اور ساکت ہو گیا.....

میں نے تیسرا کارتوس چیمبر میں لگا لیا تھا..... اور اب بھی شیر کا سینہ میرے نشانے پر تھا..... لیکن مزید فائر کی ضرورت معلوم نہیں ہوئی..... پانچ منٹ اس حالت

# بھکت گڑھ کا آدم خور



وہ جو پایاب ندی آبادی کے مشرق سے گزرتی تھی..... اس کا چوڑا پاٹ.....  
 لکڑوں پتھروں کا بستر معلوم ہو رہا تھا..... اس زمانے میں گواس کے وسط میں.....  
 بادی سے کوئی بیس گز دور پر ایک پتلی سی پانی کی دھار بہہ رہی تھی..... اور دوسرے  
 کنارے کی طرف..... کوئی چالیس گز پر..... وہ جنگل سے ڈھکی پہاڑی تھی جس کا نہ سرا  
 ماندہ دم..... نجانے کہاں شروع ہوتی اور کہاں ختم..... ایک کہانی کی طرح تھی جو شروع  
 ہو گئی ہو لیکن ختم نہ ہوتی ہو.....

وہ گھر جس کا صحن اور رخ ندی کی طرف تھا..... اس کے آنگن کی کمر کمر تک  
 دھچی مٹی کی دیوار کے باہر..... ندی کے عین سامنے..... مٹی کے چولھے میں آگ سلگ  
 ہی تھی..... لکڑیاں جل رہی تھیں..... چولھے پر مٹی کی پکی ہانڈی میں نجانے کیا پک رہا  
 تھا..... جو کچھ پک رہا ہو گا وہ جل بھن کر خراب ہو گیا ہو گا..... ہانڈی سے تو اب دھواں  
 اٹھ رہا تھا..... جیسے ہانڈی کے اندر کچھ تھا وہ جل گیا..... بو بھی ایسی ہی تھی.....  
 صحن کے دوسرے جانب کسی قدر بلند زمین پر ایک کمرے کا گھر تھا..... ان  
 دیہاتوں میں اکثر گھر اس طرح ایک کمرے کے ہوتے ہیں..... ان غریبوں کو تقسیم خانہ



چلا گیا..... وہ زیر لب مسکرا رہا تھا..... اس خیال سے کہ عین ہانڈی پکتے وقت چندی کو رفع حاجت کی ایسی ضرورت ہوئی کہ سب چھوڑ چھاڑ کر جنگل جھاڑی کی طرف بھاگی گئی.....

اس نے گنڈاسہ اٹھایا..... اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا.....

گاؤں میں گیارہ گھر تھے..... سب ایک دوسرے سے فاصلے پر..... چار گھر مراری کے گھر کے ساتھ ساتھ اسی رخ سے تھے جس رخ پر مراری کا گھر تھا..... ندی کی طرف کھلتے ہوئے..... پانچ گھران کے پیچھے ایک دوسرے کی دیواروں سے دیواریں ملا کر بنائے ہوئے..... ان ہی کے ساتھ ایک نیلے کو صاف اور ہموار کر کے اس پر خشک درختوں کے تنوں کے ستون بنا کر ان پر چھپر دال کر چوپال بنائی گئی تھی جہاں تمام دن کوئی نہ کوئی بیٹھا چلم پیتا رہتا..... اکثر گاؤں کے تین بوڑھوں میں سے ایک دوسرور ہوتے تھے..... چوپال سے ذرا فاصلے پر گھونڈو کا گھر تھا جس کے باہری دروازے کے پچھلے حصے کو اس نے چھت بنا کر محفوظ کر لیا تھا اور اس میں چھوٹی سی دکان کھول رکھی تھی..... جہاں اس آبادی کے اور ادھر ادھر کی آبادیوں کو ضرورت کی ہر چیز مل جاتی تھی.....

گھونڈو اپنی دکان کے لیے سامان کبھی کبھار اتاری سے لایا کرتا تھا جو اس آبادی سے پندرہ کوس تیس میل پر تھی..... اتاری اچھی بڑی جگہ ہے..... ریلوے اسٹیشن اور ہاسٹیل ہونے کی وجہ سے مشہور جگہ تھی بڑی دکانیں اور بازار تھے..... جہاں بھوپال یا ناگپور سے ہر قسم کا تجارتی سامان آتا تھا.....

گاؤں والوں کی مزروع زمینیں..... جابجا دور تک پھیلی ہوئی تھیں.....

گھونڈو کی دکان کے سامنے ہی جھبلا کی دکان تھی..... جھبلا گاؤں کا سیانا تھا..... وہ ہر کام کر لیتا تھا..... حجام کی خدمات وہ انجام دیتا چوتے گانٹھے کا کام بھی

کا علم نہیں..... وہ تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ اس دنیا میں گھر تو گھر..... ملک تقسیم ہو جاتے ہیں..... اور تقسیم بھی خواستہ یا نحوستہ..... یہ دنیا ہی ایسی ہے کہ یہاں تقسیم کی بڑی اہمیت ہے..... گھر..... ملک و مال..... دولت..... سب تقسیم ہو سکتے ہیں..... بس ایک انسانی جسم ہے جو تقسیم کی زحمت سے بچ گیا ہے.....!

چولھا جل رہا تھا..... ہانڈی سے دھواں اٹھ رہا تھا..... ہانڈی میں جو کچھ تھا وہ بھی جل کر بو پھیلا رہا تھا چولھے کے قریب ہی کچھ برتن بے ترتیب پھیلے پتھے..... ایک طرف کونڈے میں آنا گندھا ہوا مٹی کی ایک رکابی سے ڈھکا رکھا تھا.....

گھر سے دو چار گز کے فاصلے پر برگد اور املی کے فلک بوس درختوں کے درمیان چھوٹا سا باڑا تھا جس میں تین نیل اور دو گائیں تھیں اور نزدیک ہی مراری اپنے جانوروں کے لیے چارہ کاٹ رہا تھا..... اس کا گنڈاسہ ایسی ترتیب اور تسلسل کے ساتھ چل رہا تھا کہ اس میں ایک موسیقیت پیدا ہو گئی تھی.....

اور اچانک اس کا ہاتھ رک گیا..... اس نے گھوم کر رسوئی کی طرف دیکھا..... سبزی کے جلنے کی بوتو آ رہی تھی..... ہانڈی جل گئی.....

اس نے سوچا یہ نیک بخت چندی رسوئی سے اٹھ کر چولھا جلتا چھوڑ کر کدھر چلی گئی.....؟ ہانڈی جل گئی اور اس نے چندی کو آواز دی.....

”ہانڈی جل گئی نیک بخت.....“

کوئی جواب نہیں ملا.....

اس نے گنڈاسہ رکھ دیا اور باڑے سے نکل کر رسوئی میں آیا.....

ہانڈی سے دھواں اور سبزی جل جانے کی بو اٹھ رہی تھی..... اس نے ادھر ادھر دیکھا..... چندی تو نہیں تھی..... اس نے بڑھ کر ہانڈی کسی نہ کسی طرح چولھے سے اتار دی..... اور بڑبڑاتا ہوا کمرے کی طرف چلا..... کمرہ خالی تھا..... دروازہ اس طرح کھلا تھا..... اس نے سوچا شاید رفع حاجت کو گئی ہوگی..... اس نے رسوئی میں آ کر چولھے کی لکڑیاں ذرا سا کھینچ لیں تاکہ بلاوجہ نہ جلتی رہیں..... اور پھر باڑے کی طرف



مراری نے حیران ہو کر پوچھا  
”کہاں گئی.....؟“

”نجانے کدھر نکل گئی..... ہانڈی بھی جل گئی..... آنا ویسے ہی پڑا ہے.....“

وہ پھر کام چھوڑ کر نکل آیا.....

”جنگل گئی ہوگی.....“

دوسری بولی

”بڑی دیر ہوگئی.....“

مراری نے کہا

”ارے تو تم جا کر دیکھو نا مراری بھیا.....“

”ہاں دیکھنا چاہیے.....“

”میں جاؤں.....“ پہلی نے کہا ”لکشمی کے درد اٹھا ہے..... شاید ادھر ہو.....“

لکشمی گاؤں کے دوسری طرف رہتی تھی..... اس کے پورے دن تھے..... بچہ

کسی وقت بھی ہو سکتا تھا..... سب کو معلوم تھا کہ گذشتہ رات سے ہی اس کے درد تھا.....

بچہ ہونے کا درد.....

”تو مجھے بتا کر جاتی.....“

”ٹھہرو..... میں ادھر جا رہی ہوں..... اس کو بھیج دوں گی.....“

دوسری بولی

”اچھا.....“

مراری پھر پاڑے میں چلا گیا.....

شام قریب تھی..... سورج پہاڑ کے پیچھے چلا گیا تھا..... چھبلا نے بتایا تھا کہ

سورج ادھر کے پہاڑوں کے پیچھے ایک بہت بڑے کنویں میں اتر جاتا ہے اور اسی میں

سوتا ہے..... صبح پھر نکل آتا ہے..... اس نے تو بتایا تھا کہ بچپن میں وہ اپنے چچا کے

کرتا..... گاڑیاں مرمت کر لیتا..... بیلوں کی راسیں تیار کر لیتا..... خشک لکڑیاں بٹل  
سے کاٹ کر لاتا اور اپنے گھریاڑے میں جمع رکھتا..... گاؤں والے وقتاً فوقتاً ایک آنے  
پنیری کے حساب سے خرید لیتے.....

گھوڑے کی لگام اور زین بھی مرمت کرتا تھا..... ہل بکھر بھی درست کر  
دیتا..... ضرورت پڑنے پر کپڑے بھی بی دیتا..... اور لوگوں کے معمولی تنازعوں میں  
ثالث یا منصف بھی بنا جاتا..... اس کے پاس ایک توڑے دار بندوق بھی تھی..... اور کبھی  
کبھی وہ جنگل سے ہرن مار لاتا..... اور گھونڈو کو ایک روپے میں فروخت کر دیتا.....  
گھونڈو اس کا گوشت ایک آنے پاؤ کے حساب سے تین چار دن میں فروخت کر لیتا  
تھا.....

لیکن چندی غائب تھی.....

ندی کنارے..... آخری گھر گھوسی کا تھا..... اس گھر سے دو عورتیں سروں پر  
ہنڈیاں رکھے نگلی سیدھی چندی کے گھر کی طرف گئیں..... رسوئی خالی پڑھی تھی..... چولہا  
بجھ رہا تھا..... ابھی تک فضا میں جلی ہوئی سبزی کی بو پھیلی ہوئی تھی..... مراری پاڑے میں  
چارہ کاٹ رہا تھا.....

وہ دونوں صحن سے گزر کر کمرے کی طرف آئیں..... کمرے میں تو چندی نہیں  
تھی.....

”یہ کہاں گئی.....؟“

”ادھر ہوگی.....“

وہ دونوں پاڑے کے پاس آئیں..... مراری نے ان کو دیکھ کر ہاتھ روک لیا

”چندی کہاں ہے.....؟“

ایک نے پوچھا

”ہائیں..... ابھی نہیں آئی.....؟“

”نہیں..... چولہا جلتا چھوڑ کر کسی طرف نکل گئی.....“

بھولا بھی سوچ میں پڑ گیا.....

نزدیک ہی رحو خان موجود تھا..... اس نے بھی سنا

”کوئی گھنٹہ ڈیڑھ پہلے میں ادھر سے گزرا تھا.....“ رحو بولا ”اس وقت تو

چندی رسوئی میں آنا گوندھ رہی تھی.....“

شام اب سر پر آ ہی گئی تھی.....

مراری حیران اپنے گھر کے صحن کی کمر تک اونچی مٹی کی دیوار سے ٹیک لگائے

کھڑا تھا..... اور چہائی کے لوٹنے کا منتظر تھا.....

جب اندھیرا قریب آ گیا تو گھر گھر پتہ کیا گیا..... کسی کو کیا معلوم..... چندی

توپٹ کر آئی نہیں..... سارے مرد چوپال میں جمع ہو گئے..... سارے مرد مراری کے

گھر کے پاس بھی آئے..... مراری اس طرح حیراں کھڑا تھا..... اور چندی لاپتہ تھی.....

چھوٹے سے قد کی دہلی پتلی چندی گاؤں کی ہر عورت کی مدد کرنے کے لیے

مستعد رہتی تھی..... اور سب ہی اس کو چاہتے تھے.....

اب اندھیرا ہونے میں تھوڑی ہی دیر رہ گئی تھی.....

کچھ لوگ چوپال میں تھے..... کچھ مراری کے گھر کے پاس جمع تھے.....

رسوئی میں چولہا کب کا بجھ چکا تھا..... برتن دیے ہی بکھرے پڑے تھے.....

اور لکشمی کا درد بہت بڑھ گیا تھا..... عورتیں اس کے گھر جمع تھیں..... بچہ

ہونے کو ہی تھا.....

”مراری..... یہ تو کچھ گڑبڑ ہی لگتی ہے.....“

ایک بولا.....

”ہاں..... یہ تو میں بھی سوچ رہا ہوں.....“

مراری نے کہا..... واقعی وہ خود بھی بہت پریشان تھا.....

ساتھ اس کنویں تک گیا تھا جہاں سورج روزانہ شام کو اترتا ہے..... اور یہ دیکھ کر حیراں  
رہ گیا تھا کہ کنویں میں اترتے وقت سورج تھکن، بھوک اور نیند کی وجہ سے اتنا پریشان و  
کہ ساری چمک دمک غائب..... سرخ سرخ ہو رہا تھا.....

جھبلا کو ہر بات معلوم تھی..... وہ تو راجہ اندر کی کہانیاں بھی بڑے مزے کی  
سناتا تھا..... اکثر شام کو چوپال میں لوگ جمع ہو جاتے اور جھبلا لہک لہک کر قصے  
سناتا..... اور چلم کا دور چلتا..... چوپال میں دو قسم کی چلمیں ہوتی تھیں..... ہندو چلم.....  
مسلمان حقہ..... باوجودیکہ ہندو اور مسلمان ساتھ رہتے اٹھتے بیٹھتے تھے مگر دونوں کی چلم  
الگ تھی..... پانی تو ایک ہی کنویں سے نکالتے لیکن دونوں کی ڈولیں الگ الگ  
تھیں.....

البتہ ہندو مسلم اتحاد بہت تھا..... تعصب کوئی نہیں تھا..... گاندھی جی انھیں یہی  
سکھا گئے تھے کہ..... بہت ضروری ہے..... اور ہندو مسلم بھائی بھائی والے  
نعرے بھی ان کو معلوم تھے.....

وہ دونوں عورتیں..... سروں پر ہانڈی اٹھائے لکشمی کے گھر پہنچیں تو اس کا  
خاوند بھولا رام باہر ہی تھا.....

”لکشمی کیسی ہے؟.....“

ایک عورت نے پوچھا

”ٹھیک ہے.....“

”ادھر چندی آئی ہے نا.....“

”نہیں تو.....“

بھلانے تعجب سے جواب دیا.....

”نہیں آئی؟.....!“

”نہیں..... کیوں..... گھر نہیں تھی.....“

”اٹھو پھر.....“

اور وہ دس بارہ آدمی مراری کے گھر کے سامنے جمع ہوئے..... مشعلیں جلا لیں اور سب ہی سیدھے ندی کے پاٹ کو پار کرتے چلے..... وہاں جگہ ایسی تھی کہ کسی نشان کا امکان کم تھا..... ساری پتھریلی زمین..... چھوٹے بڑے پتھر کنکر جو پانی بہا کر لایا اور وہاں چھوڑ گیا تھا.....

مون سون کے دنوں میں تو سارا چالیس پچاس گزر چوڑا پتھر یلا پاٹ پانی پانی ہو جاتا تھا..... لیکن شروع سردیوں کے دن تھے..... پانی کب کا کسی دریا میں اتر چکا تھا.....

شام اب گہری ہو گئی تھی..... جنگل میں اندھیرا زیادہ ہی ہوتا ہے..... وہ لوگ جھاڑ جھنکاڑ میں یوں ہی بھٹکتے اور ٹھوکریں کھاتے رہے..... شور و غل بھی کیا..... چندی کو سب نے ہی خوب خوب پکارا بھی..... آوازیں بھی دیں..... اور کہنا چاہیے سارے جنگل میں ایک ہنگامہ برپا کر دیا..... لیکن کوئی نشان نہیں ملا..... نہ کوئی آواز آئی..... وہ لوگ دو تین گھنٹہ طرح طرح سے تلاش کرتے رہے..... اور آخر کار تھک کر واپس آگئے..... مراری بہت ہی پریشان تھا.....

کچھ عورتوں نے اس کے گھر کی رسوئی میں برتن سمیٹ کر صفائی کر دی..... اس کا پڑوسی دینا..... جو مسلمان تھا اس کے لیے کھانا لے آیا..... اور زبردستی اس کو تھوڑا بہت کھلایا بھی..... چوپال میں رات گئے تک لوگ بات چیت کرتے رہے..... اگرچہ وہ سب دن ڈھلے ہی سو جانے کے عادی تھے.....

مراری بہت دیر جاگتا رہا..... پھر سو گیا.....

نیند تو تختہ دار پر بھی آ جاتی ہے.....!

صبح وہ منہ اندھیرے ہی جاگ گیا..... اور اپنے آٹھ جوان ساتھیوں کے ہمراہ ایک دفعہ پھر تلاش کی مہم پر چل نکلا..... وہی جنگل جس میں وہ لوگ گذشتہ رات خاک

یہ پریشانی کی تو بات ہی تھی.....

ادھر چوپال میں بڑے بوڑھے سر جوڑے مشورہ کر رہے تھے.....  
”نہار.....؟“

ایک نے کہا

”نہار تو ادھر کب آوت ہے.....“

”تیندوا بہت ہے.....“

”تیندوا تو ہیں..... مگر.....“

اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا.....

اب وہ سب ہی خوفزدہ اور پریشان تھے..... کسی نے کچھ نہیں کہا..... لیکن وہ خیال ہی ان سب کے لیے روح فرسا رہا تھا..... ہر شخص وہی بات سوچ رہا تھا..... لیکن ہر شخص اس بات کے بیان کرنے سے بھی بچ رہا تھا.....!

گاؤں کے لوگ..... ایک دوسرے کے رشتے دار تو نہیں تھے..... لیکن ایک خاندان کی طرح تھے..... سب ہی ایک دوسرے کے دکھ درد کے شریک..... ایک دوسرے کے مددگار..... ایک دوسرے کے محافظ.....! چندی کی اچانک گمشدگی ان سب کے لیے بہت تشویشناک بات تھی..... ہر شخص یہی سوچنے پر مجبور تھا کہ چندی کسی مشکل میں پھنس گئی..... اور..... سب ہی اس کی طرف سے مایوس ہو چکے تھے.....

مون سون علاقوں کے وہ گھنے جنگل ان کو بہت کچھ دیتے تھے..... لیکن ان سے بہت کچھ لے بھی لیتے تھے..... ان کا اور جنگل کا حساب ہمیشہ برابر ہی رہتا تھا.....

”کوئی اور بات نہ ہوئے.....“

ایک بوڑھے نے کہا..... اور سب سوچ میں پڑ گئے.....

”چلو..... ڈھونڈنا چاہیے.....“

”رات ہوئے رہی ہے.....“

نے دیکھا بہت افسوسناک اور روح فرسا تھا.....

انسانی لاش..... اور تین گدھ اس کو نوچ رہے تھے..... یہ چندی کی لاش

تھی.....

مراری تو دیوانہ ہو گیا..... اس نے گدھوں کو تو بھگایا ہی..... لاش پر گر کر کس قدر بین کئے کہ جس کی حد نہیں..... لوگوں نے بشکل اس کو چندی کی لاش سے ہٹایا..... لاش پر چادر ڈال کر اس کے ننگے بدن کو چھپا دیا..... دونوں ٹانگیں جسم سے الگ پڑی تھیں اور صاف معلوم ہوتا تھا کہ کسی جانور نے نوچ کر ان کو جسم سے الگ کر دیا.....

وہ سب جو کبھی چندی ہوا کرتا تھا سمیٹ کر چادر میں لپیٹا گیا..... اور وہ سب ہی روتے اور افسوس کرتے گاؤں آئے..... چندی کے جسم کو کسی جانور نے ہی کھایا ہو گا..... وہ تو اب اس کے ننگے بدن کو دیکھتے ہی کیسے..... اور جو کچھ بچا تھا اس کو گدھوں نے الگ نوچ کر کھالیا تھا.....!

اس واقعے نے گاؤں والوں کو بہت غمگین کیا..... مہینوں مراری کو لوگ سمجھاتے رہے..... لیکن کسی کے سمجھانے سے کیا ہوتا ہے..... وقت سب سے بڑا طبیب اور چارہ گر ہے..... موت اور زندگی کا سلسلہ تو دنیا میں جاری ہی رہتا ہے..... وقت ہی وہ کار ساز ہے جو دلوں کو صبر دے دیتا ہے.....

اس گاؤں سے چار میل جنوب کی طرف بھگت گڑھ ہے..... سات آٹھ گھر..... ان میں رہنے والے کل بائیس نفر..... ان میں چار عدد بچے.....

دوپہر کے وقت بچے کنویں کے قریب کھلی جگہ میں کھیل رہے تھے..... ایک بچہ..... عمر چار سال کھیلنے جھاڑی کے قریب گیا..... اور نجانے اسے کیا نظر آیا کہ تجس کے طور پر جھاڑی کے اندر گھسا اور غائب ہو گیا.....

بچے جو کھیل رہے تھے ان کو بڑی دیر ایک بچہ کم ہو جانے کا احساس ہی نہیں ہوا..... کنویں پر جو دو تین عورتیں تھیں انھوں نے محسوس کیا.....

چھانٹے پھرتے تھے اور اندھیرے بنے ان کو کچھ نہیں دکھایا تھا..... اب ان کے سارے کھلا پڑا تھا..... لیکن جنگل تو بہر حال درختوں..... جھاڑیوں، بیلوں، پتوں اور شاخوں سے بنا ہوا ایک ایسی بھول بھلیاں جیسا تھا کہ اس میں سے گزرنا بھی دشوار ہوتا بجز اس کے آبادی کے ڈھور ڈنگر بھی اس میں گھستے تھے اور ان کی دخل اندازی نے ہی کہیں کہیں جھاڑیوں کی ایک دوسرے سے گلے ملتی شاخوں کو ہٹا کر کسی قدر گنجائش پیدا کر دیا تھی..... ان ہی راستوں پر وہ لوگ جاسکتے تھے.....

جیسے جیسے وقت گزرتا جاتا..... ویسے ہی ویسے مراری کی بےقراری میں بھج اضافہ ہوتا جاتا تھا..... پریشانی بھی بڑھتی جاتی..... اس لیے کہ گزرتا ہوا ہر لمحہ چندی کے بارے میں اس کے..... اور دوسروں کے..... خدشات کو تقویت دیتا جا رہا تھا..... انھوں نے دو اڑھائی میل یا اس سے بھی زیادہ علاقہ کھنگال ڈالا..... لیکن کوئی نشان نہیں ملا..... دوپہر ہونے کو تھی اور وہ لوگ واپسی کا خیال کرنے ہی کو تھے..... کہ ایک شخص نے جو نسبتاً بلندی پر تھا ایک گدھ کو ندی کے آس پاس کوئی میل بھر پر اترنے کے لیے ہوا میں چکر لگاتے دیکھا.....

”مراری بھیا.....“

”ہاں.....“

”اوہ دیکھو.....“

اس نے گدھ کی طرف اشارہ کیا.....

سب ہی ادھر دیکھنے لگے..... پھر کسی نے کچھ نہیں کہا..... لیکن سب ہی ایک ایسے شہے میں مبتلا ہو گئے جو ان سب کے لیے ناقابل بیان تھا..... اور مراری کا تو گویا دل اچھل کر حلق میں آ گیا.....!

تلاش ترک کر کے وہ لوگ جنگل سے واپس ندی کی طرف آئے اور سیدھے ادھر گئے جدھر گدھ اترتا نظر آیا تھا اب اسی سمت دو تین گدھ اور آگئے تھے اور رفتہ رفتہ نیچے اتر رہے تھے..... ان کو وہاں پہنچنے میں زیادہ وقت نہیں لگا..... لیکن وہ منظر جو انھوں

کڑ بگھان علاقوں میں دیکھا گیا تھا..... بچے کی گمشدگی سے کئی روز تک اس گھر میں تو  
سہرام چاہی رہا جس گھر کا وہ بچہ تھا..... گاؤں والے بھی چین سے نہیں بیٹھے جس کے  
پس بھی وقت اور موقع ہوتا وہ جنگل کے کسی نہ کسی علاقے کو چھان مارتا..... آخر کار  
دو ہفتے بعد ایک چرواہے کو دو پہاڑیوں کے درمیان ایک عمیق گھاٹی میں بچے کی کھوپڑی  
اور ٹانگیں ملیں..... یہ اندازہ نہیں ہو سکتا کہ اس کو کس جانور نے ہلاک کیا.....

دونوں حادثات کی اطلاع پولیس کو کر دی گئی تھی..... اور تھانیدار بمعہ دو عدد  
پاہیوں کے دونوں جگہ وارد ہو کر نہ صرف بیانات لکھنے اور تحقیقات کرنے کے بعد  
نیافت ہی اڑاتے رہے بلکہ واپس جاتے وقت ایک ایک ڈولچی بھر کر خالص گھی..... اور  
تھانیدار صاحب ایک بوری گندم بھی حرام خوری کی عادت کے تحت نذرانہ لے گئے.....  
ان دونوں تفتیشوں کے نتیجے میں انھوں نے اپنی رپورٹوں میں دونوں کا کسی جنگلی جانور کا  
ٹکار ہو جانا لکھا..... جو ظاہر واقعہ تھا.....!

یہ نہیں معلوم کہ ہندوستان میں پولیس والوں کو حرام خوری کی عادت کس طرح  
پڑی..... کسی نے اس موضوع پر تحقیق نہیں کی..... لیکن ہے دلچسپ موضوع اس لیے کہ  
جس تو اترا اور کثرت کے ساتھ پولیس والوں کے گھر من و سلوی اترتا ہے وہ بعض  
حالات میں حیرت انگیز ہے..... پولیس کے معمولی سپاہی سے بڑے افسروں تک.....  
فضل ربی کے وافر اثرات پہنچتے رہتے ہیں..... کم از کم میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے  
درجے تک فضل ربی کی ریل ٹیل سے ذاتی طور سے اس لیے واقف ہوں کہ میرے ایک  
آشنا اس عہدے پر فائز تھے.....

ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کو تنخواہ کتنی ملتی ہوگی یہ تو مجھے نہیں معلوم..... یہ ضرور  
معلوم ہے کہ آمدنی و ہم و گمان سے بھی کچھ زیادہ ہوتی ہوگی..... رقم کا تخمینہ بہت دشوار  
ہے..... لیکن ان کے اخراجات کا اندازہ لگاتے ہوئے یہ کہا جانا چاہیے کہ ان کی ماہانہ  
آمدنی پچاس ساٹھ ہزار پاکستانی روپے سے کم کیا ہوگی..... پچاس ساٹھ ہزار روپیہ تو  
ضرور ہوگی..... اس لیے کہ ان کے اخراجات کے بعض شعبوں کا مجھے علم ہے.....

”گجیا کدھر گیا.....“

بچے کا نام یہی تھا.....

”گجیا.....؟..... یہی کہیں ہوگا.....“

اور بات آئی گئی ہوگئی..... کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں تھا کہ بچہ گم ہو  
گیا ہوگا..... وہ تو گجیا کی ماں کا نجانے کیوں بیٹھے بیٹھے دل گھرایا..... اور وہ کندھے  
تھاپتے تھاپتے گھبرا کر انھی..... ہاتھ دھوئے اور کنوئیں کے میدان کی طرف چلی۔  
جہاں اس کا بچہ کھیلنے گیا تھا۔ وہاں اب کوئی بھی نہیں تھا۔ بچے سب اپنے گھروں کو  
جا چکے تھے..... کشوری نے تیس پر سے آئی ہوئی کا نٹا کو روکا.....

”کانتا..... تو نے گجیا دیکھا.....؟“

”یہیں کھیل رہا تھا..... پھر واپس گیا.....“

”کدھر واپس گیا.....؟“

”یہ تو میں نے نہیں دیکھا..... کیا گھر نہیں آیا.....؟“

”نہیں.....“

ذرا ہی دیر میں لوگ دوڑ پڑے..... کنوئیں میں جھانکا گیا..... جھاڑیوں میں  
دیکھا گیا..... گھر گھر پتہ کیا گیا..... لیکن اس کا تو نشان ہی نہیں رہا.....

ان کا متفقہ فیصلہ اس گمشدگی کے بارے میں یہی تھا

”کوئی جانور اٹھا لے گیا..... تیندوا.....“

”تیندوا.....؟“

”گلاباگھ.....؟“

”گلدار.....؟“

”کڑ بگھا.....؟“

”نہار.....؟“

لیکن وہاں نہ کسی تیندوے کے پنوں کے نشان ملے نہ شیر کے..... نہ ہی کبھی

انراش رشوت ستانی کر دیا تھا..... ممکن ہے محض تغضن طبع کیلئے ایسا کیا ہو.....!  
 رشوت لینے کے ”کارخیز“ میں پھنسنے والا رشوت دے کر چھوٹ جاتا ہے.....  
 یہ دلاور فگار کی کہی ہوئی بات ہے..... ان کا مصرع یوں ہے:  
 لے کے رشوت پھنس گیا ہے دے کے رشوت چھوٹ جا

بھگت گڑھ کا محل وقوع کچھ ایسا تھا کہ بیرونی دنیا سے اس کا ارتباط قائم رہنا ہی  
 حیرت انگیز معلوم ہوتا..... مومنوں نے خطے کے جنگل جھاڑیاں بہت گھنے اور دشوار گزار  
 ہوتے ہی ہیں..... لیکن اس علاقے میں وندھیا چل اور ست پڑا دونوں جیسے گڈنڈ ہو کر  
 ناقابل عبور ہو گئے تھے..... پہاڑوں کے درمیان ایک گہرے پیالے میں بھگت گڑھ  
 تھا..... چاروں طرف جنگلوں سے ڈھکی پہاڑی ڈھلانیں..... سبزہ زار..... اور بلند پہاڑ  
 جن کی غول پیکر مصفا سرخ رنگ چٹانیں کہیں کہیں درختوں کے درمیان سے جھانکتی  
 رہتی ہیں..... پانی کا واحد ذریعہ وہی ندی ہے جو گاؤں کے دامن کو چومتی رہتی ہے.....  
 ندی قطعاً پایاب..... اس کا باٹ کسی جگہ بھی پچاس ساٹھ گز سے کم نہیں.....  
 لیکن سارا خشک اور چھوٹے بڑے پتھروں کا بستر بنا نظر آتا ہے..... پانی کی سطح کبھی  
 ایک فٹ سے زیادہ ہوئی ہی نہیں.....

گاؤں والوں کی زمینیں آبادی کے شمال اور مشرق کی طرف پھیلی ہوئی تھیں  
 ..... بڑی بڑی زمینیں تھیں اور وہ سب ہی سونا اگلتی تھی.....

علاقے کے پٹواری اور قانونگو..... سال میں دو بار ادھر آتے اور لگان وصول  
 کر کے چلے جاتے لیکن یہ ان کی شرافت کا مکمل ثبوت کہ وہاں سے جاتے وقت چند  
 ہندی گندم ”جو“ یا باجرہ ساتھ لے جانے میں کوئی تکلف نہیں کرتے تھے..... گاؤں  
 والے ان سے ان ہدایا کی قیمت بھی نہیں لیتے تھے..... ساتھ کچھ بنریاں..... ایک آدھ  
 ڈوچی گھی..... چند مرغ..... یہ تو گویا ان کا حق تھا..... اس لیے کہ ان نذرانوں کا بیشتر  
 حصہ تو نائب تحصیلدار اور تحصیلدار کو بھی پہنچنا ہوتا تھا..... آخر وہ غریب بھی تو زندگی  
 گزارنے پر مجبور تھے.....

اتنی بڑی ماہوار رقم بصورت ”فضل رنی“ ہی آسکتی ہے..... غالباً پاکستان میں  
 اتنی بڑی تنخواہیں تو کسی کو نہیں ملا کرتیں..... مجھے صحیح معلوم نہیں اس لیے کہ تیس سال سے  
 میں باہر مقیم ہوں.....

اسی طرح محکمہ کشم پاکستان بڑا غریب پرور اور ”امیر ساز“ محکمہ تھا..... اس  
 محکمے میں بھی لاہور میں میرے ایک دوست ملازم تھے..... ان دنوں لاہور اور امرتسر کے  
 درمیان ٹرین کی آمدورفت کا سلسلہ تھا..... اور یہ صاحب لاہور ریلوے اسٹیشن پر ہی  
 ہندوستان سے آنے والی ٹرین کے کشم میں کام کرتے تھے..... ان کے پاس بھی یقیناً  
 دست غیب کا عمل تھا..... یہ میں ہرگز نہیں کہتا کہ وہ حرام خوری کرتے تھے تو یہ.....  
 مسلمان آدمی حرام خوری تو کر ہی نہیں سکتا..... خصوصاً نقد اور اشیاء ضروریہ کے ضمن  
 میں..... اس لیے کہ ہر آنے والی چیز پر اللہ کا نام پڑھ کر پھونک دینے سے وہ حلال اور  
 پاک ہو جاتی ہے..... یا ہو جاتی ہوگی..... صحیح تو کوئی ملا ہی بتا سکتا ہے.....!

ہندوستان سے آنے والے مسافروں کے سامان کی یہ کشم والے وہ نوج  
 کھوٹ مچاتے تھے کہ توبہ بھلی..... لوگ رونے کو ہو جاتے تھے.....!  
 میرے رفیق مکرم کے گھر بھی اشیاء خوردنی اور ضروریات زندگی کی وافر  
 مقدار رہتی تھی کہ شاید واید.....! پیسہ گویا برستا تھا.....!

کبھی کوئی ایسی کتاب نظر سے نہیں گذری جس میں رشوت خوری اور حرام  
 خوری کی مکمل تاریخ ٹھوس ثبوتوں کے ساتھ مرتب کی گئی ہو.....

لاہور میں چو برجی کے قریب ایک عمارت پر ”محکمہ انسداد رشوت ستانی“ کا  
 بورڈ لگا ہوا دیکھا گیا تھا..... لیکن اس محکمے کی عمارت جس کثافت گندگی بے توجہی اور  
 لاپرواہی کا شکار تھی اس کے پیش نظر یہ قسم کھائی جاسکتی تھی کہ اس عمارت میں کام کرنے  
 والے نہایت ایماندار بہت ہی دیندار اور صاف و شریف انفس لوگ ہونگے..... اور یہ  
 گمان درست بھی ہے..... وہ سب ایسے ہی تھے..... البتہ نجانے کیوں کئی اصحاب نے  
 غالباً کسی بدگمانی کے تحت..... اس محکمے کے نام میں تصرف بے جا کر کے اس کو محکمہ



ان کو پندرہ بیس منٹ لگے ہوں گے..... شام گہری ہوئی جا رہی تھی..... اور ان کی بات چیت بھی ختم ہو گئی تھی.....

پہلے کانتی اٹھی..... اس کے بعد کچھی..... نصیبین کا پتہ نہ تھا.....!  
 ”اے نصیبین.....“ اس نے آواز دی  
 ”شاید واپس گئی.....“

”کیسے..... میں نے تو اس کو جاتے نہیں دیکھا.....“  
 ”اس کی لٹیا..... ارے لٹیا تو وہی رہی.....“

وہ دونوں لپک کر اس جھاڑی کی طرف گئیں جہاں نصیبین بیٹھی تھی..... اس کی لٹیا الٹی پڑی تھی..... پانی استعمال نہیں ہوا تھا..... زمین گیلی تھی..... پانی وہیں گر گیا تھا..... نصیبین کے وہاں گندگی پھیلانے کے آثار بھی تھے..... بس..... خود نصیبین کا کوئی پتہ نہ تھا.....

”یہ کیا ہوا.....؟“

”پر ماتما جانے.....“

انہوں نے فوراً ہی شور مچا دیا..... لوگ دوڑ پڑے..... اور تلاش شروع ہوئی..... ادھر شام نے رات کا لباس پہن لیا..... اور وہ علاقہ ایسا تھا کہ اندھیرا ہوتے ہی ایسا گھپ اندھیرا ہوتا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ بھائی دے لالٹینوں کی روشنی میں کسی قدر تلاش کی تو گئی لیکن وہ جگہ تو ہر طرف سے جنگل ہی تھا..... تلاش کس طرف اور کہاں کی جاتی..... نتیجہ یہ کہ لوگ رو دوھو کر بیٹھ رہے..... دوسرے دن پھر تلاش شروع ہوئی..... اور بہت کوشش کے بعد کچھ نشانات مل ہی گئے جن کے وسیلے سے وہ لوگ گھنے جنگل میں گھسے جہاں سے جا بجا نصیبین کے جا بجا لہنگے کی دھجیاں بھی ملتی گئیں اور آخر کوئی آدھے میل پر لاش بھی مل گئی جسے کسی جانور نے نوچ کر کھایا تھا.....

یہ تو تحقیق ہوا کہ ساری وارداتیں کسی جانور نے کیں..... لیکن کوئی ایسا نشان نہیں ملا جو اس جانور کی نوعیت کا تعین کرتا..... پھر بھی ان لوگوں کا خیال شیر کی طرف ہی

انگریزی دور میں تو تحصیلدار سے اوپر ڈپٹی کلکٹر ہوا کرتا تھا..... جو اکثر انگریز ہوتا..... ان صاحب بہادر کو سب کچھ سرکاری طور پر مفت میسر آتا تھا..... اور کبھی کبھی شیر کے شکار پر آتے تو گاؤں والے ان کا جلوہ دیکھ کر حیران ہوا کرتے تھے..... ممکن ہے ”فصل ربی“ کا کچھ حصہ ان کو بھی پہنچتا ہو..... البتہ جنس کی شکل میں کم..... نقد کی صورت میں زیادہ.....

یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ انگریز افسران فرشتے تھے..... ان سے زیادہ مکار..... مفلس الفطرت اور ڈاکو قوم اس روئے زمین پر نہیں..... موقع ملنے کی بات تھی..... جس کا داؤں لگ گیا اس نے اپنی جیب بھرنے میں تکلف نہیں کیا.....

انگریزوں کے جانے کے بعد ہندوستانی اور پاکستانی افسران ہونے لگے..... لیکن طور طریقے وہی انگریزی رہے..... نذرانوں کا رواج مزید ترقی کر گیا.....!

گاؤں کی عورتیں اور مرد سب ہی دفع حاجت کیلئے جنگل میں ہی جاتے ہیں..... اور کسی معمولی آڑ میں بیٹھ کر فراغت کے لیتے ہیں..... عورتیں بالعموم تنہا نہیں جاتیں..... دو چار مل کر جاتی ہیں اور ایک دوسری سے ذرا ذرا فاصلے پر اس طرح بیٹھ جاتی ہیں کہ ان کے لہنگے ان کے گرد پھیل کر پڑہ کر لیتے ہیں..... اس دوران وہ آپس میں گفتگو بھی کرتی جاتی ہیں..... یہ کام دن..... صبح اور شام کے کسی بھی مناسب وقت پر انجام دیا جاتا ہے.....

ایک روز شام کے وقت..... جب کہ مرد سب ہی کام کاج ختم کر کے اپنی زمینوں سے واپس آ چکے تھے..... جانوروں کی دیکھ بھال بھی کر چکے تھے..... تین عورتیں نکل کر کھیتوں کی طرف گئیں..... آبادی سے دو سو گز دور پر وہ تینوں ایک دوسرے سے کسی قدر فاصلے پر بیٹھیں..... سب کے ساتھ ان کے لوٹے..... یا لٹیاں بھی تھیں جو پاس رکھ لیں..... نصیبین..... ان میں سب سے بڑی..... جتے میں سب سے کم..... ایک جھاڑی کی آڑ میں بیٹھی..... دوسری دونوں اس کے دس گز کے فاصلے سے کھیت کی نیڈ کی آڑ میں بیٹھیں..... اور حسب عادت تبادلہ خیال کا سلسلہ چل نکلا..... اس کام میں

لے اتنی سی باڑ پھاند لینا آسان ہے..... لومڑی بھی اس پر سے جست لگا سکتی ہے.....  
 البتہ بھیڑ کے لیے باڑ پر سے کودنا ممکن نہیں.....  
 دس دن بعد ایک اور بھیڑ غائب ہو گئی.....  
 دشواری یہ تھی کہ گاؤں والوں کی نہایت تیز اور نشان آشنا نظریں بھی نہ تو کوئی  
 ہاتھ تلاش کر پائی تھیں نہ کوئی اور نشان..... کئی ہندو دیہاتیوں نے بھوت پریت کا نام بھی  
 لیا.....

بھوت کے نام سے مجھے اناؤ کا ایک واقعہ یاد آیا.....  
 میں نیکر کے میدان میں ہرن کے شکار پر تھا..... ایک نیل گاڑی پر میں اور  
 میرے ساتھ احمد..... میرے ہاتھ میں سیون ایم ایم..... احمد کے ہاتھ میں شاٹ  
 گن..... ہم دونوں نے ہی مغرب کے بعد ایک ایک ہرن مارا اور ان کا پیٹ چاک کر  
 کے آلاش نکالنے اور خون اچھی طرح صاف کر کے گاڑی میں رکھتے رکھتے رات ہو  
 گئی..... نیکر کا میدان ایک نہایت لق ودق میدان ہے..... نہ کوئی سڑک نہ راستہ..... ہم  
 گاڑی بیچ میدان میں ہانک رہے تھے..... اندھیرا جو ہوا اور اب چاروں طرف دیکھا تو  
 ہر طرف کھلا صاف میدان..... نہ سمت کی خبر..... نہ کوئی نشان راہ..... نہ کوئی  
 درخت.....

ایک طرف روشنی سی چمکتی نظر آئی.....  
 ”اس روشنی کی طرف چلتے ہیں..... کوئی آبادی یا گھر ہوگا.....“  
 ”اس میدان میں گھر.....؟“  
 ”خیر..... چلتے ہیں.....“  
 بیلوں کو ذرا ڈھیل دی تو چل پڑے..... اور دیر تک چلتے رہے..... لیکن روشنی

بٹنی دور تھی اتنی ہی رہی  
 ”یہ تو قریب نہیں ہو رہی.....“  
 ”احمد بولے“

گیا.....

”نہار.....؟“

”نہار ہی ہوگا.....“

”اپن نے نہار تو ادھر کبھی نہیں دیکھا.....“

”آ گیا ہوگا..... جنگل کا جانور ہے.....“

”کیا پتہ.....“

لیکن یہ مسئلہ حل نہ ہو سکا.....

چھ ساتھ مینے گذر گئے..... گاؤں والے حسب عادت گذشتہ حادثات کو بھول  
 بھال کر اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے تھے..... ان کے کارہائے ضروری کی نوعیت بھی  
 ایسی ہوتی ہے کہ ان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا جو کام ہونا ہی وہ کرنا ہی ہوتا ہے.....  
 شیر بھگت گڑھ کے اطراف کے جنگلوں میں کبھی نہ دیکھا گیا نہ سنا گیا..... وہ  
 سب جانتے تھے کہ شیر تو ان جنگلوں میں ہیں..... لیکن دور..... ادھر کبھی کوئی نہیں آیا  
 تھا..... ان لوگوں نے تو ادھر چیتا یا تینڈا بھی نہیں دیکھا تھا..... صرف ریچھ تھے..... اور  
 ان علاقوں کے ریچھ گوشت کھا تو ضرور سکتے تھے لیکن خاص طور سے کوئی جانور یا انسان  
 ہلاک کر کے کھانا ان کا کام نہیں تھا..... اس لیے یہ شک نہیں کیا جاسکتا تھا کہ ریچھ نے  
 وہ وارداتیں کیں..... ریچھ کا آدم خور ہونا قطعاً ناقابل قبول تھا.....!

گاؤں کے تین آدمی ایسے بھی تھے جنہوں نے بھیڑیں پال رکھی تھیں..... ان  
 کا مصرف اتنا تھا کہ ان سے اون حاصل کیا جاتا تھا..... یا کبھی کسی موقع پر ایک بھیڑ  
 کاٹ کر گوشت آپس میں تقسیم ہو جاتا..... ایک دن باڑے کے اندر بھیڑ غائب ہو  
 گئی.....

جس باڑے میں بھیڑیں اور مویشی رکھے جاتے تھے وہ کوئی مضبوط عمارت تو  
 نہیں تھی..... زمین کے ایک قطعے کو ارہر کے جھانکڑوں سے گھیر کر تین چار فٹ اونچی ٹیڈ  
 بنائی گئی تھی..... اسی کو دیوار یا چہار دیواری یا جو کچھ کہا جائے..... کسی بھی جنگلی جانور کے

بھولتے ہیں..... مجھے تو ستارے دیکھ کر اپنی قسمت کے سارے کی فکر ہو جاتی ہے..... یا اپنی نانی اماں کی وہ تعریف یاد آ جاتی ہے جو وہ مجھے میرے بچپن کے ایام میں گود میں اٹھا کر کہا کرتی تھیں.....

”میرے بیٹے ماتھے چاند تھوری ستارا ہے.....“

لیکن نہ اب وہ چاند نظر آتا تھا نہ ستارا..... البتہ میری پیشانی اللہ تعالیٰ سبحانہ کے نور سے روشن ہے اور ستارا غائب.....!

مجھے ستاروں کے ذریعے راستہ معلوم کرنے کا فن نہیں آتا..... میں تو ستارے شناخت ہی نہیں کر سکتا اس لیے کہ سارے چمکنے والے مجھے ایک ہی جیسے نظر آتے ہیں.....

غرضیکہ اس روشنی کی طرف بھی دیر تک چلتے رہے اور فاصلہ جوں کا توں رہا.....!

یہ ہم لوگوں کے اسکول میں پڑھنے کا زمانہ تھا..... میں نویں درجے میں اور احمد میرے ہم جماعت تھے گاڑی پانچ نیل گایوں کے قریب قریب سے گزری..... لیکن وہ بھاگے نہیں..... میں نے سوچا ایک کو گرا ہی دوں..... پھر خیال آیا کہ اس ساڑھے تین چار سو کیلو گرام وزن کے کھیم شخیم جانور کو ہم دو لڑکے کس طرح گاڑی میں رکھیں گے..... گاڑی ادھر سے گزر گئی..... سامنے دیکھا تو روشنی غائب..... بلکہ ایک ستارے جیسی روشنی عین دوسری طرف چمک رہی تھی.....

”بھائی صاحب..... یہ اگیا بیتال ہے.....“

”واقعی.....؟!“

میں نے کہا.....

”ہاں..... قطعی اگیا بیتال.....“

”اگیا بیتال“ کے قصے ان دنوں اناؤں میں عام طور سے سنے جاتے تھے.....

ان قصوں کی تشریح اور نہایت دلچسپ طریقے پر بیانات کی ذمہ داری ہمارے محلے کے

”ہاں..... ہمیں چلتے پندرہ منٹ ہو گئے.....“

”روشنی تو اتنی ہی دور ہے.....“

”ہاں.....“

اور ہم یہ بات کر ہی رہے تھے کہ وہ روشنی غائب ہو گئی..... پھر وہی گھپ

اندھیرا..... نہ کوئی نشان نہ درخت نہ کوئی راستہ.....!

ہم حیران کہ کس طرف جائیں..... پھر احمد بولے

”ادھر ایک روشنی نظر آ رہی ہے.....“

میں نے گھوم کر دیکھا..... جہاں ہم تھے وہاں سے تقریباً اڑتالیس ڈگری مشرق کی طرف ویسی ہی ٹم ٹماتی روشنی نظر آ رہی تھی..... میں نے بیلوں کو ادھر موڑ دیا..... کوئی بیس منٹ چلے تھے کہ یکبارگی وہ روشنی غائب..... میں نے بیلوں کی راسیں کھینچ لیں.....

”یہ تو پھر غائب.....“

”تم غلط جا رہے ہو..... وہ تو ادھر ہے.....“

احمد نے کہا.....

”کدھر.....؟“

”وہ.....“

وہاں سے ٹھیک بائیں جانب..... کوئی آدھے میل یا کچھ زیادہ.....

”تعب ہے..... غالباً نیل ادھر گھوم گئے.....“

میں نے پھر بیلوں کو موڑ کر روشنی کی طرف چلا دیا..... اس طرف قریب

سے ہی ہرنوں کا ایک غول بھاگ کر گزر گیا..... گاڑی اب پھر روشنی کی طرف چل رہی تھی.....!

ریگستانوں میں جہاں کوئی راہ کا نشان نہ ہوتا ہے نہ رہ سکتا ہے..... اونٹ

والے ستاروں کو دیکھ کر اپنے راستے اور سمت کا تعین کر لیتے ہیں..... شاذ و نادر ہی راستہ

امریکہ میں بھی ELGIN کے قریب اور اوکلاہوما اور KANSAS اینٹ لائن کے قریب جو شکار گاہ ہے اس میں پہاڑی کے اوپر ایک قبر ہے جس کے لیے کسی نے چبوترہ بنا کر اس کے گرد لکڑی کی باڑ بنادی ہے ایک طرف دروازہ یا پھانک بنا ہے..... ممکن ہے کوئی اس احاطے کے اندر آتا جاتا ہو.....

لوگ اس احاطے اور قبر کے آس پاس جانے سے احتراز کرتے ہیں..... دن کے وقت بھی کوئی ادھر نہیں جاتا ایک امریکی نے مجھے خاص طور سے منع کیا کہ ادھر نہ جاؤں وہ اچھی جگہ نہیں ہے.....

”کیوں..... کیا خرابی ہے.....“

اس نے ایک لمحہ سوچا.....

”تم کو میں ڈرانا نہیں چاہتا.....“

”مجھے بہت خوشی ہوگی اگر تم براہ کرم مجھے ڈرا دو.....“

”وہاں بدروح ہوتی ہے.....“

”اچھا..... واقعی ڈرنے کی بات ہے..... لیکن وہ کیا کرتی ہے.....؟“

”کرتی تو کیا ہے..... ذرا قی ہے..... یکبارگی سامنے آ جاتی ہے..... ہنستی ہے..... کبھی دھمکاتی ہے.....“

”تم نے خود دیکھا ہے.....“

”نہیں..... سنا ہے.....“

”اچھا..... ہوگی.....“

”میں تم کو نصیحت کر رہا ہوں..... ادھر مت جانا.....“

”اوکے.....“

لیکن دوسرے دن..... میں اس قبر کی طرف خاص طور سے گیا..... گہری اندھیری رات تھی اس لیے کہ شام سے ہی بادل خوب چھا گئے تھے..... میں سواتین بجے رات کو اس قبر کے احاطے کے پاس پہنچا اور اسی احاطے کے پھانک کی سیڑھیوں پر قبر کی

ایک صاحب کے سر تھی جو مٹی خالو کے نام سے مشہور تھے..... مجھے تو ان کے صحیح نام کا علم پہلے بھی نہیں تھا..... اب بھی وہ میری یادداشتوں میں صرف مٹی خالو لکھے ہیں..... محلے کے سارے چھوٹے بڑے ان کو اسی لقب سے پکارتے تھے.....

یہ بھی یاد نہیں کہ ان کا مشغلہ کیا تھا..... غالباً ضلع کچہری میں کوئی منشیانہ قسم کا کام کرتے تھے..... اس سے زیادہ ان کی حیثیت معلوم نہیں ہوتی تھی.....

مشغلہ کچھ بھی ہو..... انواہیں پھیلا نے میں ان کا جواب نہیں تھا.....

”اگیا بیتال“ کا قصہ بھی ان ہی کی ذہنی پیدوار تھی..... لیکن یہ واقعہ ہے کہ اناؤں میں جابجا میں نے ”اگیا بیتال“ کا نام اور قصے سنے..... یہ بھی کہ اس کا وجود صرف میدانوں میں ہوتا ہے.....

کہنے والوں کے مطابق..... ”اگیا بیتال“ کوئی بدروح یا بھوت ہے..... جس کا کھیل یہ ہے کہ رات کے وقت بڑے میدانوں یا ویرانوں میں لوگوں کو راستہ بھلا دے..... گویا خواجہ خضر راستہ دکھاتے ہیں..... اور ”اگیا بیتال“ راستہ بھلا دیتا ہے..... مجھ سے اگر کوئی پوچھے کہ اس قصے میں حقیقت ہے کہ نہیں تو میں یہی کہوں گا کہ ٹیکر کے میدان میں اس رات مجھے ہر طرف کچھ دیر جو روشنی نظر آ کر غائب ہو جاتی تھی وہ اگر ”اگیا بیتال“ نہیں تھی تو پھر کیا تھی.....!“

میں نے ایک جگہ.....!

خوفزدہ نہیں ہوئے.....!

یقیناً نہیں ہوئے.....!

میری تو کوشش رہی کہ کسی بھوت یا جن سے مڈبھیڑ ہو..... بچپن سے ہی میں اس کوشش میں رہا لیکن کبھی کامیابی نہیں ہوئی..... مجھے جس علاقے کے بارے میں بتایا گیا کہ وہاں جن ہیں..... بھوت ہیں یا چڑیل ملتی ہے..... میں وہاں ضرور گیا..... بار بار گیا..... راتوں کو وہاں ٹھہرا رہا..... کئی جگہ ساری رات انتظار میں گزار دی لیکن کسی سے شرف نیاز حاصل نہیں ہوا.....

طرف پشت اور سامنے کی طرف منہ کئے میں منٹ بیٹھا..... پھر ساڑھے پانچ بجے صبح تک اسی جگہ کے آس پاس رہا..... صبح کے قریب اسی جگہ..... احاطے کے چبوترے کی دیوار کے ساتھ چھوٹا سا گڑھا کھود کر..... گڑھے کو مٹی سے باٹ دیا..... پانی ساتھ تھا ہی.....

اب ہرن کے شکار کا وقت آ رہا تھا..... میں نے کچھ دیر بعد تیمم کر کے فجر کی نماز ادا کی اور تلاوت و ظائف کرتے ہوئے حرکت کی اور ادھر چلا گیا جدھر ہرن کے شکار کی توقع تھی.....

بھگت گڑھے کے لوگوں کو بھی بھوت کے بارے میں سوچنے سے کوئی روک نہیں سکتا تھا..... ظاہر ہے کہ تین انسانی جانیں اور کئی بھیڑوں کی گمشدگی کسی بھوت کے سرمنڈھ دینا آسان تھا درنحایت کہ کسی جانور کا نشان نہیں ملتا تھا..... نہ مانگھ..... نہ کسی جانور کے نشانات..... وہ غریب دیہاتی بھوت کے سوا اور کیا سوچتے.....

بھگت گڑھے کے بھوت کی خبر عظمت خاں کو پہنچانا دشوار نہیں تھا..... اس قسم کے واقعات جہاں انسانی جان کا اتلاف شامل ہو کسی کی کوشش کے بغیر وہ خبریں پھیل جاتی ہیں..... اس معاملے میں تو بھوت کا تذکرہ بھی تھا..... ان دنوں ایک انگریزی اخبار..... امرت بازار پتربیکا..... شائع ہوتا تھا..... یہ یاد نہیں کہ کس شہر سے شائع ہوتا تھا..... لیکن انٹاری ناگپور اور بھوپال تک پہنچتا تھا..... اس اخبار نے پولیس رپورٹ کے حوالے سے تین گمشدگیوں کی خبر شائع کی..... اردو اخبارات نے اس کے بعد اس خبر پر توجہ دی..... اردو اخبار کا قصہ بھی خوب ہوتا ہے.....

۱۹۴۷ء میں..... میں جبکہ میں پاکستان میں تازہ وارد تھا..... حیدر آباد میں ہی ایک عزیز ملک شریع الدین کے گھر قیام ہوا..... میں اپنے ایک بزرگ عزیز..... سید مسعود علی نقوی صاحب کے ساتھ پاکستان آیا تھا اور ان ہی کے ساتھ قیام تھا.....

شریع الدین صاحب کے دو عدد ترو کہ گھر قبضے میں کیے تھے..... ایک سے ان کا کام اس لیے نہیں چل سکتا تھا کہ اس زمانے میں ان کی دو عدد بیویاں تھیں..... چنانچہ





ان کے بھائی کی مالی حالت بھی مضبوط نہیں تھی..... اس لیے یہ اخبار..... جسے خریدتا تو کوئی بھی نہیں تھا..... زیادہ عرصہ نہیں چل سکا.....

عظمت میاں نے ان خبروں کو اہمیت نہیں دی..... وندھیا چل اور ست پوڑا کے علاقوں میں اس طرح انسانوں کا شکار ہونا..... جانوروں کی خوراک بن جانا..... عام بات ہے..... ان علاقوں میں زندگی کی قیمت اس طرح ادا کی جاتی ہے..... اس کے باوجود ان کی جان کے اتلاف کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا.....

میں ان ہی دنوں تعطیلات گزارنے جشن کا بل جانے والا تھا..... جس کی پاکستان میں بہت تشہیر تھی اور بہت لوگ جایا کرتے تھے..... عظمت میاں کا خط آیا تو اس ”بھوت“ کا انھوں نے سرسری تذکرہ کیا تھا..... لیکن..... میرے لیے ان کا یہ تذکرہ گویا..... دیوانہ را ایک ہوئے بس است..... میں نے کابل جانے کا ارادہ قطعاً ترک کیا..... اور سیدھا ہندوستان ہائی کمیشن پہنچا..... ویزا ہملنے میں دشواری نہیں ہوئی اور وہ بھی تین ماہ کا.....

لاہور سے ٹرین میں بیٹھا..... اور سیدھا بھوپال.....  
عظیم بھائی کے گھر چند روز کھڑی، بھونریاں..... پکوریوں..... اور لوکی کی قلاقند کھائی..... اپنی رائفل چار سو پچاس ایکسپریس صاف کر کے..... پولیس کی ریخ پر تین روز..... روزانہ پانچ کارتوس فائر کیے اور ان کے ایک سپاہی کی معیت میں اٹاری آ پہنچا..... یہاں..... موہن داس سپاہی مجھے اٹاری کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس مہابت خان کے سپرد کر گیا..... مہابت عظیم بھائی کے شاگرد..... اور بڑے شریف انفس پولیس افسر تھے..... انھوں نے تو میری ایسی خاطر مدارات کی کہ مجھے اب تک یاد ہے..... ان کی بیگم..... بھابھی سعادت النساء..... جو پردہ کرتی تھیں..... کیسے عجیب کھانے پکاتی تھیں کہ آدمی کھانے کے ساتھ انگلیاں بھی کھا جائے.....

اب مہابت خاں صاحب سے بات ہوئی تو انھوں نے میرے سن و سال کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا

دونوں کے لیے علیحدہ علیحدہ گھر بھی ضروری تھے..... لیکن دونوں گھر اس طرح متصل..... کہ بیچ کی دیوار میں دروازہ تھا.....

جس گھر میں ان کی بڑی بیگم رہتی تھیں اس میں نو واردان کا خاصا اجاز تھا.....

سید مرحد علی نقوی بمعہ بیگم اور دو عد بچے..... عبدالوحید بمعہ بیگم اور چارہ بچے..... شریع الدین کی بڑی بیگم اور ان کے چند بچے..... اور ان میں ہی میں..... یہ مفصل ذکر میری کتاب ”پانچواں درویش“ میں آئے گا.....

بہر حال..... ایک روز میں پیر آباد کے مشہور بازار..... گھنٹہ گھر کے قریب سے گزر رہا تھا..... کتابوں کی ایک دکان..... رفیق بکڈپو کے مالک..... رفیق احمد سے ملاقات اور بات چیت ہوئی..... انھوں نے مجھے نواب صاحب لوہارو کے بھائی کا نام اور پتہ دیا..... ان کا دفتر قریب ہی تھا..... ان کے اپنے روزنامہ اخبار کے لیے ایک آدمی کی ضرورت تھی جو ریڈیو پر مختلف ملکوں سے خبریں سن کر اردو میں ترجمہ کر کے اخبار کے لیے لکھتا رہے.....

میں اخبار کے ایڈیٹر سے ملا..... پرانے تجربہ کار اخبار نویس تھے..... بزرگ آدمی..... بڑی لمبی داڑھی..... اور مونے شیشوں کی عینک..... ذرا دیر بعد مجھے انھوں نے امتحان کے لیے ریڈیو کے سامنے بٹھا دیا..... میں خبریں سنتا گیا اور لکھتا گیا..... خبریں ختم ہونے کے بعد میں نے ان خبروں پر مبنی..... کئی خبریں مفصل لکھ کر ان کو دکھائیں..... میرا کام ان کے لیے تسلی بخش تھا..... لہذا میرا تقرر ہو گیا..... بعد میں رفیق بک ڈپو نے میری کتاب..... ”منظوم حیات قائد اعظم“ بھی شائع کی.....

اس اخبار کے پاس خبر رسانی کا واحد یہی ذریعہ تھا..... ریڈیو سن کر خبریں لکھی جاتیں..... میں ان خبروں کو نہایت کامیابی کے ساتھ تصنیف فرماتا..... اور مبالغہ آرائی بھی کرتا تھا.....

نواب لوہارو..... غالباً خود بھی تقسیم کے بعد نوابی سے محروم ہو چکے تھے.....



”بھیا..... یہ تو بڑے جفا دیوں کا کام ہے..... تم کا ہے کو اس چکر میں پڑے ہو.....“

”آپ سن لیجئے گا انشاء اللہ کہ میں نے اس جانور کو شکار کر لیا.....“  
 ”جانور..... جانور ہے ہی کب!؟“  
 ”کیا مطلب.....؟“

میں نے حیران ہو کر پوچھا  
 ”بھیا..... جانور تو کوئی کبھی نظر نہیں آیا.....“  
 ”پھر کیا ہے!؟“

”لوگوں کا خیال ہے کہ کسی بھوت پریت کا کام ہے.....“  
 میں ہنس دیا.....

”کیا آپ بھی اس پر یقین کرتے ہیں.....؟“  
 وہ سوچ میں پڑ گئے.....

”پھر کوئی جانور کوئی نشان کیوں نہیں ملتا.....؟“  
 بالآخر انھوں نے التامجھ سے سوال کر دیا.....  
 ”مل جائے گا انشاء اللہ.....“

وہ گہری سوچ میں تھے..... ذرا دیر خاموشی رہی.....  
 ”عظیم نے تم کو جانے سے منع نہیں کیا.....؟“

”وہ تو میری حوصلہ افزائی کرتے ہیں.....“  
 ”اچھا..... اللہ مالک ہے.....“

باوجود یہ کہ میں دو بچوں کا باپ..... اور تجربہ کار شکاری تھا..... لیکن مہابت  
 خاں نے نجانے کیوں مجھے بہت کم عمر سمجھا..... یہ بات میرے لیے بڑی خوشی کا باعث  
 ہونا چاہیے تھی..... لیکن میرے شکار کے تجربے کے پیش نظر نامناسب..... اسی شام  
 کھانے کے دسترخوان پر انھوں نے بتایا.....

”بھیا..... تمہارے بھگت گڑھ جانے کا انتظام کر دیا میں نے.....“  
 ”بہت عنایت.....“  
 ”صبح سات بجے روادگی ہے..... نیل گاڑی کا ہی سارا سفر ہے..... فاصلہ  
 زیادہ ہے.....“  
 ”کتنا.....؟“

”یہی کوئی تیس میل.....“

”اس کا مطلب راستے میں ٹھہرنا ہوگا.....“

”ہاں..... گوڑا ایک گاؤں ہے اٹھارہ میل پر..... وہاں کھیا کا گھر ہے اس  
 میں کبھی میں بھی جاتا ہوں تو ٹھہر جاتا ہوں..... وہیں ٹھہرنا..... رات ہی گزارنا ہو  
 گی..... تمہارے ساتھ دو سپاہی جا رہے ہیں.....“  
 ”سپاہیوں کی کیا ضرورت ہے.....؟“

”اب زمانہ بدل چکا ہے بھیا..... ہم لوگ بھی بہت احتیاط کرتے ہیں.....  
 عظیم میاں صاحب سے بات کرنا..... وہ بھی ریٹائرمنٹ کی سوچ رہے ہیں.....“  
 ”اچھی بات ہے.....“

سپاہیوں کو انھوں نے نہایت کارآمد ہدایات دی تھیں..... اسی لیے ان کا  
 سلوک میرے ساتھ سارا وقت نہایت مودبانہ رہا..... جس کا مزید تذکرہ آگے آئے  
 گا.....

دوسرے دن صبح میں تیار ہو کر نکلا تو گاڑی بھی موجود تھی..... اور دونوں  
 سپاہی بھی..... گاڑی بان کا نام تھا جنگلی..... مسلمان تھا..... یہی کوئی پچاس کی عمر دہلا  
 پٹلا..... مجھے جھک کر سلام کیا..... دونوں سپاہی وردی پہنے تھے..... انھوں نے سلیوٹ  
 کیا..... اسی وقت خاں صاحب بھی نکل آئے..... ان کو تو اور زبردست سلام اور سلیوٹ  
 ہوئے.....

”بھیا..... اپنا خیال رکھنا..... عظیم میاں کے سامنے اللہ مجھے سرخرو کرے.....“

میں ہنس دیا.....

”بھائی میاں آپ تو ایسے گھبرارہے ہیں جیسے میں یقیناً گیا.....“

”خدا نہ کرے..... خدا نہ کرے.....“

پھر انھوں نے دونوں سپاہیوں اور گاڑی بان سے راز دارانہ کچھ دیر گفتگو کی..... اس کے دوران سپاہی وقتاً فوقتاً میری طرف دیکھ لیتے..... یقیناً ان کو میرے بارے میں مزید ہدایات دی جا رہی تھیں.....

ذرا دیر بعد میں ان سے رخصت ہوا.....

آبادی میں تو میں گاڑی پر نہیں بیٹھا..... گاڑی کے ساتھ ساتھ ہی چلتا رہا..... دونوں سپاہی بھی میرے ساتھ رہے..... ایک مسلمان تھا..... ممتاز بٹ..... مشرقی پنجاب میں لدھیانے کا تھا..... دوسرا ہندو..... بھوپال کا تھا لالن..... دونوں اچھے قد کاٹھ کے پنالس پچاس کے پیٹے میں رہے ہوں گے..... بھوپال والے لالن کو یہ جان کر کہ میں بھی بھوپال کا ہوں بڑی خوشی ہوئی تھی وہ دونوں میرے ساتھ اسی ادب سے پیش آرہے تھے جس سے وہ مہابت خاں کے ساتھ پیش آتے ہوں گے.....

آبادی سے چند میل نکل کر میں گاڑی میں بیٹھ گیا..... اب جس راہ پر گاڑی چل رہی تھی وہ کوئی ہائی گریڈ سطح کی سڑک تو تھی نہیں..... کچی سڑک تھی جس پر کنکری کوئی گئی تھی..... لیکن گاڑیوں کی آمدورفت نے دونوں طرف کنکروں کو پیس کر کسی قدر گہرائی پیدا کر دی تھی.....

بیلوں کی رفتار بھی ہمیشہ ایک ہی جیسی ہوتی ہے..... یہی تین سے چار میل فی گھنٹہ..... اگر تیل چھوٹے ہوئے تو تین میل..... قدر آور ہوئے تو چار میل بس..... گاڑی بان ان کے کیل چبھوتا ہے دم مڑوڑتا ہے..... لیکن چند قدم تیز ہونے کے بعد یہ معمول جانور پھر اپنی رفتار سے ہی چلتا ہے..... البتہ جو تیل صرف گاڑی سواری کے ہوتے ہیں وہ خوب چلے ہوئے مضبوط اور بڑے تیز ہوتے ہیں..... یہ پانچ میل بھی کر سکتے ہیں لیکن اوسط وہی چار میل آتا ہے.....



ٹھوٹھی ندی کی نوعیت کی ایک ندی

میں نے پوچھا  
 ”بہت بار جناب..... ایس پی صاحب اور کشنر صاحب کبھی کبھی شکار پر آتے  
 ہیں تو ہم دونوں ہی شکار کا انتظام کرتے ہیں.....“  
 ”اچھا..... تم لوگ تو بہت تجربے کار ہو گے.....“  
 ”جی صاحب.....“  
 ”آپ نے جب بندوق لوڈ کی..... اس وقت ہم سمجھ گئے تھے کہ آپ پختہ  
 شکاری ہیں.....“

لالن نے کہا.....  
 ”ہاں..... جنگل میں بے خبر رہنا اچھا نہیں.....“  
 ”جی جناب.....“  
 ”کیا ان علاقوں میں شیر ہیں.....؟“  
 ”کافی تعداد میں ہیں جناب.....“  
 جنگلی بولا.....

”بیرکنڈ تک کا سارا علاقہ شیروں کا علاقہ ہے صاحب.....“ ”لالن نے  
 کہا“ اور کسی کسی جگہ گلداری بھی ہے..... اور بہت بڑے گلداری ہیں.....“  
 ”تم لوگ پہلے بھی بھگت گڑھ گئے ہو.....؟“  
 ”گئے تو ہیں.....“ ممتاز بٹ بولا..... ”دو بار گئے.....“  
 ”یہ جو تین آدمی گم ہوئے ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے.....؟“  
 وہ تینوں ہی خاموش رہے.....  
 میں بھی ذرا دیر انتظار کرتا رہا..... میں جانتا تھا کہ وہ لوگ بھی غالباً بھوت  
 وغیرہ کے خیال میں ہیں..... آخر میں نے ہی یہ سلسلہ چھیڑا.....  
 ”خاں صاحب کہتے تھے..... وہاں کوئی بھوت یہ کارروائی کر رہا ہے.....“  
 ”ٹھیک ہی ہے جناب.....“

کھیتوں اور فصلوں کے ایک طول طویل سلسلے کے درمیان سے گزر کر گاڑی  
 بالاخرویرانے میں داخل ہو گئی..... اب سپاہی بھی گاڑی پر سوار ہو گئے..... میں آگے کی  
 طرف منھ کیے..... گاڑی بان جنگی کے عین عقب میں بیٹھا تھا..... اور دونوں سپاہی  
 گاڑی کے پیچھے حصے میں..... گاڑی میں خوب موٹا گدا بچھا ہوا تھا..... اس لیے کوئی  
 خاص تکلیف نہیں تھی.....

جنگل شروع ہوا تو میں پہلے بارہ بور کی بندوق نکالی..... اور اس میں کارتوس  
 لگا کر سامنے رکھ لی..... پھر رائفل نکالی اور اس کو بھی لوڈ کر کے ایک طرف رکھ لیا.....  
 سپاہی بغور میری حرکات کا معائنہ کرتے رہے..... بولے کچھ نہیں.....  
 ان دونوں کے ہاتھ میں بھی توڑے دار..... Muzzle Loading  
 بندوقیں تھیں..... جو انھوں نے گاڑی پر اس طرح رکھی تھیں کہ نال کا رخ جنگل کی طرف  
 رہے.....

”آپ تو بہت بڑے شکاری ہوں گے بھیا.....“  
 میں مسکرایا.....  
 ”ہاں شکار کرتا ہی رہتا ہوں.....“  
 شیر چیتا بھی مارا ہو گا.....“ ممتاز بٹ نے پوچھا  
 ”ہاں..... مارا ہے.....“  
 میں اس وقت تک کل پھیلا سٹھ شیر شکار کر چکا تھا..... جس میں تیس سے اوپر  
 آدم خور شیر بھی شامل ہیں..... غالباً اسی تعداد میں چیتے بھی مارے ہوں گے..... مجھے یا  
 نہیں..... اور لا تعداد ریچھ..... اور سور.....!  
 ”تم لوگوں نے.....؟“  
 ”نہیں جناب..... یہ آپ جیسے لوگوں کے کام ہیں..... ہمارے پاس.....  
 توڑے دار بھی بہت بڑی بات ہے.....  
 ”کبھی شیر دیکھا ہے؟“

نیر اکثر دن کے وقت گھومنے پھرنے کے عادی ہو جاتے ہیں.....  
 چشمے کے کنارے ایک صاف سبزہ زار پر جنگلی نے دری بچھا دی..... میں اپنی  
 رائفل ہاتھ میں لے کر ہی گاڑی سے اتر..... اس لیے کہ میں نہیں چاہتا کہ کسی موذی  
 جانور سے اچانک ملاقات ہو اور میں اس کے لیے آمادہ نہ ہوں.....! ویسے بھی مجھے  
 ادھر ادھر چلنا پھرنا اور کسی نہ کسی جھاڑی کی آڑ میں بھی جانا ہی تھا.....  
 چشمہ کیا تھا..... ندی تھی..... پایاب..... اور شفاف..... میں نے مطمئن ہو  
 جانے کے بعد چشمے کے پانی سے خوب اچھی طرح وضو کیا..... اور ذرا دیر ندی کے صاف  
 شیریں اور ٹھنڈے پانی میں پاؤں رکھے بیٹھا رہا..... ان علاقوں کے چشموں اور ندیوں کا  
 پانی کچھ اتنا سرد نہیں ہوتا.....

ایران کے چشموں کا پانی اس قدر سرد ہوتا ہے کہ ذرا دیر اس میں ہاتھ بھگوئے  
 یا پیر ڈالے رہنے کے بعد سردی معلوم ہونے لگتی ہے..... اس لیے کہ وہ پانی برف کا ہوتا  
 ہے..... میں تہران کے قیام کے دوران گرمیوں کے دنوں اکثر بچوں کو اور بیگم کو ساتھ  
 لے کر ”سدفرح ناز“ یا ”کرج“ یا ”منتشک“ چلا جاتا تھا..... البتہ ان کے تعین میں  
 حکومت کا ہاتھ کم..... عوام کا شوق زیادہ کارفرما رہتا ہے.....  
 ایران کے عوام سیر تفریح، پکنگ اور خوش وقتی کے شائق ہوتے ہیں..... اکثر  
 خنک اور نسبتاً گرم شاموں کو گنجان آبادیوں کے لوگ مضافات میں نکل کر کہیں اور نہیں تو  
 سڑک کے کنارے ہی صاف جگہ پر فرش بچھا کر سادہ گرم کرتے ہیں..... اور کھاتے پتے  
 ہیں.....

ایرانی چائے بہت پیٹے ہیں..... اس لیے ہر خاندان ایک سادہ سا ساتھ رکھتا  
 ہے..... جہاں بیٹھے وہاں سادہ میں پانی بھرا اور روشن کر دیا..... ذرا دیر میں پانی گرم  
 ہو جاتا ہے اور چائے کا دور برابر چلتا رہتا ہے..... کھانا پینا ہی ان کی زندگی ہے.....  
 میں نے وہاں دوپہر کا کھانا کھایا..... اس کے بعد دو رکعت قصر ظہر کی نماز ادا  
 کی..... لیکن تمام وقت میں ہوشیار بھی رہا اور گاہ بہ گاہ بیلوں کی طرف دیکھ لیتا تھا.....

ان دونوں نے یک زبان ہو کر کہا.....  
 ”لیکن..... کیا بھوت انسان کو مار کر کھاتا بھی ہے.....“  
 ”کیا معلوم جناب..... ان تینوں کو تو کھا لیا.....“  
 لالہ نے کہا  
 میں ان کی طرف دیکھ کر مسکرایا.....  
 ”کیا تم لوگ بھوت سے ڈرتے ہو.....؟“  
 وہ دونوں حیرت زدہ مجھے دیکھنے لگے.....  
 ”میں تو نہیں ڈرتا.....“  
 میں نے کہا.....

لیکن میرے یہ کہنے سے ان کو اطمینان نہیں ہوا..... یہ میں جانتا تھا.....  
 لیکن اس کے بعد ممتاز بٹ نے بھوت کے قصے سنانا شروع کیے اور ہلاکت  
 کے وہ واقعات بالتفصیل بیان کیے جو میں اس قصے کے آغاز میں تحریر کر چکا ہوں.....  
 لالہ اس کی تائید کرتا جاتا تھا..... بیچ بیچ جنگلی بھی واقعات کی کڑیاں ملاتا جاتا  
 تھا..... یہ بیانات میرے لیے کارآمد بھی تھے اور عجیب بھی..... ابھی تک ان لوگوں کو وہ  
 بھوت نظر بھی نہیں آیا تھا جس نے چند انسانی زندگیوں کے چراغ بجھا دیے تھے.....  
 میں سوچ رہا تھا کہ ایک پتھہ دو کاج..... اگر آدم خور شیر یا چیتا نہیں ہوا تو  
 بھوت تو مل ہی جائے گا..... اور اگر نہ بھی ملا تو اس کو بھگا کر اس کی لنگوٹی پر تو قبضہ کر ہی  
 لوں گا..... بھاگے بھوت کے لنگوٹی ہی بھلی.....!

کورڈا..... ان لوگوں کے بیان کے مطابق اٹھارہ میل تھا..... دوپہر کے  
 قریب ہم لوگ ایک چشمے کے کنارے ٹھہرے..... اس وقت بعد دوپہر کا ایک بج رہا  
 تھا..... اونچے اونچے درخت..... برگد..... نیم پپیل..... اور کہیں کہیں سال..... سال  
 کے درخت بھی بلند و بالا اور خوب گنجان ہوتے ہیں.....  
 سال کے جنگلوں کی گنجائی اور سائے کی وجہ سے ان علاقوں کے رہنے والے

میں پہلے بھی کئی بار لکھ چکا..... جانور..... اپنے دشمن کو خوب جانتے ہیں..... اکثر نیل شیر کی بو خاصی دور سے سونگھ لیتے ہیں..... میں ہمیشہ اس قسم کے جنگلی اشارات پر نگاہ رکھتا ہوں..... امریکہ میں جو لوگ کبھی کبھی میرے ساتھ شکار کو جاتے ہیں وہ میری عادات و حرکات کو تعجب سے دیکھتے ہیں..... لیکن یہ سب حرکات میری طبیعت کا حصہ بن گئی ہیں..... باوجودیکہ کئی سال سے مجھے شیر سے دودو ہاتھ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی اور اب میں غالباً اس کام سے ریٹائر بھی ہو گیا ہوں..... لیکن پچاس سالہ عادتیں اب کیا بدلیں گی..... اور بدلنا بھی نہیں چاہیے اس لیے کہ.....

ہر بیشہ گمان میر کہ خالی ست  
شاید کہ پلنگ خفته با شد

امریکہ کے بعض علاقوں..... کولوریڈو..... وایومنگ..... مائنیا..... نارٹھ ڈکوتا..... وغیرہ کے جنگلوں میں سیاہ ریچھ بڑی تعداد میں ہے..... اور رسائل و اخبارات میں کبھی کبھار انسان پر ان کے حملے اور زیادتی کے قصے شائع ہوتے رہتے ہیں..... ریچھ کے علاوہ بھیڑ کے..... جنگلی کتے..... اور شیر کی قبیل کا کتے سے بڑا..... تقریباً تیندوے کے قد و قامت کا جانور پوما بھی ہوتا ہے..... (PUMA) جسے پہاڑی شیر (MOUNTAIN LION) بھی کہا جاتا ہے..... ان میں سے بعض شیر خوراک ملنے اور سکون و امن ہونے کے باعث کافی بڑے بھی ہو جاتے ہیں.....

بیلوں کو ذرا دیر کے لیے نیم آزاد کر دیا گیا..... بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ان کی رسی دراز کر دی گئی تھی..... پانی بھی پلا دیا گیا..... نیل اکثر پانی کو آلودہ نہیں کرتے..... ان کے برعکس بھیہنس اس کام میں نہایت کثافت دکھاتی ہے..... پانی سے بھیہنس کو خصوصی دلچسپی بھی ہوتی ہے..... تالاب جو ہڑندی نالا..... جہاں داؤ لگے ضرور پانی میں گھس جاتی ہے..... پانی میں گھستے ہی فراغت کا کاروبار شروع کر دیتی ہے..... اور یہ کام بڑی دیر جاری رکھتی ہے..... خدا جانے کس قدر پانی اس کے مٹانے میں بھرا ہوتا ہے.....

کھانے سے فراغت کے بعد میں روانگی کے لیے تیار ہو گیا..... حیرت یہ تھی کہ لالہ..... نے بھی وہی کھانا کھایا جو ہم لوگوں نے نوش کیا..... ندو ہونے کے باوجود اس کی یہ رواداری میرے لیے بڑی تعجب خیز تھی..... لیکن میں نے اس پر تبصرہ نہیں کیا.....

ایک بار پھر نیل گاڑی روانہ ہو گئی..... سارا راستہ مختلف جانور جا بجا نظر آتے رہے..... ہرن..... چیتل..... نیل گائے..... سانپھر ایک جگہ پہاڑی کے دامن میں بارہ سونگھے بھی نظر آئے..... جب کوئی جانور نظر آتا..... لالہ یا ممتاز بٹ کا تقاضا ہوتا کہ ”مار دیجیے صاحب“ جب انھوں نے کئی بار یہ بات کہی تو میں نے ان سے پوچھا.....

”تم ہر جانور کو مار دینے کا تقاضا کیوں کرتے ہو.....؟“

”صاحب شکار ہے.....“

لالہ نے کہا.....

”میں اس شکار کے لیے تو نہیں آمادہ ہوں.....“

”آپ نکلے تو شکار کے لیے ہیں.....“

”میں جس جانور کے شکار کا ارادہ کر کے نکلتا ہوں صرف اسی کو مارتا ہوں..... ایسا نہیں کرتا کہ جو جانور نظر آئے اس کو بے سبب ہلاک کر دوں..... اگر میں ایسا کرنے لگوں تو پھر مجھے شکاری نہیں کہا جائے گا..... تباہ کار کہا جانا چاہیے.....“ وہ لوگ مجھے حیرت سے دیکھتے رہ گئے.....

ہم لوگ عصر کے وقت گورڈا میں وارد ہوئے..... کھیا فوراً ہی آ گیا..... سپاہیوں سے اس کی بات چیت ہوئی..... اس کے بعد اس نے آ کر مجھے سلام کیا..... عظیم کی اور ذرا دیر بعد ہی اس کا وہ کمرہ..... جسے وہ لوگ عزت عام میں کوٹھا کہتے تھے..... کھل گیا..... صفائی کی گئی اور میرا سامان وہاں رکھ دیا گیا..... سپاہیوں کے ٹھہرنے کا انتظام بھی نزدیک ہی کے گھر میں ہو گیا.....

اس کتاب میں صرف ایک شکار کا نہایت مفصل واقعہ ہے..... وہ ہے کہ کولوریڈو میں الک (ELK) کے شکار سے متعلق..... اور ساری کتاب نہایت عمدہ تازہ تصاویر سے مزین ہے..... انشاء اللہ.....

گورڈا میں لنگور بکثرت تھے..... اور بہت پیماک..... گاؤں کی گلی میں ان کا ایک گروہ اتر کر کھانے کے مواقع تلاش کرتا رہا..... میں مغرب سے قبل کمرے سے نکلا..... ہاتھ میں لوڈ کی ہوئی شاٹ گن لیے..... اور اس کنویں کی طرف چلا جس نے نزدیک ہی درخت کے نیچے ہماری گاڑی کھڑی تھی اور اس کے ساتھ ہی نیل بندھے تھے.....

ویسے تو لنگور میری پروانہ کرتے..... لیکن ہندو کو وہ بھی پہچانتے تھے..... میرے باہر نکلتے ہی لنگور بھاگ کھڑے ہوئے..... میں گاؤں کے نزدیک ہی درختوں کے سائے میں گھومتا پھرتا رہا..... اپنے کاموں سے فراغت حاصل کی..... آبادی سے کوئی سو گز پر سرخ رنگ کی لومڑیوں کا ایک جوڑا نظر آیا چونکہ شام نزدیک تھی اس لیے شب بیدار جانور رفتہ رفتہ نکل رہے تھے..... میں ادھر ادھر ٹہلنے کے بعد کنویں کی طرف آیا تو ممتاز بٹ وہاں موجود تھا..... اس نے میرے لیے کنویں سے تازہ پانی نکال دیا تو میں نے جگت پر بیٹھ کر وضو کیا..... اور کمرے میں واپس آ گیا.....

نماز کے بعد جنگلی نے کھانے کے بابت دریافت کیا..... اور کمرے میں ہی چٹائی پر دسترخوان بچھایا گیا..... میں نے اور ممتاز نے وہاں کھانا کھایا..... اور لالین نے کھیا کے گھر کھایا.....!

گاؤں کی شام بڑی خاموش..... افسردہ شام ہوا کرتی ہے..... نہ کوئی رونق نہ چہل پہل نہ روشنی..... رت جگے کا رواج شہر میں ہی ہوتا ہے..... گاؤں والے تو بیچارے جلد ہی سناٹا کر کے سو جاتے ہیں..... ویسے بھی ان کو صبح منھ اندھیرے اٹھنا ہوتا ہے.....

صبح میں جب اٹھا تو پانچ بجے کا وقت تھا..... رات نیند اچھی آئی..... مجھے نیند

وہاں سے بھگت گڑھ بارہ پندرہ میل تھا..... عصر کی نماز میں نے اس کمرے میں ادا کی..... اس کے بعد نوٹ بک کھول کر بیٹھ گیا اور وہ یادداشتیں بناتا رہا جو کئی دن سے التوا میں رہ گئی تھیں..... ان یادداشتوں کا ہی نتیجہ ہے کہ اب یہ داستانیں بیان کی جاتی ہیں.....

لیکن..... ہندوستان میں شکار کا یہ قصہ گویا شیر یا چیتے کے شکار کا آخری واقعہ ہے..... یہ سلسلہ اس قصبے کے ساتھ ختم ہو رہا ہے..... میرا آئندہ ہندوستان جانا بھی مشکل اور شیر کا شکار کرنا ناممکن ہو چکا ہے..... اگرچہ اب بھی جگہ جگہ شیر آدم خور ہوتے رہتے ہیں لیکن ان کو مقامی تدابیر کے ذریعے یا تو گرفتار کر دیا جاتا یا ہند کے گیم ڈپارٹمنٹ کا کوئی افسر ہی اس کو مار لیتا ہے..... جن لوگوں کے اثر و رسوخ کے ذریعے میں شکار کر لیتا تھا وہ لوگ بھی بیشتر یا تو ہندوستان ترک کر چکے..... یا ریٹائر ہو کر اپنا اثر کھو چکے..... یا کچھ وفات پا گئے..... ہندوستان میں اب کوئی ایسا عزیز رشتہ دار..... یا دوست باقی نہیں رہا جو میرے لیے شیر کے شکار کا انتظام کرے.....

ویسے بھی..... چونسٹھ سال کی عمر کو پہنچا..... اب وہ برداشت، طاقت اور پھرتی باقی نہیں رہی جو کبھی ہوا کرتی تھی..... مجھے اصولاً بھی شیر کے شکار سے ریٹائر ہو جانا چاہیے..... البتہ..... شکار سے میں کبھی ریٹائر نہیں ہونے کا..... انشاء اللہ.....

اب آدم خور شیروں کے قصبے تو ختم ہو گئے..... کتابیں تو انشاء اللہ ضرور شائع ہوں گی اور شکار جاری ہی رہے گا..... لیکن اب قصوں کا تعلق بیشتر امریکہ سے ہو گا..... یا ان ممالک سے جہاں میں شکار کے لیے جاؤں..... میں فرضی افسانے نہیں لکھتا..... شکار سے متعلق میرے لکھے ہوئے سارے قصبے حقیقت پر مبنی واقعات ہیں جو میں اپنے شکار کے بارے میں قلم بند کرتا رہتا ہوں.....

اس کتاب ”شکار شاہ کار“ کے بعد..... شکار کے متعلق جو کتاب زیر تحریر آنا ہے..... انشاء اللہ تعالیٰ..... وہ ہے:

”بلندیاں..... اور سائے.....“



کی شکایت ویسے بھی کبھی نہیں ہوتی..... سونے کی نیت سے لیٹتا ہوں تو چند منٹ میں نیند آ جاتی ہے اور خوب گہری نیند سوتا ہوں اور صبح جس وقت بیداری کا ارادہ کروں اسی وقت آنکھ کھل جاتی ہے.....

میں نے بندوق اٹھا کر لوڈ کی..... کمرے میں چلنے والی مٹی کے تیل کی لالٹن نے ایک خاص قسم کی تیل آمیز بو پھیلارکھی تھی..... میں نے دروازہ کھولا تو تازہ ٹھنڈی ہوا کا جھونکا یوں کمرے میں گھسا جیسے وہ ساری رات دہلیز پر بیٹھ کر اندر آنے کا انتظار کرتا رہا ہو..... میں نے ذرا دیر پر دروازہ کھلا رہنے دیا..... تاکہ نہ صرف کمرے کی ہوا بدل جائے بلکہ میری نظر باہر کی اندھیری فضا میں ملی جلی ستاروں کی ملگجی روشنی سے آشنا ہو جائے..... ویسے بھی جنگل کے دیہاتوں میں یکبارگی گھر سے باہر نکل آنا اچھا نہیں ہوتا..... ذرا توقف کر کے دیکھ بھال کر کے قدم باہر نکالنا بہتر ہوتا ہے.....

دروازے سے باہر قدم رکھتے ہی نزدیک سے ایک کتے نے بھونکنے کا سلسلہ شروع کر دیا..... لیکن یہ زیادہ دیر قائم نہیں رہا.....

یہ بات نہیں کہ میں سب سے پہلے بیدار ہوا تھا..... گاؤں کے اکثر لوگ اٹھ چکے تھے..... وہ لوگ صبح خیز ہوتے ہیں..... اپنے روزمرہ کے کام منہ اندھیرے ہی شروع کر دیتے ہیں.....

ایک کسان بل کاندھے پر رکھے بیلوں کو ہنکا تا گلی سے گزر گیا..... جانوروں کے باڑوں میں بھی کسی قدر حرکت معلوم ہوتی تھی..... لوگ چارے پانی کا انتظام کر رہے ہوں گے..... کسی گھر سے دودھ بلونے کی آواز آنے لگی تھی.....

میں نزدیک ہی اپنے کام ختم کر کے کنویں پر آ گیا..... صابن اور تولیہ میں ساتھ لایا تھا..... کنویں پر دو عورتیں پانی بھر رہی تھیں..... مجھے دیکھ کر انھوں نے چہرے پر گھونٹ کھینچ لیا..... لیکن ان کو اتنا خیال ضرور تھا کہ ڈول بھر کر میری طرف رکھ کر ہٹ گئیں.....

کنویں سے جو تازہ پانی نکلتا ہے وہ ہمیشہ سردیوں میں نیم گرم ہوتا ہے..... گرمیوں میں وہی پانی سرد ہو جاتا ہے..... میں نے کسی جیولا جسٹ سے قدرت کے اس انتظام کے بارے میں سوال نہیں کیا..... لیکن تعجب ہمیشہ ہوتا رہا..... اسی وقت بھی جو پانی ان عورتوں نے کھینچ کر مجھے دیا نیم گرم تھا..... اچھا خاصا نیم گرم..... میں نے خوب اطمینان سے ہاتھ منہ دھوئے..... پھر وضو کیا..... اور بندوق ہاتھ میں لئے اپنے کمرے میں آ گیا.....

اب مشرق کی وسعتوں پر روشنی کی چمکدار فوج نے ظلمت شب کا لباس چاک کر دیا تھا..... اور اندھیروں کے لشکر میں افراتفری شروع ہو چکی تھی.....

میں نے فجر کا دو گانہ نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کیا..... اس کے بعد وظائف و تلاوت میں مشغول رہا..... اس دوران صبح ہو گئی تھی..... ممتاز اور جنگی دونوں کمرے کے کھلے دروازے سے جھانک کر جا چکے تھے..... اور میں ابھی لباس تبدیل کر ہی رہا تھا کہ جنگی ناشتے کی کشتی اٹھائے آ گیا..... ممتاز بھی ساتھ تھا..... میں نے لباس تبدیل کر کے ناشتہ کیا..... اور تھوڑی دیر بعد ہم لوگ اس گاؤں کو خیر باد کہہ کر بھگت گڑھ کی طرف چل نکلے.....

گاؤں کے کھیتوں سے گزرتے ہی نیل گاہوں کا ایک مندا ملا..... ان کے پیٹ خوب پھولے ہوئے تھے یقیناً انھوں نے کسی فصل پر بشخون مارا تھا..... نیل گائے..... نہایت کھبوڑ..... یعنی پُر خور..... جانور بے مسلسل کھائے جاتا ہے..... اور بے حد کھاتا ہے..... دس بارہ نیل گائے اگر کسی کھیت میں رات کو گھس جائیں تو صبح تک اس کھیت کا اور ساتھ ہی کھیت کے مالک کا بیڑا غرق کر دیتے ہیں..... اس لیے فصل نکلتے ہی کسان اپنے کھیتوں کے نزدیک ایک چوبارے یا چان بنا کر ان پر رات گزارتے ہیں اور اگر رات کو نیل کھیت پر حملہ کریں تو ان کو ٹین بجا کر یا اور کوئی آواز کر کے بھگاتے ہیں.....

برما میں شمال مشرق کے جس علاقے میں شکار کے لیے میرا جانا ہوا وہاں گنے

کی فصلیں تھیں اور ان پر جنگلی ہاتھی حملہ آور ہوتے تھے..... ان کو بھگانے کے لیے فصلوں کے مالکان نے دھماکے سے پھنسنے اور آواز کرنے والے پٹاکے بنا رکھے تھے..... میں رات کو ان دھماکوں سے ہی اچانک گھبرا کر اٹھ بیٹھا خیال آیا برما میں بھی تو غار کا وہ سلسلہ نہیں چل نکلا جو ان دنوں کمبوڈیا میں جاری تھا..... میرا میزبان ملٹن تو بھی نزدیک ہی سو رہا تھا.....

میرے اٹھنے سے اس کی آنکھ بھی کھل گئی.....

”کیا بات ہے.....؟“

اس نے پوچھا

”دھماکے ہو رہے ہیں..... یہ فائر تو نہیں ہیں..... پھر کیا ہیں.....؟“

”اوہ..... سو جاؤ..... یہ گنے کے کھیتوں پر ہاتھیوں کو بھگانے کے لیے دھماکے کیے جا رہے ہیں.....“

میں مطمئن ہو کر لیٹ گیا..... صبح ملٹن نے یہ بات بالتفصیل بتائی.....!

سردی کے زمانے میں سانپ نہیں ہوتے..... خصوصاً ابتدائے سرما سے آغاز بہار تک سارے سانپ گہرے گڑھوں اور سوراخوں میں گھسے رہتے ہیں..... اگر کوئی دن بہت گرم ہو تو کبھی کبھی کو برا بلکہ کنگ کو برا نکلتا ہے..... اور کوئی سانپ نہیں نکلتا.....!

میں سانپ سے ہمیشہ گھبراتا ہوں..... اور اس کے نظر آتے ہی اس کو ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہوں..... امریکہ کے جن علاقوں میں اب مجھے شکار کے مواقع ملتے ہیں وہاں سانپ نہیں ہوتے..... اس لیے کہ سخت سردی ہوتی ہے..... سانپ ان دنوں میں نہیں نکلتا.....

گاڑی کا راستہ اب واضح تو تھا لیکن بہت ناموار..... پھر بھی میں گاڑی میں ہی رہا..... ممتاز اور لالہ بھی گاڑی ہی میں رہے..... یہاں سے راستہ ایک پایاب ندی کے کنارے پر ہولیا تھا..... جو پہاڑیوں کے درمیان بل کھاتی چلی گئی تھی..... اس ندی میں بھی گہرائی قطعی نہیں تھی اور اس کا باٹ بھی خوب چوڑا..... کوئی بیس پچیس گز کا تھا

جس میں سفید سفید پتھروں کا بستر تھا..... پانی کی ایک تیز روانی ایک کنارے کے ساتھ ساتھ رواں تھی..... وہاں پانی کی گہرائی پانچ سات انچ رہی ہوگی..... اس قسم کی ندیوں میں..... جن کو چشمہ کہنا بہتر ہے..... پانی بہت معطر اور صاف ہوتا ہے.....

میں ان چشموں کے پانی کا پینا اور استعمال کرنا جائز سمجھتا ہوں اس لیے کہ ان جنگلوں میں نہ تو پانی میں کسی قسم کی آلودگی ہوتی ہے نہ کوئی انسان اس پانی میں کچھ ملاتا ہے..... جنگل کے جانور اس کو پیتے ضرور ہوں گے..... لیکن اس کا بہاؤ..... اور ہوا مل کر اس کو خالص بناتے اور پاک کرتے رہتے ہیں.....

الف لیلہ و لیلہ میں ایک واقعہ اس سے متعلق لکھا ہے..... وہ یوں کہ ایک شہزادہ اپنے لشکر سے چھڑ گیا..... گرمی کے دن تھے..... پیاس سے سخت پریشان تھا..... اس کے ہاتھ پر اس کا شکاری باز بیٹھا تھا وہ بھی بیچارہ بے زبان..... چونچ پھیلانے ہانپ رہا تھا..... گھوڑا بھی خستہ ماندہ ہو رہا تھا..... تلاش کرتے کرتے آخر وہ ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں دو چٹانوں کے درمیان سے ایک ایک قطرہ کر کے پانی ٹپک رہا تھا.....

شہزادے نے جلدی سے تھیلے میں سے چاندی کا پیالہ نکالا اور پانی کے نیچے کر دیا..... تھوڑی دیر بعد پیالے میں ایک گھونٹ پانی جمع ہو گیا..... شہزادے نے چاہا کہ وہ پانی پئے..... ہاتھ پر بیٹھے ہوئے باز نے اپنا ایک بازو مار کر پیالے کا پانی گرا دیا..... شہزادے کو بڑا غصہ آیا..... اس نے باز کو برا بھلا کہا..... اور پیالہ پھر پانی کے نیچے کیا..... قطرہ قطرہ ٹپک کر پیالے میں جمع ہونے لگا..... دوبارہ جب وہ ایک گھونٹ ہو گیا تو شہزادے نے پانی پینا چاہا..... باز نے دوبارہ پیالے پر بازو مارا کہ پانی گر گیا..... اب تو شہزادہ غصے سے بے قابو ہو گیا.....

اس نے باز کو پکڑ کر زمین پر ایسا چٹکا کہ وہ بیچارہ فوراً ہی مر گیا..... شہزادے نے اس کو اور دو چار برے الفاظ کہے..... اور پیالہ پھر پانی کے نیچے کیا..... قطرہ قطرہ اس میں ٹپکنے لگا..... ابھی ایک ہی لمحہ گزرا تھا کہ ایک سوار اس طرف سے گزرا..... شہزادے کو دیکھ کر رک گیا..... سلام دعا ہوا..... پھر وہ بولا.....

”میں گرتی ہے.....“  
”ہوں.....“

”اب سارا راستہ اس کے کنارے کنارے ہی ہے  
وہ علاقہ مارا پہاڑی ہے..... وندھیا چل کی جنگل سے ڈھکی پہاڑیاں.....  
سنگاں پہاڑ..... اور ان کے سخت سینوں سے پھوٹا شفاف شیریں پانی.....

یہ واقعہ ہے کہ جس قدر قدرتی حسن اللہ تعالیٰ نے اس علاقے کو بخشا ہے وہ  
اور کہیں کم دیکھنے میں آیا..... الا یہ کہ امریکہ یا کینڈا میں یہ حسن تلاش کیا جائے..... کہنے  
کو وسط ہند کے علاقے گرم ہیں..... لیکن بارش کی کثرت..... اور اس کے نتیجے میں پانی  
کی افراط نے ان علاقوں کی وادیوں اور گھائیوں میدانوں اور پہاڑی دامنوں کو اس قدر  
کثیر درخت..... جن میں بے شمار پھل دار درخت ہوتے ہیں اور سبزہ و پھول عطا کیے  
ہیں کہ ان کو فریفتہ ہو جانے کو دل چاہتا ہے.....

پاکستان کے وہ علاقے جو شمال مغرب کی طرف ہیں..... وہاں بھی حسن کا یہی  
عالم ہے..... بلکہ سوات..... ایبٹ آباد..... کوہ مری کے بھی شمال کے علاقے.....  
چترال..... اور گلگت و اسکردو وغیرہ جہاں جہاں میں گیا ہوں..... سارے علاقے  
قدرت کی فیاضی سے سرفراز ہیں..... میرے پاس ان علاقوں کی صد ہا تصاویر تھیں.....  
افسوس کہ آتشزدگی کے باعث میرے سارے البم جل کر خاک ہو گئے.....

مجھے تو اب اس دریا کا نام بھی یاد نہیں رہا جو کالام کے ہوٹل کے نیچے سے گزرتا  
ہے..... ہوٹل کسی قدر بلندی پر تھا..... اس کے ساتھ سڑک اور سڑک کے بعد دریا.....  
نجانے وہ دریائے سوات ہے یا دریائے کابل..... یا جو کچھ لیکن اس کا پانی بھی شفاف  
مرد اور شیریں ہے..... اتنا سرد کہ اس میں نہانا ممکن نہیں.....

میں ان علاقوں میں کافی سفر کرتا رہا اور شکار بھی کرتا رہا..... لیکن وہ زمانہ جبکہ  
میں شکار کے لیے جاتا تھا..... ریاستی دور تھا اور میرا آف حزرہ..... جن کا نام اب مجھے  
یاد نہیں..... حکمران ہوا کرتے تھے..... شکار کی اجازت کے لیے خود ان سے مل کر

”تم پیاسے ہو.....“  
”ہاں.....“

”اور تمہارا باز مر گیا..... بچارا پیاس سے مرا ہو گا.....  
”نہیں..... میں نے اس کو سزا میں قتل کر دیا.....“ شہزادے نے جواب

دیا.....

”کیوں.....؟“ اجنبی سوارے نے پوچھا  
”میں نے دو مرتبہ پیالے میں پانی جمع کیا..... اور دونوں بار اس بدتمیز نے  
پیالے پر بازو اس طرح مارا کہ پانی گر گیا..... میں بدستور پیاسا رہا.....  
وہ شخص ہنسا.....

”بھلے آدمی..... وہ پرندہ تو بڑا وفا دار تھا..... یہ پانی زہر آلود ہے.....  
چٹانوں کے اوپر ایک سانپ مرا پڑا ہے جو سڑ گیا ہے..... اس پانی میں اس کا سڑا ہوا  
عرق اور زہر ملا ہے..... باز تو تمہاری جان بچا رہا تھا..... تم نے اسی کی جان لے  
لی.....“

شہزادے نے پیالہ پھینک دیا..... اور باز کی لاش اٹھا کر اسے حسرت بھری  
نظروں سے دیکھا..... اور اپنی غلطی پر سخت نادم و غمگین ہوا.....  
اس قصے میں حقیقت ہو یا نہ ہو..... لیکن یہ سبق ضرور ہے کہ ہر پانی پر اعتبار کر  
لینا درست نہیں..... میں جن چشموں کے پانی کا تذکرہ کر رہا ہوں وہ ایسے ہی ہوتے  
..... تیز بہاؤ والے رواں دواں چشمے اور ندیاں ہوتی ہیں.....

لیکن احتیاط اچھی عادت ہے.....!  
لالن نے ندی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا.....  
”یہ گھوٹھی ندی ہے.....“

”پانی تو صاف ہو گا.....“ میں نے پوچھا  
”جی ہاں..... پانی تو صاف ہوتا ہے..... میلوں اسی طرح بہتی ہے..... زربدا

درخواست کرنا ہوتی تھی..... ان سے دو ایک بار ملاقات ہوئی..... اجازت تو انھوں نے بادل نخواستہ دی..... لیکن کئی بار ملے ہی نہیں..... والی ریاست تھے..... میری کوئی سرکاری یا درباری حیثیت نہیں تھی وہ تو امریکی ادراہ بین الاقوامی برائے ترقیات کی برکت تھی اس کے نام سے شناخت بھی ہوتی تھی اور عزت بھی..... اس کی وجہ..... صرف امریکہ..... امریکہ کا نام ہر جگہ ہر موقع پر مشکلات کا حل ثابت ہوتا تھا.....

اسی طرح چترال میں بھی ریاستی کاروبار کا دور تھا جب میں شکار کو پہنچا اور ”بہتر چترال“ سے شکار کی اجازت کا مسئلہ پیش ہوا.....

البتہ..... ان سب والیان ریاست میں سب سے خوش اخلاق اور دلچسپ شخصیت میر آف حنزہ کی تھی..... جن سے دو تین بار شرف ملاقات حاصل ہوا اور وہ جب بھی ملے اس حسن اخلاق سے جیسے بہت عرصے سے مجھے جانتے ہوں..... میں دوبارہ حنزہ گیا..... اور مارکو پولوشیپ کے لیے کوشاں رہا..... شکار نہیں ہوا..... میں نے مارکو پولوشیپ دیکھے ضرور..... ایسے خوش نصیب شکاری بھی دنیا میں معدودے چند ہی ہوں گے جن کو مارکو پولوشیپ کا دیدار خود ان کے قدرتی علاقے میں نصیب ہوا..... ہر ایک امریکی دوست گورڈن گارلک بھی ساتھ تھا..... گورڈن گارلک ان دنوں واشنگٹن اسٹیٹ یونیورسٹی کے دفتر میں لاہور میں کام کرتا تھا..... وہ ویٹری ڈاکٹر تھا اور پنجاب یونیورسٹی کے ویٹری کالج کی ترقی و توسیع کے منصوبوں میں امریکی مشاور کے طور پر متعین تھا.....

گورڈن گارلک شیر کے شکار کے لیے بھی ہندوستان گیا تھا..... اور لائسنس لینے اور متعلقہ امور کے علاوہ گائیڈ اور قیام و طعام کے لیے کافی پیسہ خرچ کیا..... رائفل کے بارے میں مجھ سے مشورہ کیا میں نے اس کو کم از کم تین سو پچھتر ہالینڈ اینڈ ہالینڈ ممکن ہو تو چار سو پچاس ایکسپریس خریدنے اور لے جانے کا مشورہ دیا تھا..... لیکن ان نے انھیں دنوں امریکہ کی ایک نو ایجاد رائفل تھری ہنڈرڈ ویڈابی میگنم کے بارے میں بڑے تھا جس کے بارے میں ویدربی کے کارخانے نے بہت مبالغے کے ساتھ تشہیر کی تھی۔

اس نے یہی رائفل امریکہ سے منگوائی اور نجانے کہاں لے جا کر اس کو فائر بھی کرتا رہا..... وہ یہی رائفل لے کر شیر کے شکار پر گیا تھا..... لیکن اس کو دس روز کوشش کے باوجود شیر نظر نہیں آیا..... مجھے یقین تھا کہ اگر شیر نظر بھی آ گیا اور اس نے فائر بھی کیا تو شیر زخمی ہو کر بھاگ جائے گا اور گارلک صاحب یا جو زخمی شیر کو تلاش کرنے کی ہمت ہی نہیں کر سکیں گے..... باقی بھی تو نامراد ہونا پڑے گا..... زخمی شیر کو تلاش کرنا بہت تجربے مہارت اور ہوشیاری کا کام ہے.....

شیر کے شکار میں جو ناخوشگوار بلکہ افسوس ناک واقعات ہوتے تھے ان میں سے نوے فیصد زخمی شیر کی تلاش میں پیش آتے تھے..... خود میرے شیروں کے شکار کے ضمن میں جو چند نہایت افسوس ناک یادیں ہیں وہ ان واقعات کی ہیں جو زخمی شیر کی تلاش کے دوران ہی پیش آئے.....!

تھری ہنڈرڈ ویدربی میگنم..... شروع میں تو تشہیر اور تبلیغ کے نتیجے میں توجہ کا باعث بنی تھی..... لیکن اب جبکہ میں خود امریکہ میں مقیم..... ہر وقت ہتھیاروں کے وسائل کا مطالبہ کرتا اور خود شکار کے کاروبار میں مشغول ہوں..... تھری ہنڈرڈ ویدربی میگنم کا کوئی مقام میری نظر میں نہیں ہے..... آج بھی تین سو پچھتر ہالینڈ اینڈ ہالینڈ میگنم دنیا کی بہترین اور اعلیٰ ترین رائفل ہے جس کو چھوٹے اور بڑے ہر شکار میں استعمال کیا جاسکتا ہے..... میرے پاس اس بور کی ایک رائفل ہے.....

اچھی رائفل کی قیمت امریکہ میں اس وقت تقریباً پندرہ ہزار ڈالر ہے..... خود ہالینڈ اینڈ ہالینڈ کارخانے کی بنائی ہوئی رائفل کی قیمت اسی ہزار ڈالر کے قریب ہے..... یہاں بھی یہ رائفلیں صرف میلرز ہی خریدتے ہیں.....

یہ کتاب میں ستمبر ۱۹۹۵ء میں قلم بند کر رہا ہوں..... پاکستان کے سیاسی، اخلاقی، معاشرتی..... وغیرہ..... حالات کے بارے میں رسائل جو کچھ مجھے بتا رہے ہیں ان کا مطالعہ میرے لیے کس قدر ہیبتناک ہے اس کا کسی کو شاید ہی اندازہ ہو سکے..... کراچی..... کشت و خون کا شہر ہے..... دن رات لاشوں پر لاشیں گزر رہی

ہیں..... نہ کسی کی جان محفوظ ہے نہ عزت و آبرو..... نہ مال.....  
نہ گھر کے اندر تحفظ ہے نہ گھر کے باہر.....!

اب تک پاکستان میں جتنی حکومتیں بن چکی ہیں وہ ساری خراب کار تھیں.....  
لیکن وہ رسائل اور اخبارات جو میرے مطالعے سے گزر رہے ہیں ان کے مطابق موجودہ  
حکومت ان سب سے بدترین حکومت ہے..... اور نا اہلوں..... خود غرضوں..... آبروریزی  
رشوت ستانی، ذخیرہ اندوزی، اقربا پروری اور بے ایمانی کا دور ہے..... اور کوئی کسی کا  
پرساں حال نہیں.....!

ان حالات سے متاثر ہو کر میں نے ایک طویل نظم لکھی ہے جو ان دنوں  
کتابت کے مرحلے میں ہے اس کے بعد طباعت..... پھر اشاعت..... انشاء اللہ  
تعالیٰ..... ممکن ہے اس کے پڑھنے سے کسی ایک کی اصلاح ہو سکے..... ایک شخص بھی  
متاثر ہو سکا تو یہ میری کامیابی ہوگی.....

جیسا کہ میں نے گذشتہ صفحات میں لکھا..... شیر کے شکار کے قصے اس واقعے  
کے ساتھ اختتام کو پہنچتے ہیں..... الحمد للہ..... لیکن میری کتابیں پڑھنے والوں کی بڑی  
تعداد مصر ہے کہ شکار کے بارے میں شائع شدہ وہ دو کتابیں جو تیس سال پہلے  
لاہور کے ایک ناشر نے شائع کی تھیں اور اب کہیں دستیاب نہیں ہیں ان کو دوبارہ شائع  
کراؤں..... چنانچہ میں ان دو کتابوں کی تلاش میں ہوں..... اگر مل گئیں تو ان کو دوبارہ  
مفصل لکھ کر مقبول اکیڈمی کے سپرد کردوں گا انشاء اللہ تعالیٰ.....

پاکستانی ناشران نہ صرف یہ کہ مصنف کو نہایت رقیں دے کے بیوقوف بنا  
دیتے ہیں بلکہ ان کی تصانیف اور تالیفات پر ”جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ“ کی مہر ثبت کر  
کے کتاب کو ہمیشہ کے لیے اپنی ملک میں شامل کر لیتے ہیں.....

مجھے میرے ایک قاری نے لاہور سے خط میں لکھا کہ قانون کے مطابق ناشر  
کتاب پر بے شک ”جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ“ لکھ لے..... لیکن اس کتاب کے حقوق  
ناشر کے اختیار میں دس سال تک رہتے ہیں..... اس کے بعد وہ حقوق مصنف کو واپس

مل جاتے ہیں..... ان کے خیال میں قانون ایسا ہی ہے..... میری تو ساری تصنیفات  
تالیفات پر جملہ حقوق ناشر کے حق میں ہی محفوظ ہیں..... میرا کوئی اختیار نہیں اور ان بے  
شمار کتب سے مجھے جو مالی منفعت حاصل ہوئی اس کا خیال ہی خیالت کا باعث ہے.....  
تاہم مجھے کوئی شکایت نہیں..... مجھے اللہ تعالیٰ سبحانہ نے اتنا سرفراز فرمایا کہ  
کتابوں سے منفعت ہونے یا نہ ہونے سے مجھے فرق نہیں پڑتا..... میں اللہ تعالیٰ کا شکر  
گزار بندہ ہوں.....

لیکن تذکرہ اس نا انصافی اور دھوکے بازی کا ہے جو مصنفین و مولفین کے  
ساتھ کیا جاتا ہے..... اور مصنف صرف اس خیال سے کہ کم از کم نام تو ہو جائے گا کتاب  
کے جملہ حقوق ناشر کے سپرد کر دیتا ہے.....

میرا بھی یہی حال ہے..... میری کتاب کوئی ناشر شائع نہیں کرتا..... غالباً  
میری کتابیں اس قابل نہیں ہوتیں کہ ان سے کسی ناشر کو فائدے کی امید ہو..... یا چھپنے  
کے بعد وہ خوب فروخت ہو سکیں..... لہذا کوئی ان کو شائع نہیں کرتا..... مقبول اکیڈمی کا  
شاید کوئی ایسا ذریعہ ہو کہ وہ سو دو سو کاپیاں کسی کے سر تھوپ کر اپنا خرچ نکال لیتے ہیں  
..... اس لئے وہ میری کتابیں بھی شائع کرتے جاتے ہیں..... اور ہر کتاب پر ”جملہ حقوق  
محفوظ“ لکھ لیتے یہ فرض کر کے کہ میں ان تمام باتوں سے بے نیاز ہوں..... یا یہ کہ  
پانے تعلقات کی بناء پر اعتراض نہیں کر سکتا..... مجھے کم از کم یہ سکون ضرور ملتا ہے کہ  
میری کتاب شائع ہو جاتی ہے.....!

بیل گاڑی..... تناور گھنے درختوں کے سائے میں..... گھونگھی ندی کے شاداب  
ابن پر چلی جا رہی تھی..... کبھی کبھی جنگلی خاں کی بیلوں کو ڈانٹتے یا دھمکانے کی آواز  
ہوتی ورنہ اب ہم سب خاموش تھے..... میں جنگلی کے عین پیچھے گاڑی کے اگلے حصے میں  
مانسنے کی طرف منہ کئے بیٹھا تھا..... رائفل میرے ساتھ اس طرح رکھی کہ فوراً اٹھائی جا  
سکے..... شاٹ گن بھی لوڈ کی ہوئی ساتھ ہی رکھی تھی..... سپاہی مجھ سے کسی قدر ہٹے  
وئے گاڑی کے عقبی حصے میں بیٹھے تھے..... ان کی بندوقیں بھی ساتھ رکھی تھیں.....

ہڈی کی طرف نکلے چلے گئے۔ شیر کی پیشانی سامنے تھی۔۔۔۔۔ اور مجھے دیکھ کر وہ بھی رگ گیا۔۔۔۔۔ اس کا رکنا ہی اس کے حق میں موت کا پیغام ثابت ہوا۔۔۔۔۔ چار سو پچاس ایکسپریس کی گولی سیدھی اس کے سر میں لگی۔۔۔۔۔ اور وہ جہاں تھا وہیں کچی دیوار کی طرح گر گیا۔۔۔۔۔ میں اس کے تشعشع اور جانکی کی کیفیت سے واقف ہوں۔۔۔۔۔ لیکن فوراً ہی میں ہٹ کر کوئی دس قدم پر ایک درخت کے تنے کی آڑ میں آ گیا۔۔۔۔۔ اور وہاں سے شیر کو نشانے پر لئے رہا۔۔۔۔۔ تانیکہ شیر کی جان نکل گئی اور اعضا ڈھیلے ہو گئے۔۔۔۔۔

میں نے برقع کھول کر فائر کیا ہوا کارتوس نکال کر دوسرا لگا دیا۔۔۔۔۔ برقع بند کر کے گھوڑے چڑھائے اور نال شیر کی طرف کر کے آمادہ کھڑا رہا۔۔۔۔۔ اس وقت مجھ کو نہ گاڑی یاد تھی نہ ممتاز اور لالہ۔۔۔۔۔ نہ میں کسی طرف دیکھنے کے لیے تیار تھا۔۔۔۔۔ لیکن بے خبر میں کبھی نہیں ہوتا۔۔۔۔۔

جس درخت کے تنے کی آڑ میں کھڑا تھا۔۔۔۔۔ اس پر۔۔۔۔۔ چھال پر نیچے رگڑنے کی آواز آئی اور چھال کے کچھ ٹکڑے مجھ پر گرے۔۔۔۔۔ میں گھبرا کے پیچھے ہٹا۔۔۔۔۔ اور ایک چھوٹی بیل کی خشک جڑ سے الجھ کر چاروں شانے چت زمین پر گر گیا۔۔۔۔۔ رائفل ہاتھ سے نکل کر ساتھ ہی گری۔۔۔۔۔ خدا کی عنایت کہ اس طرح گرنے کے بعد بھی فائر نہیں ہوئی۔۔۔۔۔

میں گرا تو ضرور۔۔۔۔۔ لیکن گرتے ہی میں کس پھرتی کے ساتھ زمین سے اٹھا ہوں اس کا بیان کرنا بھی ممکن نہیں۔۔۔۔۔ بعد میں اپنی تیز رفتاری بلکہ سیرع حرکت پر دل ہی دل میں خوب ہنسا۔۔۔۔۔ اٹھتے اٹھتے میں نے رائفل اٹھائی۔۔۔۔۔ نال دیکھی تو مات تھی۔۔۔۔۔ اب میں نے درخت کے اوپر کی طرف دیکھا۔۔۔۔۔

اللہ اکبر۔۔۔۔۔!

سیاہ ریچھ۔۔۔۔۔ درخت پر۔۔۔۔۔ نیچے اترنے کو تیار۔۔۔۔۔!

غالباً وہ نیچے اتر رہا تھا۔۔۔۔۔ اس کے پنجوں کی رگڑ سے درخت کی چھال ٹوٹ کر لیزے مجھ پر گرے تھے۔۔۔۔۔ اس عرصے میں ریچھ نے میرے گرنے کی آواز سنی ہوگی

ہمیں گاؤں سے روانہ ہوئے کوئی دو گھنٹے گزر چکے تھے۔۔۔۔۔ اس بار میرے ساتھ پان نہیں تھے اس لئے بار بار منہ میں کچھ ہونے کی خواہش ہوتی۔۔۔۔۔ ایک بار گاڑی دو پہاڑیوں کے درمیان گھائی سے گزرنے لگی تو میری نظر ان جھاڑیوں پر پڑی جن میں چرندچکی کے پھل بکثرت تھے۔۔۔۔۔ میں نے جنگلی سے کہا گاڑی روکے۔۔۔۔۔ اس نے راس کھینچ کر چکارا اور روک لیا۔۔۔۔۔

دونوں سپاہی فوراً اتر گئے۔۔۔۔۔

”کوئی حکم۔۔۔۔۔“ ممتاز نے پوچھا

”اچار اچھے لگے۔۔۔۔۔ سوچا تھوڑے سے توڑ لیں۔۔۔۔۔“

میں نے جواب دیا۔۔۔۔۔ اور اترنے کے لیے بڑھا۔۔۔۔۔

”تو آپ بیٹھے۔۔۔۔۔ ہم توڑ لیتے ہیں۔۔۔۔۔“

اور دونوں نے اچار کی جھاڑیوں کی طرف قدم بڑھایا ہی تھا کہ انھیں جھاڑیوں کے پیچھے ایک زبردست شیر نے سر نکال کر وہ خوفناک دھاڑ سنائی کہ ان دونوں کے ہوش و حواس زائل ہوئے ہی ہوں گے۔۔۔۔۔ میں بھی گھبرا گیا۔۔۔۔۔ اور بیل جو بے قابو ہو کر بھاگے اور قیامت آگئی۔۔۔۔۔ میں گاڑی کی بازو کو دونوں طرف دونوں ہاتھوں سے تھامے۔۔۔۔۔ جنگلی بیلوں کی راسوں سے نبرد آزما۔۔۔۔۔ اور بیل۔۔۔۔۔ خرائے بھرتے۔۔۔۔۔ دیمیں اٹھائے۔۔۔۔۔ گھٹ۔۔۔۔۔ میں نے گھوم کر دیکھا تو لالہ اور ممتاز دونوں پوری رفتار سے گاڑی کے تعاقب میں جان چھوڑ کر بھاگتے ہوئے۔۔۔۔۔ اور ان کے پیچھے دس پندرہ گز کے فاصلے پر شیر۔۔۔۔۔ نہایت سبک رفتاری سے ان کی طرف آتا ہوا۔۔۔۔۔ غالباً صرف مذاق کے طور پر۔۔۔۔۔!

یہ مضحکہ خیز۔۔۔۔۔ اور خوفناک صورت حال بیس تیس گز تک قائم رہی۔۔۔۔۔ اسی دوران میں کسی نہ کسی طرح رائفل سنبھال کر اچھلتی کودتی گاڑی سے کوو گیا۔۔۔۔۔ اور سنبھالنے ہی میں نے پلٹ کر شیر کا نشانہ لیا۔۔۔۔۔ اب وہ مجھ سے بیس تیس گز پر تھا۔۔۔۔۔

ممتاز اور لالہ اپنی بدخواہی میں ہرن کی طرح بھاگتے میرے پاس گزرے۔۔۔۔۔



مدے کے اثر سے اعصاب دس منٹ کے اندر اندر نکل آتے ہیں..... میں گولی لگنے کے تقریباً پانچ منٹ میں اس صدمے پر قابو پا چکا تھا لیکن اس کے اثرات کو کاملاً زائل ہونے میں کوئی بیس منٹ لگے..... یا شاید آدھا گھنٹہ کیونکہ اس عرصے میں لوگ مجھے ہسپتال لے گئے..... ایکمرے لیا گیا..... اس کے بعد میں کمرے میں لٹا دیا گیا..... جہاں پندرہ بیس ہم کار مجھے گیرے کھڑے میری موت یا موت سے پہلے کی خوف و ہراس کی کیفیت کے منتظر تھے..... لیکن میں ان کی توقع کے خلاف نہیں رہا تھا..... پان کھارہا تھا یہ کہہ کر کہ شاید یہ زندگی کا آخری پان ہوگا.....

یہ بھی بجائے خود ایک دلچسپ افسانہ ہے..... جو میری انگریزی زبان میں زیر تالیف کتاب DUEL WITH DEATH کا حصہ ہے..... بہر حال.....

ریچھ درخت پر نظر آ گیا..... وہ اترنے کا ارادہ ملتوی کر کے دوبارہ بلند تر شاخ پر پہنچ کر بیٹھا مجھے دیکھنے کی کوشش میں تھا..... شیر جس طرح گرا تھا اسی طرح پڑا تھا..... ریچھ چھوٹے قسم کا سیاہ ریچھ تھا جس سے مجھے کوئی پر خاش نہیں تھی..... اور اس کو مارنے کا کوئی جواز معلوم نہیں ہوا خصوصاً اس حال میں کہ وہ خود مجھ سے ڈر کر درخت سے اترنا ملتوی کرتے ہوئے اوپر ہی بیٹھا رہ گیا تھا.....

اب مجھے ان تین ”بہادروں“ کا خیال ہوا..... جو دم دبا کر بھاگ لئے تھے..... اور غالباً ابھی تک بھاگے چلے جا رہے ہوں گے.....!

میں نے اب شیر اور ریچھ کو وہیں رہنے دیا..... شیر کو مرے تقریباً آدھا گھنٹہ تو گزر ہی گیا ہوگا..... گھڑی میں نے نہیں دیکھی تھی..... اندازہ ایسا ہی تھا..... میں نے اب رائفل نیچی کر لی..... پہلے تو اپنی حالت کا جائزہ لیا..... کپڑے جھاڑ کر کانٹے اور تنکے علیحدہ کئے..... گاڑی سے کودنے میں کوئی ضرب نہیں آئی تھی..... گرنے میں ایک پتھر پر ٹانگ لگنے سے کسی قدر ضرب آئی..... لیکن ایسی کہ میں نظر انداز کر سکتا تھا..... رائفل بھی بجز اللہ بجزیت تھی..... میں اب پولیس کے ان دوسو ماؤں کی فکر و تلاش میں

اور ٹھہر کر نیچے کی طرف دیکھا تو میں نہایت پھرتی کے ساتھ اٹھتا نظر آیا..... اور وہ ٹھ گیا.....

میں نے پہلا کام تو یہ کیا کہ گرنے کی وجہ سے ٹانگ کی معمولی چوٹ سے در کو نظر انداز کرتے ہوئے اس درخت سے حتی الامکان دور ہٹ گا..... غالباً دس پندر گز..... درخت کا وہ حصہ جہاں ریچھ تھا نظر نہیں آیا..... مجھے اپنا مقام پھر بدلنا پڑا..... میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ شیر کی لاش پر سے بھی نظر ہٹاؤں..... ابھی معاملہ اطمینان بخش طور پر ختم نہیں ہوا.....

ایک شکاری کے ساتھ ان کے نا تجربہ کارانہ جلت نے بڑا خوفناک حادثہ پیا کر دیا..... وہ یوں کہ انھوں نے شیر پر گولی چلائی..... شیر گرا اور یہ بمعہ اپنے تین احباب اور چھ سات مددگاروں کے جوش مسرت کے عالم میں لپک کر شیر کے پاس پہنچ گئے..... اس کے قریب کھڑے ہو کر انھوں نے رائفل کی نال سے اس کو ٹھوکا دیا.....

شیر یکبارگی اٹھا..... اس کے اٹھنے کی دھکے سے شکاری صاحب اللہ گرے..... شیر نے دو آدمیوں کو تھپڑ مارے کہ ایک کا چہرہ آدھا رہ گیا..... دوسرے کے شانے کی ہڈی کا لباس اتر گیا، اور ہڈی نکل آئی..... تیسرے کو کمر سے پکڑ کر دو جھکے دئے تو اس کا دم نکل گیا..... غرضیکہ کئی آدمیوں کو نیم جان چھوڑ کر جھاڑیوں کی طرف چلا..... لیکن غائب ہونے سے پہلے ہی اس کی قوت نے جواب دے دیا..... اور دوبارہ گر گیا.....

شیر جیسے غیر معمولی طاقتور..... متحمل اور خوفناک جانور سے اس قسم کی حرکات بعید نہیں ہیں رائفل کی گولی جسم میں گھس کر فوری طور سے بڑا صدمہ پہنچاتی ہے اور اعضاء کو معطل کر دیتی ہے..... اس کا مجھے ذاتی طور سے تجربہ ہے اس لیے کہ ریوالور کا ایک گولی ایک بار مجھے لگ چکی ہے اور ابھی تک میری ران میں موجود ہے..... اگرچہ اس واقعے کو تقریباً ستائیس سال گزر چکے.....!

اگر قوی مضبوط اور طبعیت میں غیر معمولی برداشت کی استعداد ہو تو پہلا

کچھ دور پر مجھے دونوں سپاہیوں کی توڑے دار بندوقیں زمین پر پڑی ملیں.....  
 ذرا اور آگے مختلف سامان ادھر ادھر نظر آیا جو گاڑی سے گر گیا ہوگا..... میری بندوق بھی  
 ایک جگہ پڑی ملی جو میں نے اٹھالی..... بحمد اللہ وہ بھی بخیریت تھی..... ظاہر ہے کہ ڈر کر  
 بھاگے ہوئے نیل..... پتھر لیے جنگلی راستے پر اچھلتی کودتی گاڑی سامان تو سب ہی گر گیا  
 تھا.....

تقریباً آدھے میل پر پہنچا تھا کہ لالہ کی آواز آئی.....  
 ”جناب عالی..... ہم ادھر ہیں.....“

میں آواز کی سمت گیا..... لالہ اور ممتاز دونوں ایک درخت کی بلند شاخ پر  
 بیٹھے تھے.....

”ہائیں تم لوگ وہاں کیا کر رہے ہو.....؟“ میں نے پوچھا  
 ”ہم لوگ..... ہم لوگ تو آپ کو ڈھونڈنے اور دیکھنے کے لیے درخت پر  
 چڑھے.....“

ممتاز نے جواب دیا.....  
 میں ہنسا..... کس صفائی سے جھوٹ بولا گیا تھا.....  
 ”کیا شیر بھاگ گیا.....؟“

اس نے پوچھا  
 ”ہاں.....“

میں نے جواب دیا.....  
 ”اچھا.....“

چنانچہ وہ دونوں نیچے اتر آئے..... میں نے گھوم کر دیکھا تو نیل گاڑی بھی کچھ  
 فاصلے پر نظر آگئی..... اور جنگلی بھی..... وہ بھی غالباً درخت سے اتر کر آ رہا تھا.....  
 ”جنگلی.....“ میں نے پکارا



”ہم..... مگر.....“

”تم دونوں کے ہاتھوں میں بندوقیں ہیں..... بہادر جوان مرد ہو..... لیکن اس قدر خوف.....“

ان کے سر جھک گئے.....

میں ادھر چلا جدھر شیر پڑا تھا.....

وہ تینوں میرے پیچھے..... چند قدم چل کر ہی ان کی نظر شیر کی لاش پر پڑی..... غالباً وہ تینوں ہی ٹھٹھک کر رہ گئے ہوں گے.....

جنگلی بڑھ کر شیر کے پاس چلا گیا..... اس کو دیکھ کر دونوں سپاہی بھی ہمت کر کے شیر تک آئے..... ایک نے اس کے ٹھوکہ ماری.....

”یہ تو میرے پیچھے دوڑا تھا.....“

میں نے اس کو مجبوراً مارا تھا..... اگر وہ ہمارے تعاقب میں نہ آیا ہوتا تو ہرگز اس شیر کو نہ مارتا اب جو دیکھا تو وہ شیرنی تھی..... مادہ..... مجھے افسوس ہوا کہ اس غریب کی جان لی..... لیکن اس نے میرے لیے کوئی چارہ کار نہیں چھوڑا تھا.....

سامان سب گاڑی میں رکھا گیا..... ان علاقوں کی بیل گاڑیوں کے ڈھروں کو ٹوٹنے کی عادت ہوتی ہے اس لیے جس طرح موٹر کاروں میں اضافی ٹائر کا وجود لازمی ہے..... اس طرح بیل گاڑیوں میں اضافی ڈھرا ضرور ہوتا ہے ان تینوں نے مل کر گاڑی کا ڈھرا بدلا..... پھر ہم چاروں کی مشترکہ کوشش سے بمشکل شیرنی کو گاڑی پر لا دیا گیا.....

اس دوران بیل دور رکھے گئے تھے..... شیرنی کو لادنے کے بعد اس کی لاش کو ایک کپڑے سے ڈھانک دیا گیا تب بیل لا کر لگائے گئے.....

اس عرصے میں ریچھ بھی درخت سے اتر کر کسی طرف بھاگ لیا تھا.....!

ہم لوگ بڑے گاؤں سے بچتے ہوئے سیدھے بھگت گڑھ ہی پہنچے..... عصر کا وقت ہو رہا تھا..... ہمارا وہاں پہنچنا ایک اور اتفاق..... بلکہ حادثے..... کے بلافاصلہ بعد واقعہ ہوا..... ابھی گاڑی دور ہی تھی کہ کسی عورت کے رونے کی آواز..... اور ساتھ ہی کئی

”جی صاحب جی.....“

”گاڑی واپس لاؤ..... سب سامان گر گیا ہے اٹھا کر رکھو.....“

”جناب گاڑی کا ڈھرا ٹوٹ گیا ہے.....“

”بیل کہاں ہے.....؟“

میں نے پوچھا

”وہ تو ادھر ہی ندی کے کنارے باندھ دیئے ہیں میں نے.....“

”خیر..... تو پھر تم تینوں چلو اور سامان اٹھاؤ.....“

میں نے حکم دیا.....

اب ہم چاروں پھر واپس ہوئے اور ایک ایک کر کے ان لوگوں نے سب سامان اٹھایا.....

اتفاق کی بات.....

جس وقت ہم لوگ وہاں پہنچ رہے تھے اسی وقت ریچھ نے درخت سے اترنے کا دوبارہ ارادہ کیا تھا اور شاید آدھی دور اتر بھی آیا تھا کہ ہم لوگ فوراً نمودار ہوئے.....

ادھر ممتاز اور لالہ نے ایک چیخ ماری..... ”ریچھ.....“ اور چار قدم پیچھے ہٹے

ادھر ریچھ بے چارہ گھبرا کر دوبارہ درخت پر چڑھ گیا.....

مجھے ان دونوں سپاہیوں نے بڑا مایوس کیا..... وہ تو اپنے کوشکاری اور شکاریوں کا منتظم کہتے تھے اور شیر کو اکثر دیکھتے رہتے تھے..... غالباً سب جھوٹ تھا.....! جنگلی البتہ نڈر ثابت ہوا.....!

ابھی تک ان لوگوں نے شیر کو نہیں دیکھا تھا.....

”ریچھ ہی ہے.....“

میں نے ان سے کہا.....

”اور..... چھوٹا ریچھ ہے.....“

”کسی جانور کے بچوں کے نشانات ملے.....؟“  
میں نے پوچھا  
”نہیں جی.....“

”نسان کا ہے کاجو ر..... وہ تو بھوت ہے.....“  
”ہوں.....“ مجھے معلوم تھا کہ وہ لوگ اپنا خیال کسی طرح نہیں بدلیں گے.....  
دشواری یہ تھی کہ میرے ساتھ اس موقع کے لیے دوائیں نہیں تھیں.....  
صرف وہ پہلی دوا تھی جو زخموں کے لیے مفید ہوتی ہے..... یا ایک ڈبی ایک قسم کے اینٹی  
بایونک مرہم کی پٹی تھی جو پہلے کبھی استعمال نہیں ہوئی..... لیکن اس عورت کے زخموں کا  
خون رکنا ضروری تھا اور مجھے کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا.....  
ہاسٹیل وہاں سے اٹھائیس میل دور انارسی میں تھا..... اور سفر ٹیل گاڑی کا.....!  
”جیو ر کے پاس کوئی دوا ہو تو دیو.....“

”ہاں..... لیکن میں اس کا زخم دیکھوں گا.....“  
میں چلا تو ایک مجمع میرے ساتھ چلا..... میں نے ممتاز سے کہا کہ ان سب کو  
روکے اور خود اس عورت کے شوہر کے ساتھ اس کے گھر آیا..... عورت اپنی چارپائی پر  
اونڈھی لیٹی تھی..... پشت کھلی تھی اور دو جگہ گہرے زخم تھے..... ایک زخم بائیں جانب.....  
میں شانے کی نیچے..... جو زخم تھا وہ مجھے تشویشناک معلوم ہوا..... اسی میں سے خون بھی  
رک رہا تھا..... لیکن بہت کم.....

میں نے ان سے پانی خوب گرم کرایا..... اس سے زخم صاف کئے..... جو زخم  
ناگوں پر تھے ان کے بارے میں میرا خیال تھا کانٹوں میں گرنے یا گھٹنے جانے سے  
آئے..... باقی زخم دانتوں اور بچوں کے تھے..... اور.....  
یہ کام..... شیر یا چیتے کا تھا.....!

گویا یہ تھا بھوت..... دیہاتی اسی طرح رسی کو سانپ بنا دیتے ہیں..... ایسا  
نہیں کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں اکثر دیہاتی سچ بولتے ہیں بجز اس کے کہ وہ دیہاتی جو

آدمیوں کی بہت بلند آواز سے باتیں کرنے..... یا ڈانٹنے کی آوازیں..... میں نے دل  
میں سوچا کہ گاؤں والے یقیناً پھر کسی سے ہاتھ دھو بیٹھے..... بھوت نے ایک اور انسان  
شکار کر لیا.....!

گاؤں میں ہم لوگوں کا ورد گویا ایک ناقابل یقین اتفاق تھا..... وہ لوگ اپنے  
رونا دھونا اور چیخنا چلانا بھول کر ہمارے گرد جمع ہو گئے.....

چوپال کے سامنے ایک چارپائی ڈال کر اس پر کھیس بچھا دی گئی..... اور میر  
اس چارپائی کے صدر مقام پر بیٹھایا گیا..... میں نے سپاہیوں کو اشارا کیا کہ وہ بھی  
بیٹھیں..... اسی وقت دوسری چارپائی بھی آگئی جس پر دونوں سپاہی اور جنگلی خاں بیٹھ  
گئے..... گاؤں کے تین چار معمر لوگ میرے سامنے زمین پر اکڑوں بیٹھے..... ان کے  
قیانے نہایت متفکر..... بہت پریشانی کے مظہر تھے.....!

شیرنی کی لاش گاڑی سے اتار کر ایک طرف ڈال دی گئی تھی..... کچھ مرد اور  
چند عورتیں بمعہ بچوں کے اس کی زیارت سے مشرف ہو رہے تھے.....

میرے سامنے زمین پر جو بوڑھے بیٹھے تھے میں ان سے مخاطب ہوا.....

”میں نے کسی کے رونے کی آواز سنی تھی..... کیا معاملہ ہے؟.....“

”کیا بتائیں جیو ر..... چندڑی مصیبت میں ہے.....“

اور اس نے درج ذیل واقعہ بیان کیا.....

دوپہر کے وقت..... ایک عورت اپنے شوہر کے لیے کھانا لے کر گھر سے روانہ  
ہوئی..... اس کا شوہر اپنے کھیت میں کام کر رہا تھا..... کھیت فاصلے پر ہے..... جنگل؛  
ایک قطعہ بھی راستے میں پڑتا ہے..... جب وہ کھانا کھلا کر واپس آ رہی تھی تو جنگل کے  
قطعے سے گزرتے وقت غائب ہو گئی..... جو لوگ قریب کے کھیتوں میں تھے انھوں نے  
اس کی ایک چیخ سنی اور فوراً ہی ککھاڑے اور گنڈا سے لے کر دوڑ پڑے..... تھوڑی ہی  
دیر پر وہ بے ہوشی کی حالت میں ملی..... اب وہ گھر میں پڑی ہے..... ہوش آ گیا ہے  
لیکن بات نہیں کرتی..... زخم سے خون بھی رسنے لگتا ہے.....

کھانے کے لیے میں نے ان کو سو روپے دئے کہ ضرورت کی جو اشیاء مناسب ہو وہ ان لوگوں سے خریدیں۔۔۔۔۔ سو روپیہ ۱۹۶۳ء میں ایک مناسب رقم ہوا کرتی تھی۔۔۔۔۔ گو آج کل سو روپیہ بے حقیقت ہے۔۔۔۔۔ اور روپیہ ہی کیا۔۔۔۔۔ پاکستان میں تو آج کل انسانی جان کی قدر و قیمت نہیں ہے۔۔۔۔۔ اب بات نکل ہی آئی ہے تو میں ماہنامہ ”منشور“ کراچی کے مئی ۱۹۹۰ء کے شمارے کا اقتباس لکھ کے دیتا ہوں۔۔۔۔۔ جو خوکلام ہے اور موجودہ حالات کا شارح بھی۔۔۔۔۔

”مہنگائی“ افراط زر اور سکھ رائج الوقت کی بے قدری نے (DEVALUATION) الگ خون پی رکھا ہے۔۔۔۔۔ داکہ زنی اور دہشت گردی نے ذہنی سکون چھین لیا ہے۔۔۔۔۔ سفارش اور رشوت نے جزیں کھود ڈالی ہیں۔۔۔۔۔ عدلیہ اور انتظامیہ غیر موثر کر دی گئی ہیں۔۔۔۔۔ برسر اقتدار اور محروم اقتدار سیاسی مذہبی اور لسانی پارٹیوں کے جھگڑوں نے معاشرتی امن برباد کر ڈالا ہے۔۔۔۔۔ کشمیر کے لئے کی وجہ سے بھی قومی بجٹ کا برا حصہ دفاعی کوششوں اور جنگی تیاریوں کے لیے وقف ہو گیا ہے۔۔۔۔۔ باقی ماندہ حصہ بیرونی قرضوں اور ان کے سود کی ادائیگی پر بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔۔۔۔۔

مجھے اس موضوع پر مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔۔! دوسرے دن صبح معلوم ہوا کہ وہ عورت بات چیت کرنے لگی۔۔۔۔۔ اور اس کے شوہر کو بلا کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس نے گلدار کی تصدیق کی۔۔۔۔۔ اس نے بتایا کہ وہ کھانا کھلا کر اور برتن لے کر واپس جنگل سے گزری تو جھاڑی میں سے چیتا نکل کر لپٹ گیا۔۔۔۔۔ پھر اس کو ہوش نہیں رہا۔۔۔۔۔ خوف کی وجہ سے اس کی بس ایک دبی دبی چیخ ہی نکل سکی۔۔۔۔۔!

دوسرے روز۔۔۔۔۔ ناشتے کے بعد میں تیار ہو کر نکلا۔۔۔۔۔ رائفل کے علاوہ میں نے شاٹ گن بھی شانے پر لٹائی۔۔۔۔۔

شیرنی کی لاش اس روز صبح ہی ایک شخص کے سپرد کر دی گئی تھی۔۔۔۔۔ میں جب نکلا ہوں اس وقت وہ اس کی کھال بہت احتیاط سے اتار رہا تھا۔۔۔۔۔ اور کئی بچے اور دو

عبدالقیوم خاں جیسے ہوں۔۔۔۔۔ عبدالقیوم خاں۔۔۔۔۔ ایک کوتاہ قامت۔۔۔۔۔ دبلا پتلا دیہاتی تھا۔۔۔۔۔ جو بجانے کس حیلے سے شارجہ آ کر ایک تیل کی کمپنی میں کلرک ڈائسٹ لگ گیا اور انتہائی عیار ثابت ہوا۔۔۔۔۔ پہلے تو اس نے لکڑی کے فوٹو فریم بنانا شروع کیے اس پارٹ ٹائم کام سے کچھ پیسے پیدا کرنے لگا۔۔۔۔۔ اس کے بعد ایک مقامی عرب بنام خانم سے مل کر کچھ تجارت کرنے لگا۔۔۔۔۔ اور اس میں بھی کامیاب ثابت ہوا۔۔۔۔۔ انتہائی چالاک۔۔۔۔۔ بہت ہوشیار۔۔۔۔۔ لیکن ایک بہت چھوٹے دیہات کا رہنے والا بہت ہی بیوقوف آدمی تھا۔۔۔۔۔ لیکن اس دیہاتی عبدالقیوم خاں سے بڑا جھوٹا، عیار اور مکار شخص اس روئے زمین پر شاید ابلیس ہو تو ہو۔۔۔۔۔!

لیکن۔۔۔۔۔ دیہاتی عام طور سے سادہ لوح اور ایماندار ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ فرشتوں میں شیطان بھی پیدا ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ بلکہ ہو چکا ہے۔۔۔۔۔!

بہر حال۔۔۔۔۔ میں نے اس کے زخم اچھی طرح صاف کر کے ان پر وہی پیلی دوا لگا دی۔۔۔۔۔ جو زخم گہرے تھے ان کو پیلی دوا سے خوب تر رکھنے اور پھر روئی سے خشک کرنے کے بعد مرہم لگا کر پٹی باندھ دی۔۔۔۔۔ جس زخم سے خون نکل رہا تھا اس کو خوب صاف کرنے کے بعد ذرا دیر روئی سے دبائے رکھنے پر خون بند ہو گیا۔۔۔۔۔ اس پر میں نے مرہم لگا کر روئی رکھی اور پٹی باندھ دی۔۔۔۔۔

میرے پاس اسپرین کی گولیاں بھی تھیں۔۔۔۔۔ جو ہمیشہ ساتھ رہتی ہیں۔۔۔۔۔ میں نے دو گولیاں دودھ کے ایک کٹورے کے ساتھ اس کو کھلائیں۔۔۔۔۔ میں یہی کچھ کر سکتا تھا۔۔۔۔۔

لیکن میری اس امداد نے ان کو خاصا متاثر کیا۔۔۔۔۔

اس کے بعد میں نے قیام اور طعام کے مسئلے کی طرف توجہ دی۔۔۔۔۔ قیام کے بارے میں تو ممتاز اور لالہ نے معاملہ کر لیا تھا۔۔۔۔۔ اور میرے لیے ایک مناسب کوٹھا (کمرہ) صاف کر کے اس میں چارپائی ڈلوادی اور میرا بستر جو ساتھ آیا تھا لٹکوا دیا۔۔۔۔۔ انھوں نے اپنے تینوں کا انتظام کر لیا۔۔۔۔۔

ایک عورتیں کئی مرد اس شیرنی کی کھال کھینچی جانے کا تماشا دیکھ رہے تھے.....  
ممتاز لالہ اور جنگلی تینوں مجھے دیکھ کر کھڑے ہو گئے..... اور سلام کیا.....

”کیا آپ اکیلے ہی جائیں گے.....“

”ہاں.....“

”صاحب چیتے کا معاملہ ہے.....“

ممتاز نے کہا.....

”ہوں.....“ میں مسکرایا ”کیا شیرنی مارنے میں کسی نے میری مدد کی

تھی.....؟“

وہ سب خاموش ہو گئے.....

”لیکن..... اگر کوئی جوان مرد میرے ساتھ چلے تو کوئی ہرج نہیں.....“

”میں چلتا ہوں.....“

جنگلی نے پیش کش کی.....

”نہیں..... میں کسی گاؤں کے آدمی کو لے جانا پسند کروں گا جو جنگل گھائی

سے واقف ہو.....“

اس کام کے لیے مراری..... اور نصیبین کا شوہر گھماں دونوں والینسٹر بن گئے..... میں نے ان دونوں سے بات کی اور خاص طور سے پوچھا.....

”اگر بیٹے نے حملہ کیا تو بھاگو گے تو نہیں.....؟“

دونوں نے نہایت شدومد کے ساتھ نہیں کہا.....

میں نے دونوں کے نام کاغذ کے پرزوں پر لکھ کر اپنی ٹوپی میں ڈالے..... اور ممتاز کو دے..... اس نے گھماں کے سامنے وہ ٹوپی لی اور اس سے ایک پرزہ اٹھانے کو کہا..... اتفاق کہ اسی کا نام نکلا.....

میں نے پانی کی بوتل اپنا شکاری جھولا بندوق اس کے سپرد کی اور حسب معمول اس سے آگے چلنے کو کہا..... راستے میں اس کو ضروری ہدایات بھی دیتا رہا.....

گھماں اچھا آدمی تھا.....  
یہ بات خاص طور سے قابل توجہ تھی کہ ”بھوت“ کا دائرہ عمل جنوب کی طرف تھا..... گویا ندی کے اطراف میں..... ندی گاؤں کے جنوب سے گزرتی تھی..... آخری واردات بھی اسی علاقے کے متصل جنگل میں ہوئی..... لہذا میں نے گھماں کو اسی طرف چلنے کی ہدایت کی.....

ممتاز اور لالہ دونوں حیرت زدہ تھے کہ میں آدم خور چیتے کی ہلاکت پر کمر باندھ کر اس طرح جنگل میں کیوں جا رہا ہوں..... وہ اس کام کو بے حد خطرناک اور میرے جنگل میں جانے کو بہت بڑی غلطی تصور کرتے تھے انھوں نے ایسا کوئی شکاری نہ دیکھا تھا نہ سنا تھا جو آدم خور کے جنگل میں جانے کو تیار ہو جاتا ہو..... ان کے نقطہ نظر سے تو مجھے گاؤں کے قریب ہی مچان پر بیٹھنا چاہئے تھا.....

میں نے گزشتہ وارداتوں کے سارے مقامات دیکھے..... گھماں نے بتایا کہ ارات کے بعد بھی کوئی نشان نہیں ملا تھا..... اب تو تقریباً سال ہونے کو تھا..... لیکن یہ شانات کا متلاشی نہیں تھا..... ندی کے جنوبی کنارے سے ہی جھاڑیوں کا سلسلہ تھا..... درود بھی مدار اور چرونجی..... یہ جھاڑیاں بڑی گھنی اور دور تک پھیلتی ہیں..... میں ایسی حالت میں کہ چیتا آدم خوری پر آمادہ ہو گیا ہو مدار کے جنگل میں گھسنے کو ہرگز مناسب نہیں سمجھتا..... الا یہ کہ بے حد مجبوری ہو..... وہ مجبوری ہی کا موقع تھا..... میں نے گھماں کو قریب ہی رکھا..... اور ہم دونوں بحمد اللہ بحیریت اس گھنے علاقے سے گزر کر جنگل میں ل آئے جہاں بلند قامت درخت تھے اور ان کے سائے میں کہیں گھاس کہیں نازیاں.....

اس روز ہماری گردش بے مقصد ہی تھی..... میں اس علاقے سے کسی قدر شائی پیدا کرنا چاہتا تھا..... چنانچہ پہاڑیاں سر کرنے اور ندی نالوں کو عبور کرنے میں بہتر تو ہو ہی گئی..... یہ وہ وقت تھا جب ہم گاؤں سے کوئی دو میل دور ایک چٹیل پہاڑی پہاڑی پر پہنچے تھے..... کچھ سرخ..... بعض بھوری..... اور ٹھوس.....



کے انسان سے بے حد ڈرتے ہیں..... کبھی سامنے نہیں آتے..... لیکن ان پر اعتماد بھی ممکن نہیں..... اگر یہ کسی جانور کو پھاڑ کھانے کا ارادہ کر لیں تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اس جانور کو ان کی خون آشامی سے بچا نہیں سکتی..... میں نے ایک شیر کو ان کا لقمہ تر بننے کا واقعہ نواب قطب یار جنگ کی کتاب میں پڑھا..... مشہور انگریزی مصنف برینڈر نے بھی اسی قسم کا ایک واقعہ تحریر کیا ہے..... ممکن ہے برینڈر کے بیان کردہ واقعے کو ہی قطب یار جنگ نے کسی قدر رد و بدل کے ساتھ اپنا مشاہدہ بنالیا ہو اس لئے کہ ان کو اس قسم کے ”سرتے“ میں ہڈیوں کا حاصل تھا.....!

میں نے گھوم کر کتوں کو دیکھنے کی کوشش کی..... دور..... شاید میل بھر..... ایک کھلے میدان میں ان کا بہت بڑا مندا تھا..... غالباً چالیس پچاس تو ضرور رہے ہوں گے..... ممکن ہے زیادہ ہو..... سارے تو نظر بھی نہیں آ رہے تھے.....

لیکن میں نے چیتلوں کے اس مندے کو بھی دیکھ لیا جو ان سے غالباً سو دو سو گزر پر تھا اور ان تباہ کاروں کے وجود سے لاعلم..... کتے جنگلی جانوروں کو بہت نقصان پہنچاتے ہیں..... اسی لیے مختلف مقامات پر ان کو مارنے کی نہ صرف آزادی تھی بلکہ تین روپیہ فی کتا انعام مقرر تھا..... شرط یہ تھی کہ کتے کی دُم بطور ثبوت پیش کی جائے..... کتے کی دُم.....؟

مثل مشہور..... کتے کی دم کبھی سیدھی نہیں ہوتی.....!

ان کتوں کو ہلاک کرنے کی کوشش بھی خطرے کا کام ہے.....

دراصل ایک تو یہ کتے کثیر تعداد میں ہوتے ہیں..... دوسرے ان کو اپنے مقدر پر قربان ہونے میں عار محسوس نہیں ہوتی..... جس کے پیچھے لگ جاتے ہیں اس کو جونیئوں کی طرح چپک جاتے ہیں..... کثیر تعداد کے پیش نظر ان کو زیادہ خوراک اور زیادہ جانوروں کو ہلاک کرنے کی ضرورت رہتی ہے..... اس لیے ان کی تباہ کاری کا دائرہ وسیع ہوتا ہے.....

بعض ایسے جنگل جو یا تو (SANCTUARY) قرار دئے گئے ہیں یا

بلندی پر آ کر ایک صاف جگہ پر میں نے گھماں کو جنوب رخ بیٹھنے کا حکم دیا..... خود اس سے چند قدم ہٹ کر ایک صاف چٹان پر شمال رخ بیٹھ گیا..... سامنے دور تک گھنا جنگل پھیلا ہوا تھا..... درختوں کے نیچے تو ہم گھومتے ہی رہتے ہیں..... اور ان کے سامنے نہ صرف خوشگوار ہوتے ہیں بلکہ خود درخت بھی نظروں کو بھلے لگتے ہیں لیکن اس سے زیادہ لطف ان درختوں کو بلندی سے دیکھنے میں آتا ہے.....

وہ برگرد پھیل، املی، نیم اور سال کے درخت جو انسانی قد و قامت کے مقابلے میں فلک بوس اور غول پیکر معلوم ہوتے ہیں..... بلندی سے دیکھنے پر اسی قدر بونے اور بے حقیقت بن جاتے ہیں.....

لیکن حد نگاہ تک پھیلا ہوا شاداب جنگل..... ہرے بھرے درخت جو اس زمین کو زینت و عزت عطا کرتے ہیں..... سبزہ زار..... جو قدرت کا بچھایا ہوا زردی فرش نظر آتا ہے.....

البتہ مجھے اس علاقے میں پانی کی کمی کا احساس ہوا..... وہ تمام علاقہ جو میر نے دیکھا وہاں کوئی چشمہ یا ندی نظر نہیں آئی..... خشک نالے تو کئی ملے..... جو مونسا کے موسم میں پُر آب اور ناقابل عبور بن جاتے ہوں گے لیکن ان دنوں ان میں پانی نہیں تھا.....

”صاحب جی.....“

گھماں نے مخاطب کیا

”ہاں بھئی.....“

”ادھر جنگلی کتے ہیں.....“

اس کی آواز میں لرزش تھی.....

جنگلی کتے بڑی بلائے بے درماں ہوتے ہیں..... ویسے عام طور سے ان کسی آدمی پر حملہ کرنے یا تنگ کرنے کا واقعہ تو میرے سننے یا تجربے میں نہیں..... اس موذی فرقے سے مقابلہ کرنا..... یا اس کے نرغے میں آنا مجھے قطعاً گوارا نہیں

ہیں نہ صرف قانون کے احترام کا تو تصور پیدا ہوتا ہے بلکہ حب الوطنی کے تحت قوم کی قدرتی دولت ضائع کرنے سے احتراز کرنے کا خیال بھی موجود ہوتا رہتی ہے.....!

اس کے علاوہ قانون کی نظر میں ہر کھرومہ کا مساوی ہونا بھی لازمی ہے..... یہ ہیں کہ فوجی زمیندار یا بڑے افسران حکومت من مانی کرتے پھریں اور کوئی قانون ان کا گرفت نہ کر سکے..... اس کے برعکس اگر کوئی عام شہری کسی غلطی کا مرتکب ہو تو اس کو راجے..... قانون سب کے لیے یکساں شدید ہونا ضروری ہے..... ہر وہ شخص جو انہیں شکار کی بال برابر بھی خلاف ورزی کرے..... اس پر بلا امتیاز شخصیت..... قانون اتنی سخت گرفت ہونا چاہیے کہ کسی اور کو دوبارہ اس غلطی کی جرات نہ ہو.....!

امریکی قانون بڑے سخت ہیں..... یہ نہیں کہ سزا دینے میں کسی کی مالی سیاسی یا باشرقی حیثیت کا لحاظ رکھا جائے..... جس نے بھی خلاف ورزی کی وہ قانون کے لائق بلا تھمیں سزا کا مستحق ہوا.....!

پاکستان میں اگر قانون کے نفاذ میں یہی سختی ہو جائے اور قانون نافذ کرنے لے ایماندار اور غیر جانبدار بھی ہو جائیں تو میرے خیال میں بے شمار خرابیوں کا علاج جائے.....

پاکستانی پولیس مجرموں کو اس لیے گرفتار نہیں کرتی کہ ان کو سزا ملے..... بلکہ اس لیے گرفتار کرتی ہے کہ متعلقہ لوگوں کو اس کے ذریعے سے آمدنی ہو سکے..... رشوتیں لیں.....!

میں جنگلی کتوں کا مشاہدہ کر رہا تھا.....!

پستی اچھی نہیں ہوتی..... ویسے بھی پستی کی حالت میں منظر محدود ہو جاتا..... جو پستی میں گرا اس کی نظروں سے ساری دنیا پنہاں ہو گئی.....

بلندی اچھی ہوتی ہے..... جو بلندی پر فائز ہو اس کی نگاہ میں وسعت مشاہدہ ہو جاتی ہے..... مناظر وسیع تر اور روشن تر ہو جاتے ہیں..... اسے وہ کچھ نظر آنے لگتا

جہاں نیشل پارک ہیں ان جنگلوں میں کتوں کو زہر سے یا خاص قسم کے TRAPS کے ذریعے پکڑ کر ختم کر دیا گیا..... لیکن وہ جنگل جہاں ان کی نسل باقی ہے ان میں ان کی ریشہ دوانیاں بھی جاری ہیں..... یہ کسی جانور کی خاص طور سے تخصیص بھی نہیں کرتے..... جو کچھ ہتھے چڑھا مارا اور کھالیا..... ہرن اور چکارے سے لے کر بھینسے تک ہر جانور ان کی غذا بن جاتا ہے..... حتیٰ کہ خرگوش اور جنگلی مرغ بھی..... تیز اور بیز بھی ان کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں..... پاکستان میں گھنے جنگل ہی نہیں ہیں.....

شمالی علاقوں کے علاوہ اور کہیں وہ گھنے جنگل نہیں ہوتے..... پاکستان میں پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان..... سب یکساں ہیں.....

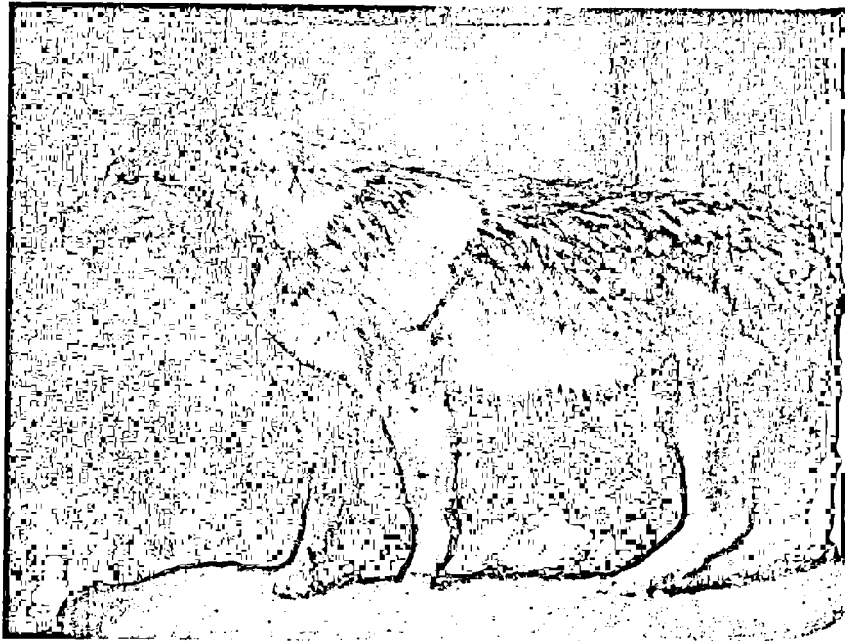
سوات، چترال، دی، گکر، گلگت، اسکردو..... اور کشمیر کے علاقے شاداب اور جنگلوں سے ڈھکے ہوئے ہیں لیکن قابل شکار جانوروں کی وہ افراط نہیں ہو ہندوستان کے جنگلوں میں ہے..... اور جن علاقوں میں کثرت تھی وہاں لوگوں نے ستم ڈھا کر قلت میں بدل دیا..... اب کچھ نہیں.....

میں نے ایک بار ایبٹ آباد سے کاغان تک سفر کیا..... سارا راستہ..... اپنی دلکشی اور شادابی کے باوجود مجھے ایک ہرن یا ہریال نظر نہیں آیا..... لیکن جانور ہیں..... کم ہیں..... پاکستان میں بھی بعض مقامات پر SANCTUARY بنائی گئی تھیں..... لیکن میں یہ تیس سال پہلے کی بات کر رہا ہوں جب میں پاکستان میں تھا..... اس کے بعد تو لا قانونیت اور عدم تحفظ کی حالت روز بروز ترقی پذیر رہی..... جو لوگ جنگلی جانوروں کی نگرانی اور حفاظت کرنے والے تھے انھوں نے ہی کشتوں کے پستے لگا دیئے..... قابل شکار جانور کہاں رہتے گیم واچر کی حیثیت اس قدر حقیر کی اس کے پاس کسی کو روکنے کی اہلیت مفقود..... اور اگر کوئی گیم واچر ایسا ارادہ کر بھی سکے تو چند روپے اس کو خوش کرنے اور منہ بند کرنے کے لئے کافی ہوتے تھے..... اب تو رشوت خوری کی گرم بازاری ہے (۱۹۹۰ء) آجکل گیم واچر کو خریدنا کیا دشوار ہوگا.....

دراصل گیم واچر..... یا نگرانی کی بات نہیں..... پہلی بات تو خود لوگوں کے

میرے لیے چوپال..... اگر اس کو چوپال کہا جائے..... کے سامنے ایک چارپائی ڈالی گئی تھی..... میں اس پر بیٹھ گیا بندوق پاس رکھ لی..... نزدیک دوسری چارپائی پر ممتاز لالہ اور جنگی بیٹھے..... گاؤں کے چند لوگ سامنے زمین پر اکڑوں بیٹھے تھے..... گھماں دن کے گشت کی روداد ان کو سنارہا تھا..... اور میں دیکھ رہا تھا کہ ممتاز اور لالہ بار بار میری طرف دیکھتے تھے..... ان کو میرے بارے میں سخت غلط فہمیاں تھیں..... جو بتدریج رفع ہو رہی تھیں..... انھوں نے غالباً سوچا ہوگا کہ ایک جوان آدمی جو جسمانی اعتبار سے نہ لیم و شیم..... نہ دیو پیکر..... نہ دیکھنے میں درشت اور جفاکش..... وہ اس قدر نڈر کیسے ہو سکتا ہے..... جبکہ وہ دونوں اپنے جسم و قد کے باوجود اپنی بندوقیں چھوڑ کر دم دبا کر بھاگ لئے تھے.....

ممکن ہے وہ یہ بھی سوچتے ہوں کہ میں ان کے فرار کی مضحکہ خیز داستان سب کو سنا دوں گا اور وہ ان کی شرمندگی کا باعث ہوگی..... لیکن میں اس واقعے کو بھول ہی گیا..... قطعاً تذکرہ نہیں کیا..... میں کسی کی تحقیر نہیں کرتا..... ہر شخص رستم بھی نہیں ہو



ہے جو پستی میں رہنے والوں کو ہرگز نظر نہیں آ سکتا..... میں دیکھ رہا تھا کہ ان کو ہل ہل دھ دھ چیل ہیں جو ان سے کوئی ڈیڑھ سو گز پر بے خبری کی حالت میں کسی پھل دار درخت کے سارے میں شکم بری کر رہے تھے..... ایسے اکثر موقعوں پر میرا دل بے سارہ چاہتا ہے کہ حملہ آور سے کمتر کو بجانے کی کوشش کروں..... لیکن ہر بار یہ سوچتا ہوں کہ خداوند کریم نے جنگل میں بھی ایک قانون مقرر کر رکھا ہے..... یہ قانون چاہتا ہے کہ جنگل میں سب ایک دوسرے کی فلاح و بہبود کا اس طرح خیال کریں کہ جو کمزور نکل آئے اس کو ہلاک کر دیں..... دفاع میں ذرا بھی تساہل کیا اس کی زندگی کا چراغ بج گیا.....

میں نے گھماں کو ہدایت کی کہ دوسری جانب اترے جدھر ایک تنگ وادی میں درختوں نے کئی گھنے جھنڈ بنا رکھے تھے.....

لیکن اس روز کی جنگل نور دی سے کوئی اہم معلومات حاصل نہیں ہوئیں..... عصر کے وقت ہم بے نیل و مرام واپس گاؤں آئے..... البتہ ممتاز اور لالہ کو تعجب خرا ہوا کہ ہم دونوں اتنا وقت جنگل میں گھومتے رہے اور اتنی دور چلے گئے تھے..... شیر کی کھال صاف کر کے اس میں خوب نمک لگا کر سائے میں لٹکا دی گئی تھی.....

میں نے کنویں پر خوب اچھی طرح غسل کیا جس کے لیے پانی گھماں لگا رہا..... پھر عصر کی نماز ادا کی اور بارہ بور کی بندوق ہاتھ میں لئے باہر آ گیا..... شیر کو جنگل میں تلاش کرنا اس لیے بھی آسان تر ہے کہ وہ آدم خور ہو جائے کے بعد اپنے معمول میں تبدیلی کرتے ہوئے دن کے وقت جنگلوں میں گشت کرنے ہے..... لیکن چیتا ایسا نہیں کرتا..... وہ حسب معمول رات کو ہی شکار کی جستجو کرتا ہے..... البتہ بھوک بہت ستائے تو دن کے کسی حصے میں بھی پیٹ کی آگ بجھانے نکل آتا ہے..... یہی سبب تھا کہ اس نے دو وارداتیں دن کے وقت کیں..... گاؤں میں چارپائیاں ہی بیٹھنے اور سونے کے لیے استعمال ہوتی ہیں

لکارا..... ساتھ ہی بیگم سے کہا.....

“give me my gun”

چور تو بھاگا..... جنگلے پر چڑھ کر بہ آسانی دوسری طرف اتر.....  
بیگم نے بھی اس کو دیکھا..... اور غالباً خوف کی وجہ سے ان کی جان ہی نکلنے کو  
ہو گئی ہوگی..... میں نے عرشی کو آواز دی..... پھر پولیس کو فون کر کے بلایا..... لیکن وہ  
آدی غائب ہو گیا..... بیگم صاحبہ نے میرے بارے میں جو رائے زنی فرمائی وہ یہ  
تھی.....

”میں تو ذرتی ہوں.....“ یہ کئی روز بعد کی بات ہے ”خدا کی پناہ..... چور سے  
تو اچھے اچھوں کا پتہ پانی ہوتا ہے..... آپ کا تو جنگلوں میں شیروں چیتوں کے ساتھ  
گھوم گھوم کر دل سخت ہو گیا ہے..... ہر ایک تو آپ جیسا نہیں ہو سکتا.....“  
بہر حال یہ ایک حد تک صحیح بھی ہے..... ڈر..... جسے خوف کہا جاتا ہے.....  
میرے خون میں شامل نہیں..... لیکن انسان میں بھی ہوں.....!

مغرب کی نماز کے وقت تک وہاں اجتماع رہا..... پھر میں اٹھ گیا..... نماز کے  
بعد ہم نے کھانا کھایا..... اس کے بعد ممتاز اور دوسرے سب چوپال میں جا بیٹھے.....  
میں لائین کی مدھم روشنی میں اپنی یادداشتیں مکمل کرنے بیٹھ گیا.....

نوبے کے قریب میں نے عشاء کی نماز ادا کی..... اس کے بعد شکار کا لباس  
زیب تن کیا..... رائفل لوڈ کر لی..... اور بڑی نارچ لے کر دروازہ کھولا..... باہر گلی میں  
سناٹا ہو چکا تھا..... میں ذرا دیر وہیں کھڑا رہا..... تاکہ نظریں باہر کے ملگجے اندھیرے کی  
عادی ہو جائیں.....

مجھے اچھی طرح اندازہ تھا کہ چیتا کئی بار گاؤں میں آچکا ہے.....  
یہ عجیب بات ہے کہ کتا..... چیتے سے بہت ڈرتا ہے..... اور زیادہ حیرت کی  
بات یہ کہ شیر کی بوسنگھ کر کتا خوب بھونکتا..... روتا اور چیختا ہے..... لیکن چیتے کی بوسنگھ کر  
کتے کو واقعی سانپ سونگھ جاتا ہے..... ذرا جو آواز کرے..... ہاں اگر کوئی انسان کتے کے  
ساتھ ہو تو یہ کتا شیر ہو جاتا ہے.....

سکتا..... کوئی بہادر ہوتا ہے کوئی بزدل..... اتفاق ہے

بروکن ایرو کے جس گھر میں ہم رہتے تھے..... اس کے عقب میں بہت بڑا  
لان تھا..... جس میں جانے کے لیے عقبی باڑ میں دروازہ بنا ہوا تھا..... یہ دروازہ مقل  
نہیں رہتا..... سب ہی کے backyard اس طرح کے ہوتے ہیں..... میرے گھر  
کے backyard میں ایک ناشپاتی اور ایک سیب کا درخت تھا..... اس کے علاوہ بے  
شمار گلاب اور پھول کے درخت.....

میرا بیڈروم بالائی منزل پر تھا..... اور بیڈروم کے مغربی جانب ایک بہت بڑا  
دروازہ تھا جس میں سارا نہایت دبیز شیشہ لگا تھا..... شیشے کے آگے لوہے کی جالی کا  
دروازہ بھی تھا..... یہ دونوں دروازے مقل ہو جاتے تھے..... اس کے آگے وسیع  
PATIO تھا.....

بیڈروم کے جنوب کی طرف دروازے کے سامنے بالکونی تھی جس سے گزر کر  
دوسری جانب ٹی وی روم تھا جہاں ہم سب اکثر جمع رہتے تھے.....  
ایک رات..... تقریباً گیارہ بجے..... جبکہ عرشی اور میری بہو نیچے کے حصے  
میں اپنے بیڈروم میں سو گئے تھے..... میں اور بیگم ٹی وی دیکھ رہے تھے.....  
بیگم نے کہا.....

”اب دیر ہو گئی..... سو جانا چاہیے.....“

”اچھا.....“ میں نے کہا ”آج میں آپ کی بات ہی مانے لیتا ہوں.....“  
میں نے ٹی وی بند کیا..... لائٹ آف کی اور ہم دونوں بالکونی سے گزر کر  
اپنے بیڈروم میں وارد ہوئے بیگم دست شو کی طرف گئیں میں نے اس دروازے کی  
طرف نظر کی جو backyard میں کھلتا تھا تو سامنے ہی بالکونی کی FENCE یا  
جنگلے پر چڑھ کر ایک سفید قام امریکی PATIO میں اتر.....

چور..... یا ڈاکو.....!

امریکہ کے چور اور ڈاکو مسلح ہوتے ہیں.....!

میں دروازے کی طرف لپکا..... اور نہایت گرجدار آواز میں اس چور کو

کودنے ہی کو تھا..... میں نے ایک لمحے کا توقف کے بغیر راتقل اٹھائی..... میرے راتقل اٹھاتے اٹھاتے وہ موذی کھڑا ہوا اور بھاگنے کے لیے گھوما..... اسی وقت میں نے ہار کیا..... اتنے قریب سے چار سو پچاس ایکسپریس کی پانچو گرین کی گولی..... نے اس کی دیوار پر سے پھینکا اور وہ بلی کی طرح چنچتا زمین پر گرا..... قبل اس کے کہ میں دوسرا ہار کروں وہ اندھیرے میں غائب ہو گیا..... لیکن مجھے یقین تھا گولی اس کے لگی ہے.....!

کتے بھی بھونکے لگے..... لوگ باتیں کرنے لگے..... بچے رونے لگے..... سب سے پہلے جو شخص وہاں نمودار ہوا وہ گھماں تھا..... ایک ہاتھ میں لائین..... دوسرے میں کھاڑی لئے میرے قریب آ گیا..... میں اس وقت نارچ کی روشنی سے وہ جگہ دیکھ رہا تھا جہاں چیتا گرا تھا..... خون کا ایک بڑا سا دھبہ موجود تھا..... اور جدھر وہ موذی گیا تھا اس طرف خون کے قطرے ٹپکتے گئے تھے..... وہ زخمی ہوا تھا..... خون کی مقدار بتاتی تھی زخم گہرا ہے اور گولی پیٹ یا سینے پر نہیں لگی..... غالباً شانے یا ران پر لگی ہوگی..... تب ہی خون نکل رہا تھا..... پیٹ یا سینے کی گولی سے اتنا خون نہیں نکلتا.....

”زخمی ہوا ہے.....“

وہ بولا

”ہاں..... یہی کہیں ہوگا.....“

وہ گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا.....

اب اور کوئی لوگ نکل آئے تھے..... ممتاز اور لالین اور جنگی بھی آ گئے تھے.....

سب چہ میگوئیاں کر رہے تھے.....

”اچھا..... تم لوگ گھروں میں جاؤ..... صبح جو شخص گھر سے نکلے وہ اچھی طرح

لیہ بھال کر نکلے..... چیتے کو گہرا زخم آیا ہے..... وہ آس پاس ہی ہوگا.....“

میں واپس آ گیا..... اور سب بھی گھروں میں گھس گئے.....

صبح فجر کے لیے اٹھا تو باہر نہیں نکلا..... تیمم سے نماز پڑھی اس کے بعد روشنی

میں نے احتیاط سے قدم باہر رکھا..... کمرے کا دروازہ اچھی طرح برابر کر دیا..... اور اس باڑے کی طرف چلا جدھر پھیڑیں رکھی جاتی تھیں..... چند قدم چل کر ہی مجھے احساس ہوا کہ میرے باہر نکلتے اور میری نمانوس بوسو گھسنے کے باوجود گاؤں کے کسی کتے نے احتجاج نہیں کیا..... کیا کتے دبک گئے تھے.....؟

کیا چیتا گاؤں میں کسی گوشے..... کسی آڑ میں گھات لگائے ہے.....!؟ میں فوراً ہٹ کر ایک دیوار سے پشت لگا کر رک گیا..... یہاں سے دونوں جانب تقریباً بیس گز کے فاصلے تک مجھے نظر آتا تھا..... رات کا اندھیرا اتنا شدید نہیں تھا..... تاروں کی روشنی نے ماحول پر ایک دھندلا سا اجالا پھیلا رکھا تھا.....

سامنے بھی پانچ سات گز تک میدان صاف ہی تھا..... دراصل..... رات کے وقت شیر یا چیتے کے شکار کے لیے اس طرح نکل کھڑے ہونا قطعاً مناسب نہیں..... میں نہ جانے کیوں اس رات باہر آ گیا..... عام طور سے میں اسے پسند نہیں کرتا..... رات کو چان پر بیٹھنا ہی مناسب ہے..... غالباً میں اس وجہ سے نکل آیا کہ چیتا بالعموم انسان

غالباً اس حال میں ڈیڑھ گھنٹہ گزرا ہوگا.....

مجھے سخت خطرے کا احساس ہوا..... ایک ٹھنڈی لہر پشت پر دوڑ گئی اور گردن پر روٹنے کھڑے ہو گئے.....

چیتا.....!؟

میں اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا.....

خطرے کا احساس اور شدید ہو گیا.....

میں جس دیوار سے پشت لگائے کھڑا تھا..... وہ کوئی سات فٹ اونچی رہی ہو گی..... کسی کے گھر کی چھت اس دیوار پر ہی رکھی تھی..... خطرے کا احساس زیادہ ہوا تو میں نے اوپر کی طرف دیکھا.....

دیوار پر چیتا.....!؟

مجھ سے کوئی چار پانچ گز پر..... اور بلی کی طرح دبکا ہوا..... غالباً وہ مجھ؛

ہونے تک تلاوت کرتا رہا.....

گاؤں والے بھی روشنی ہوتے نکلے.....

میں نے جہاں خون دیکھا تھا وہیں تلاش کا سلسلہ شروع کیا..... زمین پر جہاں خون تھا وہ خشک ہو گیا تھا اور گاؤں والوں نے یہ احتیاط کی کہ اس پر پاؤں نہیں رکھا..... وہاں سے چیتا جس طرف گیا تھا اس کے نشان اس وجہ سے بھی واضح تھے کہ اس کا سیدھی جانب کا ایک پچھلا پیر..... یا ٹانگ..... زمین پر کھسٹ رہی تھی..... یقیناً گولی کو لھے..... یا ران پر لگی ہوگی اور ٹانگ ٹوٹ کر لٹک گئی.....

خون کے دھبے بھی ملتے رہے.....

میرے ساتھ اس وقت چھ آدمی تھے..... جو زخمی شیر یا چیتے کی تلاش کے لیے بہت کم تھے..... لہذا بہترین طریقہ یہ معلوم ہوا کہ میں تنہا ہی یہ کام کروں..... البتہ..... گھماں کو میں نے ساتھ لیا..... اور اس کو اپنی بندوق لوڈ کر کے دی.....

گھماں حسب معمول میرے آگے آگے میں قدم پر چلتا تھا اس کا کام یہ تھا کہ خون کے دھبے یا ٹانگ کے گھسیٹے جانے کے نشانات تلاش کرتا چلے..... اور اس نے یہ کام نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا..... چیتا گاؤں سے نکل کر سیدھانندی میں اترا..... خشک سطح کے سفید پتھروں پر اس کے خون کے واضح نشانات مل رہے تھے..... ندی پار کر کے وہ اسی جگہ بیٹھا رہا تھا..... وہاں اس کا خون کافی مقدار میں جمع ہوا تھا..... اس کے بعد وہ پہاڑ پر چڑھنے کے ارادے سے سیدھا گیا..... لیکن غالباً زخم کی تکلیف نے ادھر نہیں جانے دیا اور وہ رخ بدل کر اس گھاٹی یا تنگ وادی کی طرف گیا جو میں پچھلے دن دیکھ چکا تھا.....

البتہ مجھے یقین تھا کہ چودہ پندرہ گھنٹے کا عرصہ گزر جانے کے بعد اس کا زخم زیادہ تکلیف دہ ہو گیا ہوگا..... اور اب وہ شاید ہی اس قابل ہو کہ زیادہ بھاگ سکے یا حملہ کر سکے..... اور..... اگر ایسا ہوا بھی..... تو بہت سریع نہیں ہو سکتا.....

زخمی شیر..... یا زخمی چیتے کی تلاش..... دنیا کا سب سے زیادہ خطرناک اور انتہائی تجربے و ہمت کا کام ہے..... یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ بلی بھی زخمی ہو کر

انتہائی دلیری کا مظاہرہ کرتی ہے اور اپنے دشمن سے سخت مقابلے پر آمادہ ہو جاتی ہے..... شیر اور چیتا تو بہت طاقتور اور انتہائی خطرناک درندے ہیں..... ان کا کام ہی کشت و خون ہے..... اور عام عالم میں ان دونوں سے بہتر جان لینے کا کام عزرائیل کے سوا اور کوئی انجام نہیں دے سکتا.....

زخمی شیر یا چیتے کی تلاش میں اکثر لوگوں کے ساتھ نہ صرف ناخوشگوار واقعات پیش آئے ہیں بلکہ جانیں تلف ہونے کے سانچے بھی ہوتے رہے تھے.....

میرے بچپن کے زمانے میں ایک بار میرا ہاتھ ٹوٹ گیا..... اٹلے ہاتھ کی ہڈی عین کہنی کے اوپر سے ٹوٹی..... مجھے دس روز بھوپال کے حمید ہاسٹیل کے ایک خصوصی کوارٹر میں رکھا گیا..... جو دو کمروں کا نہایت صاف ستھرا کوارٹر تھا..... میری نانی اماں اور ایک اور کوئی خاتون میرے ساتھ رہتی تھیں.....

والدہ ماجدہ اور والد صاحب دو تین چکر لگاتے اس لیے کہ گھر میں بھی کسی نہ کسی کا رہنا ضروری تھا..... میرے نانا..... حضرت ضیاء الدین صاحب نقوی بخاری نقشبندی..... اپنے وقت کے عظیم روحانی پیشوا..... بھوپال کے مشہور ولی اور نواب بھوپال کے مرشد تھے..... وہ بھی روزانہ کسی نہ کسی وقت مجھے دیکھنے آتے تھے..... ڈاکٹر خان ان دنوں ہاسٹیل کے مشہور سرجن تھے..... ان صاحب کی مہارت کا یہ کمال تھا..... کہ ہڈی صحیح جگہ نہیں بٹھا پائے تھے..... بار بار مجھے بے ہوش کرتے جوڑ کو اکھاڑتے اور ازسرنو جماتے..... اور پھر غلط بیٹھتی.....

نو مرتبہ انھوں نے اس ناچیز کو کلوروفارم کے ذریعے سے بے ہوش کیا اور نو مرتبہ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو اکھاڑ کر پھر سے بٹھایا..... اس کے باوجود ہڈی جڑی تو اس طرح کہ اس کی نوک ایک طرف سے محسوس کی جاسکتی ہے..... غالباً بے سبب ماہر مشہور ہو گئے ہوں گے..... ورنہ معمولی جراح ان سے بہتر نتیجہ دکھا سکتے ہیں..... اتنی بار کلوروفارم دینے کے خراب اثرات بھی ہو سکتے تھے..... جس کا ان ڈاکٹر کی دُم نے خیال نہیں کیا..... نیم حکیم خطرہ جان.....

میرے کوارٹر سے ذرا ہی فاصلے پر ایک کوارٹر میں نواب صاحب کے ایک



طرف گیا ہے..... اس نے ہر طرف دیکھ کر مجھے بتایا کہ خون کی کئی پھینٹیں ہیں..... اور ہنک چٹانوں کے نزدیک مٹی نرم تھی اس لیے اس پر پیر کے گھسنے کا واضح نشان بھی تھا..... اب میں نے ان نشانات کو دیکھا..... اور یہ اطمینان کر لیا کہ..... چیتا اسی طرف گیا تھا.....



مصاحب زیر علاج تھے..... ان کے دونوں بازو اور کلاں چیتے نے چبا ڈالی تھیں..... روزانہ ڈاکٹر اور نرسیں ان کے ہاتھوں کی پٹیاں بدلتے..... ڈاکٹر یا تو وہی نیم حکیم خطرہ جان ڈاکٹر خان ہوتے ہوں گے..... یا ان ہی جیسا نا اہل کوئی اور..... جب پٹیاں بدلی جاتیں تو وہ بے چارے اس دردناک آواز سے چیختے کہ سننے والوں کے دل دہل جاتے تھے.....

ان کے دونوں ہاتھ..... نواب بھوپال کے زخمی کردہ چیتے نے چبائے تھے جس کو تلاش کر کے ہلاک کرنے کا کام نواب نے ان کے سپرد کیا تھا..... خود نواب کو کیا پڑی تھی کہ وہ چیتے کو تلاش کرتے اور مارنے کی کوشش کرتے..... وہ نواب ہی کیا جو عام لوگوں کے کام کرنے لگے.....

بہر حال پندرہ روز بعد میں گھر لے آیا گیا..... ٹوٹے ہاتھ کی پٹی بھی اسی ناہنجار ڈاکٹر نے کھولی اور جس روز پٹی کھلی اس روز مجھے اپنے ہاتھ سے نام نہاد ڈاکٹر کو پھولوں کا ہار بھی پہنانا پڑا..... چہ عجب.....!

گھماں زمین بھی دیکھتا..... جھاڑیوں اور گھاس پر بھی خون کے نشان دیکھتا..... کوئی نہ کوئی نشان ملتا ہی جاتا تھا..... کہ نصف میل چل کر چیتا پھر ایک جگہ جھاڑی میں بیٹھا رہا تھا..... لیکن اس بار خون کے نشانات کم تھے..... یا تو خون بند ہو گیا یا بہت کم نکل رہا تھا.....

یہ بھی معلوم ہوتا تھا کہ چیتے کی حالت ٹھیک نہیں..... اس لیے کہ آگے چل کر وہ صرف پچاس چالیس گز چل کر ہی بیٹھ گیا تھا..... اس کے آگے پھر بیس پچیس گز پر وہ ٹھہرا رہا..... جہاں کہیں نشانات تھے وہ تین پیروں کے تھے..... چوتھا زمین پر لٹک کر گھسیٹا جاتا تھا اور غالباً وہ پاؤں جھاڑیوں سے ٹکرا کر چلنے میں بھی ہارج ہوتا ہو گا اور تکلیف کا باعث بھی.....

وہ سیدھا پہاڑ کے دامن میں غول پیکر چٹانوں کے درمیان ایک تنگ درے میں گھس گیا تھا..... اس درے میں بمشکل ایک آدمی ہی جاسکتا تھا..... میں نے گھماں کو اشارہ کیا کہ وہ ہر طرف کی زمین جھاڑیاں اور پتھروں کو دیکھ کر اطمینان کر لے کہ چیتا اسی

غالباً ان چٹانوں کے درمیان اس کی پناہ گاہ تھی..... یا کچھار.....!

اس مقام پر ہر طرف سنگلاخ چٹانیں..... اور چھدرے درخت تھے..... کناروں کی طرف بہت ہی تناور درخت جنہوں نے سارے علاقے پر سایہ کر رکھا تھا.....

اس وقت گیارہ بج گئے تھے..... گویا ہم دونوں کو وہاں تک پہنچنے میں دو گھنٹے سے زیادہ لگے تھے جو زیادہ وقت نہیں اس لیے کہ نشانات کی تلاش میں نہایت آہستہ پیش قدمی ہوئی تھی.....

میں نے گھماں کو ہدایت کی کہ وہ کسی نزدیکی بلند ترین درخت پر چڑھ کر اطراف میں دیکھے کہ چیتا کہیں سے نظر آتا ہے کہ نہیں.....

تھوڑی ہی دور پر ایک بڑے پتیل کے درخت پر گھماں بندر کی طرح چڑھ گیا..... اور چٹانوں کو ہر ممکن زاویے سے دیکھتا جہاں تک بلند ہو سکتا تھا ہوتا گیا.....

لیکن..... چیتا نظر تو نہیں آیا التبتہ.....  
”صاحب..... چٹانوں کے ادھر جنگل ہے..... گھنا بہت گھنا..... اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دو ایک غار بھی ہیں.....“

”غار..... بڑے غار ہیں.....؟“

میں نے پوچھا

”دہانہ تو اونچا نہیں..... لیکن ایسے غار ہیں کہ شیر چیتا رہ سکتا ہے.....“  
”ہوں.....“

غالباً ہم چیتے کی کچھار تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے.....!

ہم گاؤں سے بمشکل ڈیڑھ میل پر تھے..... جس قسم کا زخم چیتے کو آیا تھا اس کے پیش نظر اس کا اتنے فاصلے تک آنا ہی بڑا تعجب خیز تھا..... لیکن شیر اور چیتے جس طرح کی قوت برداشت اور ہمت رکھتے ہیں ان کے تحت یہ کچھ ناممکن نہیں تھا.....

چٹانیں..... یا بھوپال زبان میں..... ٹول..... کچھ اس بے ترتیبی کے ساتھ

بہر نہیں کہ ان کے درمیان بن جانے والی..... سرنگ نما راستوں پر چاروں ہاتھوں ہروں سے چلنے والے جانور ہی جا سکتے تھے..... میں چیتے کی کچھار میں..... یا اس لانے میں جہاں زخمی چیتا موجود ہے چاروں ہاتھوں پیروں سے چل کر اس سرنگ میں ٹھنکے کا خیال بھی نہیں کر سکتا تھا..... پھر یہ کہ چٹانیں..... یا ٹول..... اتنی دیوبکر تھیں کہ ان کے اوپر چڑھنا بھی آسان معلوم نہیں ہوا..... الا یہ کہ کسی سیرھی یا درخت کی شاخ کی دے میں اوپر چڑھوں.....

میں اس مقام سے تقریباً دس گزر دور ہٹ گیا..... یہ تو تحقیق ہو گیا تھا کہ چیتا ی کچھار میں گیا..... یہ بھی میں جانتا تھا کہ جس قسم کا زخم اس کو آیا وہ مہلک نہیں ہے..... خون اب تک بالکل رک گیا ہوگا..... اور غالباً چیتا اب اپنے زخم چاٹ رہا ہوگا..... لیکن اس معذوری کے حال میں چیتا شکار کرنے اور پیٹ بھرنے کے لیے کسی جدوجہد کے قابل قطعاً نہیں تھا..... تاہم اس کے فاقوں سے مرنے کے امکانات کم تھے..... بلی کے غاندان کے جانوروں کی قوت برداشت کا اندازہ بہت مشکل ہے..... بعض واقعات بے سننے میں آئے ہیں جن میں شیر یا چیتے نے زخمی اور ناکارہ ہونے کے باوجود ایک رت شکار کیے بغیر گزار دی.....

ایک آدم خور شیر نے جب اپنے ہلاکت خیز دور کا آغاز کیا اس وقت اس کی اغری اور کمزوری دیکھ کر یہ بھی باور نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ کبھی کو مار سکے گا..... لیکن اس نے ایک انسان کو پکڑ کر کھایا..... اور چھ ماہ کے اندر ہی اس علاقے کے لوگوں نے اسی بڑکونہایت فربہ اور چست و چالاک دیکھا.....

ایک بلی میرے گاؤں کے ایک اندھے کنویں میں گری..... اور تین ہفتے اس کنویں میں گرفتار رہی تاہم اسے میں گاؤں آیا تو مجھے معلوم ہوا..... میں نے بتانے والوں کو ٹرمنہ کیا کہ اتنے دن سے وہ بھوکی پیاسی وہاں پڑی ہے نہ کسی نے اس کو نکالنے کی کوشش کی نہ کھانے پینے کو کچھ دیا..... اس کنویں میں پانی بھی نہیں تھا..... میں نے رسی لٹا کر بلی بندھوا کر کنویں میں لٹکوائی..... اور کئی گھنٹے کی کوشش کے باوجود جب بلی نہ نکل



تو میں نے ایک آدمی سے کہا کہ وہ رسوں میں لٹک کر کنویں میں اترے اور بلی کو پکڑ کر لائے.....

آخر کار اس کو نجات دی گئی.....

یہ بلی نقاہت کی وجہ سے اپنے پیروں پر کھڑی بھی نہیں ہو سکتی تھی..... لیکن زندہ تھی..... نکال کر اس کو دودھ پلایا گیا..... جو وہ بڑی مشکل سے ہی پی سکی..... ایک گھنٹہ بعد پھر دودھ دیا گیا..... جو اس نے پی لیا..... دو ہفتے بعد بلی پہچانی نہیں جاتی تھی.....

پچھلے پیر کا ٹوٹنا چیتے کے لیے بہت تکلیف دہ صورت حال تھی..... وہ بھر سیدھی جانب کا اور اس کے صحیح جڑ جانے کے امکانات قطعاً نہیں تھے..... میں اگر کسی طرح ٹول پر چڑھ جاتا تو غالباً امکان روشن تر ہو سکتے تھے..... لیکن یہ میں بھی جانتا تھا کہ چیتا باہر سامنے تو بیٹھا نہیں ہوگا..... اگر غارتھا تو وہ غار میں اندر گھس کر بیٹھا ہوگا.....

”یہ ٹول جو سامنے ہیں..... ان کے پیچھے بھی ٹول ہیں.....“

”ہاں جناب..... دو تین اور بھی ہیں.....“

”اتنے ہی بڑے.....“

”ان سے بھی بڑے.....“

اس نے جواب دیا.....

اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر میں سامنے والے ٹول پر چڑھ جاؤں..... تو پھر ان کے بعد والے بلند تر ٹول پر کس طرح چڑھوں گا.....

سامنے جو تین دیوبیکر ٹول تھے وہ کم از کم سات فٹ اونچے تو تھے ہی.....

”اچھا..... ایسا کرتے ہیں.....“

میں نے گھماں سے کہا

”گھماں خاں..... تم مجھ کو سامنے والے ٹول پر کسی طرح چڑھا دو.....“

لہذا میں نے دوبارہ لکھنا شروع کیا..... اور اب یہ بحمد اللہ مکمل ہو کر مقبول اکیڈمی کو جا رہا ہے ملک صاحب نے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ اس کو جلد از جلد شائع کریں گے..... انشاء اللہ.....

اس کے علاوہ جو منصوبے اس وقت تالیف کے منتظر ہیں وہ درج ذیل ہیں.....

۱۔ THE PROPHET جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایک نہایت اعلیٰ تالیف ہوگی..... انشاء اللہ تعالیٰ.....

۲۔ اردو ادب میں بے ادبی کی تاریخ

۳۔ پانچواں درویش

۴۔ بلندیاں اور سائے.....

۵۔ DUEL WITH DEATH

ساتھ ہی میرا چوتھا مجموعہ کلام..... ”جگنو شبنم تارے“ بھی زیر تکمیل ہے..... میں اس ”شکار شاہکار“ کی تکمیل میں بہت مصروف رہا..... اس لیے دوسرے سارے مسودے کسی قدر قفل کا شکار ہوئے الایہ کہ کسی وقت ذہن کو منعطف کرنے کے لیے میں کسی دوسرے مسودے کا ایک آدھ ورق لکھ دیتا..... لیکن اس مسودے کی تکمیل کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ..... دو کتابیں زیر تالیف رہ جائیں گی.....

۱۔ اردو ادب میں بے ادبی کی تاریخ.....

۲۔ بلندیاں اور سائے.....

”بلندیاں اور سائے“ میرے کولوریڈو میں ELK کے شکار کی مفصل داستان ہے..... اور صرف ایک ہی واقعے پر مبنی..... ناول کہی جاسکتی ہے..... فرق صرف یہ ہے کہ اس کے واقعات ”اصلی تے تے“ ہیں..... اور تصاویر بھی.....

”بلندیاں اور سائے“ کی تکمیل کے بعد سارا وقت اردو ادب میں بے ادبی کی تاریخ پر صرف کروں گا اور اس کے بعد ”THE PROPHET“ کی تکمیل ہو

”میرے کندھے پر پیر رکھ کر آپ اوپر چڑھ جائیے.....“  
”ہاں..... لیکن تم کو بہت احتیاط کرنا ہوں گی..... مجھے چڑھانے کے بعد تم فوراً قریب کے درخت پر چڑھ جانا.....“  
”اچھا جناب.....“

میں نے ایک بار پھر اطراف کا جائزہ لیا..... ان جنگلوں میں کسی لمحہ بھی غافل ہونا یا کسی سمت کو نظر انداز کرنا یقینی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے..... چیتے کے بارے میں تو یقین تھا کہ وہ ان چٹانوں کے پیچھے گیا اور جس حالت میں وہ تھا اس کے پیش نظر یہ بھی گمان نہیں کیا جاسکتا تھا کہ وہ کسی اور سمت سے نکل کر حملہ کرے گا..... لیکن..... ان تمام مفروضات کے باوجود احتیاط کے فوائد اپنی جگہ اہم ہوتے ہیں..... میں تو امریکہ کے جنگلوں میں بھی جہاں شیر مفقود ہے..... احتیاط اور ہوشیاری کو ترک نہیں کرتا..... جنگل میں کسی پرندے چرندے اور پتھری کی حرکت کو میں دیکھتا رہتا ہوں..... اور ان سے کچھ کچھ پڑھنے یا سمجھنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں..... میری اسی ہوشیاری نے ایک بار ایک شخص کی جان بھی بچائی جس کا مفصل قصہ اگلے واقعے..... ”سفید برف..... سرخ خون“..... میں پڑھا جاسکتا ہے..... اور اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ میری زیر تالیف انگریزی میں لکھی ہوئی..... DUEL WITH DEATH میں دیکھا جاسکے گا.....

جہاں تک کتابیں لکھنے کا معاملہ ہے میں کافی تعداد میں لکھنا چاہتا ہوں..... یہ کتاب..... ”شکار شاہکار“..... میں دوسری بار لکھ رہا ہوں..... ایک بار نہایت مفصل مسودہ مکمل کر کے میں نے عابد انصاری صاحب کو بھیجا اس لیے کہ وہ نشر و اشاعت کا کام شروع کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے..... وہ مسودہ ان کے پاس رہا..... جب انھوں نے اشاعت کا ارادہ ترک کر دیا تو میں نے ان سے عرض کیا کہ وہ مسودہ ملک صاحب کو پہنچا دیں..... انھوں نے فرمایا کہ مسودہ تو آپ اپنے ساتھ لے گئے تھے..... بہر حال..... وہ مسودہ گم ہو گیا.....





گی اور پانچواں درویش.....  
 کچھ عرصے سے میری توجہ شاعری کی طرف زیادہ رہی..... ”نیم سوز“ مکمل کر کے مقبول اکیڈمی کو بھجوائی..... پھر..... ریشہ حنا شائع ہوئی..... اس کے بعد تیری نینداں کے خواب مکمل کر کے شائع کیا اس لیے نثر لکھنے کی طرف توجہ کم رہی پھر ان ہی دنوں..... ڈلس کے احباب نے جشن قمر نقوی“ بنانے کا فیصلہ کیا..... اور یہ تقریب نہایت اعلیٰ پیمانے پر منعقد کی گئی..... نہ صرف یہ کہ اس میں بہت بڑی تعداد میں پاکستان ہندوستان یورپ اور امریکہ کے شعراء نے شرکت کی بلکہ بے شمار شعراء اور ادباء نے خطوط کے ذریعے شرکت کر کے میرے کلام اور ادبی خدمات کا اعتراف کیا..... یہ ایک نہایت کامیاب تقریب تھی..... جو سات بجے شام شروع ہو کر صبح تین بجے ختم ہوئی.....

اس جشن کی روداد لاہور ہے نوائے وقت میں بھی شائع ہوئی.....! ممکن ہے کسی اور اخبار یا رسالے نے بھی شائع کی ہو مجھے علم نہیں!.....! البتہ یہ ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ سبحانہ نے ڈلس فورٹ ورتھ کے احباب کے ذریعے جو اعزاز عطا فرمایا وہ شاید ہی کسی اردو شاعر کو نصیب ہوا ہو..... اور..... اس تقریب کے انعقاد کی تجویز کا سہرا.....

عبدالحجید جامی صاحب کے سر ہے..... جنہوں نے نہ صرف اس تقریب کے انعقاد کی تجویز ہی پیش کی بلکہ میرے لیے ایک نہایت اعلیٰ نظم لکھ کر اس کی خوبصورت کتابت کرائی اور اسے فریم کرا کے مجھے عطا فرمائی.....

صوفی فضل الرحمان کوثر نیازی صاحب نے جو کچھ کرم اور عنایات اس ناچیز پر فرمائیں وہ شاید و باید..... ان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے مجھے اپنے علم کے سارے الفاظ کو بروئے کار لانا ہوگا..... پھر بھی شاید کافی شکریہ ادا نہ کیا جاسکے.....

انہوں نے تو نہ صرف میری ایک نادر تصویر بنا کر قیمتی فریم میں لگا کر مجھے عطا کی..... بلکہ اس کے علاوہ میرے کئی اشعار کے طغریں بنا کر فریم کئے ہوئے مجھے

بی بیٹھا تھا..... اگر وہ نہ ہوتا تو سانپ ضرور اس کے لپٹ جاتا اور گھیرایا ہوا جان بڑا ہوا سانپ کس بری طرح اس کو کاٹتا اور کہاں کہاں کتنی دفعہ کاٹتا.....!  
اس کی تفصیل اگلے واقعے کے ضمن میں پڑھی جاسکتی ہے.....!  
اچھی طرح دیکھ لینے اور اطمینان کر لینے کے بعد میں گھماں کو ساتھ لئے ایک کے پاس آ گیا..... ذرا دیر وہاں توقف کرنے کے بعد میں نے رائفل پتھر سے لٹکا رکھی.....

”گھماں..... میں اوپر چڑھ جاؤں تو رائفل مجھے دے دینا.....“

”بہت اچھا.....“

میں گھماں کے کاندھوں پر کھڑا ہوا..... تب گھماں اٹھا اور کھڑا ہو گیا..... ذرا ہشش سے میں اس ٹول پر چڑھ گیا..... اور.....  
سامنے ہی..... کوئی بیس گزر پر..... شریفی اور چروچی کے دو گھنے دختوں کی ہوئی شاخوں کے درمیان..... ایک بڑے غار کا دہانہ..... صاحب نظر آ رہا تھا.....

ایک جھلک سی جیسے چیتا.....!

گھماں نے مجھے رائفل تھما دی.....

”جاؤ..... تم درخت پر چڑھ جاؤ..... چیتا سامنے ہے.....“

گھماں لپک کر ایک درخت کے قریب گیا اور بندوق اور جھولا زمین پر رکھ کر تندرانہ طریقے سے درخت پر چڑھ گیا.....

رائفل لے کر میں نے غار کی طرف دیکھا..... گویا جھانکا.....

چیتا ہی تھا..... اور اپنا زخم چاٹ رہا تھا.....

میں پھر جھک گیا..... اس ٹول کے سامنے جو چٹان تھی..... وہ میری آڑ کئے میں جس جگہ تھا وہاں اسے اگر میں اس کا نشانہ لینا چاہتا تو مجھے کھڑے ہونا پڑتا اور ذی یقیناً مجھے دیکھ لیتا البتہ وہ جہاں بیٹھا تھا..... وہاں صاف نظر نہیں آتا تھا.....

عنایت کئے..... میری کتابوں کے بارے میں اچھے کلمات لکھ کر ان کو فریم کرا کے بچھ عنایت کئے..... میرا قصیدہ لکھ کر مجھے دیا..... صوفی صاحب نے تو محبت کی انتہا کر دی..... کہ میرے بارے میں قصیدہ بھی پڑھا..... میری ایک تصویر..... بڑی بنا کر ہال میں لگائی.....

ڈاکٹر نزل سنگھ مان نے بھی میرے لیے ایک نظم پڑھی اور ایک گلدستہ نذر کیا.....

عسکری عامر صاحب نے..... جو اس تقریب کے منتظم بھی تھے..... نہایت بیش قیمت گلدستہ مجھے عطا فرمایا..... جوان کی بیگم صاحبہ نے پیش کیا.....

عرفان علی صاحب، شوکت قادری صاحب..... الیاس صاحب..... سب نے مجھ پر کرم فرمایا..... سب ہی اس تقریب کے انعقاد میں سرگرم عمل رہے اور انھیں سب کی کوشش سے یہ تقریب منعقد ہوئی.....

بہر حال..... میں کتابوں کی بات کرتے کرتے ”جشن قمر نقوی“ کا تذکرہ کرنے لگا..... بات سے بات نکلتی چلی آتی ہے..... میں نے یہ کہنا شروع کیا تھا کہ جنگل میں وارد ہونے کے بعد ہر طرف سے بے نیاز اور بے توجہ ہو جانا درست نہیں..... اور میری اس توجہ نے ایک شخص کی جان بچائی..... وہ اس طرح کہ میں نے دیکھا ایک چیل..... اپنے بچوں میں زندہ سانپ لیے اڑی جا رہی تھی..... اور اس کی پرواز کی لاٹ کے عین نیچے ایک شکاری اپنے اطراف و جوانب سے بے خبر بیٹھا تھا..... چیل سانپ ہلاک نہیں کر پائی..... دونوں میں جدوجہد جاری تھی..... مجھے ڈر ہوا کہ اگر سانپ چھو کر گرا تو عین اس شکاری کے اوپر گرے گا اور نجانے کیا ہو.....

میں نے اس شکاری کو متوجہ کرنے کے لیے فائر کیا..... اس نے میری طرف دیکھا تو میں نے چیل کی طرف اشارہ کیا..... اس نے فوراً اوپر دیکھا..... اور وہاں سے ہٹ گیا.....

سانپ چیل کے بچوں سے چھوٹ کر گرا..... اور عین اسی جگہ گرا جہاں



ہے ان کو لڑھکا دیا ہو اور وہ راستے میں رک گئے ہوں..... ادھر جانا ممکن نہیں تھا.....  
 انہیں جانب پہاڑ ایسا سیدھا..... عمودی تھا کہ خود چیتا ادھر نہ جاتا.....

میرے وہاں گرنے کی آواز نے صورت حال میں کوئی نمایاں تبدیلی پیدا نہیں  
 کی..... یہ تو میں تسلیم نہیں کر سکتا کہ چیتے نے وہ آواز سنی نہیں ہوگی..... اس لیے کہ چیتے  
 کی قوت سماعت نہایت تیز ہوتی ہے..... البتہ یہ ممکن ہے کہ اپنے زخم کی تکلیف کی وجہ  
 سے اس نے حرکت کرنے سے احتراز کیا ہو.....

میں نے واپسی کا راستہ دیکھنا شروع کیا.....  
 وہی تنگ سرنگ تھی..... یا پھر ٹول پر چڑھنا..... جو کسی کی مدد کے بغیر ممکن نہیں  
 تھا..... میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ چیتے کے غرانے کی آواز آئی..... مجھے فوراً خیال آیا کہ  
 پتے نے مجھے دیکھ لیا.....

میرے کئے ہوئے ہونٹ سے خون بہہ رہا تھا..... دانتوں میں سخت درد  
 تھا..... ٹانگیں کانپ رہی تھیں..... کمر میں بھی سخت جھٹکا آیا تھا.....

اس شکار میں شروع سے ہی جو حادثات ہوتے آئے تھے ویسے کسی اور شکار  
 میں پیش نہیں آئے..... آتے وقت شیر کے نظر آتے ہی بیلوں کا گاڑی لے کر بھاگ  
 جاتا..... میرا اچھلتی کودتی گاڑی میں سے کودنا..... پھر درخت سے الجھ کر گرنا..... اور اب  
 ناختم چوٹ.....

جیب سے رومال نکال کر خون پونچھا..... ہونٹ کو دبا کر خون روکنے کی کوشش  
 کی.....

چیتے کے غرانے کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ اس نے مجھے دیکھ لیا ہے.....  
 اس کے بھاگنے کا راستہ کوئی نہیں تھا..... اور جو راستہ تھا اس طرف میں حائل  
 تھا..... میرے لیے بھی یہی دشواری تھی..... نہ جائے ماندن..... نہ پائے رفتن.....! میں

میں نے ٹول سے نیچے کی طرف جھانکا..... یہی کوئی چھٹ بلندی تھی..... اس  
 طرف زمین بلند ہو گئی تھی..... دونوں ٹولوں کے درمیان گنجائش بھی تھی..... اور زمین  
 نرم.....

یہی ایک صورت تھی کہ میں ادھر کو جاؤں..... اور کسی مناسب جگہ سے اس کو  
 دیکھنے اور فائر کرنے کی کوشش کروں..... رائفل لے کر چھٹ کی بلندی سے کودنا.....  
 آسان بات نہیں..... جو لوگ چار سو پچاس ایکسپریس رائفل کے وزن سے واقف ہیں  
 ان کو اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ کودنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جسم کے وزن  
 اور کبش ثقل میں مزید پانچ سیر وزن کا اضافہ ٹانگوں پر کتنا اثر کر سکتا ہے..... یہ سب  
 میں نے اس وقت تو نہیں سوچا..... رائفل لے کر نہایت احتیاط سے دوسری طرف کود  
 گیا.....

زمین پر ٹانگیں پڑیں تو شدید ضرب آئی..... اور میں سامنے گھٹنوں کے بل  
 گرا..... اتفاق کہ سامنے چٹان تھی..... منہ اس پر پڑا..... اور ہونٹ کٹ کر خون بہنے  
 لگا..... کمر اور کولہوں پر بھی کودنے کی شدت نے بہت فشار ڈالا تھا..... جیسے عضلات پر  
 ضرورت سے بہت زیادہ زور پڑا ہو..... دانتوں پر بھی چوٹ آئی.....  
 چند لمحوں کے لیے میں تقریباً نا کارہ ہو گیا.....

میری یہ جست بے آواز بھی نہیں تھی..... شرٹ کی لمبی جیبوں کے سامان نے  
 کارٹوسوں کی سازش میں سے خاصی آواز کی.....

میں نے اپنے کئے ہوئے ہونٹ کی فکر کیے بغیر رائفل سنبھالی اور باہر کی طرف  
 جھانکا..... غار نظر آ رہا تھا لیکن..... وہ جگہ نشیب میں تھی..... غار بلندی پر..... اس لیے  
 غار کے اندر تو وہاں سے نظر آتا ہی نہیں تھا..... میں جہاں تھا وہاں سے غار کا فاصلہ بھی  
 کوئی بیس گز.....

غار کے بائیں جانب زمین نسبتاً بلند ہو کر پہاڑی میں تبدیل ہو گئی تھی.....  
 لیکن اس طرف بھی بڑے بڑے گول مٹول پتھر اس طرح ڈھیر تھے جیسے کسی نے اوپر



نے اپنے کو خود ہی اس دشواری میں پھنسایا تھا..... اور اب میں چیتے کے فرار کی راہ مسدود کئے تھا..... جو اس قسم کے شکار کا خطرناک ترین مرحلہ ہے.....

شیر اور تیندوا تو بہت بڑا اور نہایت قوی درندے ہیں..... بلی کے بھاگنے کا راستہ مسدود کیا جائے تو وہ بھی اپنے پنہوں اور دانتوں سے زبردست زخم پہنچانے پر قادر ہوتی ہے..... اور انسان..... طاقت کا تو ذکر ہی کیا..... اپنی دانشمندی کے باوجود اس کے مقابلے پر قدرت نہیں رکھتا.....

میرا فوری رد عمل تو یہ تھا کہ میں وہاں سے ہٹ کر کوئی چار چھ گز مغرب کی طرف گیا..... جہاں چھدرے درخت تھے تاکہ میں ان درختوں کی آڑ میں آ جاؤں اور حملے کی صورت میں وہ موذی براہ راست مجھ تک نہ آ سکے..... یہاں سے پھر چیتے کو دیکھنے کی کوشش کی اب بھی غار کا فرش اونچا تھا.....

اس وقت چیتا..... دہانے کی مشرقی سمت نظر آیا..... پورا کھڑا ہو کر باہر کی طرف جھانکنے یا دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا..... میں نے رائفل اٹھائی نہ لیا..... اور فائر ہونے ہی کو تھا کہ چیتا اسی جگہ بیٹھ گیا..... اس کے سر کا اوپری حصہ اور کانوں کے سرے نظر آ رہے تھے.....

اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اس نے مجھے نہیں دیکھا..... ممکن ہے زخم کی تکلیف سے غرایا ہو..... اسی وقت غرانے کی آواز دوبارہ آئی..... اور میرے خیال کی تائید ہو گئی.....

اب زاویہ ایسا تھا کہ اگر میں ذرا سی بلندی پر آ سکتا تو چیتا نظر آ جاتا..... اس کے کانوں کے سرے تو نظر آ رہے تھے.....

قریب ہی ایک درخت نسبتاً گھٹا اور ایسا تھا کہ میں اس کے تنے کے اس حصے پر چڑھ سکوں جو دو شاخے کی طرح بن گیا تھا.....

میں بہت ہی احتیاط اور انتہائی آہستگی کے ساتھ درخت کے دو شاخے پر چڑھ ہی گیا..... زمین سے کوئی تین فٹ بلند..... لیکن چیتے کا جسم ایسا نظر نہیں آ رہا تھا کہ فائر

اور اب.....

اشتقاق کا وہ دور..... احتیاط کے یہ دن

صبح آرزو میری شام زندگی میری

اب وہ طاقت نہیں جو کبھی تھی..... لیکن عزم اب بھی جوان ہے..... حسرتیں اب بھی وہیں ہیں..... اب بھی اگر موقع ملے تو رانفل لے کر شیر یا تیندوے سے دودو ہاتھ کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہوں.....

زندگی کے قلعے کے چونٹھ برج میں تسخیر کر چکا ہوں..... الحمد للہ..... اور بھی میرے سامنے بے شمار برج ہیں جو میں سر کرنے پر آمادہ ہوں انشاء اللہ تعالیٰ..... میں درخت سے اترا.....

اور ابھی کوئی اور جگہ تلاش کر ہی رہا تھا کہ تیندو ابھی اپنی جگہ سے اٹھا..... اور لنگڑا کر دو قدم چلا..... میں نے رانفل سیدھی کی..... اس کا سینہ سامنے تھا..... سینے کے وسط کا نشانہ لے کر ایک لمحہ توقف کیا..... گہری سانس اندر کھینچ کر روکی..... اور..... زبردست دھماکا..... شانے پر چار سو پچاس ایکسپریس کار کیوائیل..... ساتھ ہی چیتا زمین پر گر گیا.....

میں نے کار تو س نکال کر پھینکا اور دوسرا لگا دیا.....

اب چیتا نظر نہیں آ رہا تھا.....

”صاحب بہادر.....“

گھماں نے مجھے پکارا.....

”ہاں ابھی گھماں..... کیا بات ہے.....!“

”صاحب بہادر..... تیندو مار دیا.....!“

”ہاں..... غالباً ابھی پکا نہیں معلوم..... تم درخت سے مت اترنا.....“

”اچھا جی.....“

میں جس درخت کے تنے پر پہلے چڑھا تھا اسی پر دوبارہ چڑھا..... چیتا زمین

کیا جاسکے..... البتہ وہ جس رخ سے بیٹھا تھا اس کی وجہ سے مجھے اس کا زخم نظر آ گیا..... کوٹھا سارا ہی لبو لبان تھا..... میرے خیال میں اس کی کولھے کی ہڈی ریزہ ریزہ ہو گئی ہو گی..... بیٹھے ہونے کی وجہ سے یہ نہ دیکھا جاسکا کہ ٹانگ کی ہڈی کسی جگہ سے ٹوٹی ہے.....

اس درخت پر مزید اوپر جانے کی گنجائش نہیں تھی بہت باریک تاتھا اور کمزور شاخیں.....!

میں اس درخت سے بھی بہ آہستگی اتر آیا.....

بہت عرصہ گزرا اسی طرح میں ایک شکار میں درخت پر کھڑا تھا..... لیکن رانفل ایسے زاویے سے تھی کہ اس کو حرکت دیکر کسی دوسرے زاویے پر لانے میں بہت وقت صرف ہوتا تھا..... اسی درخت کے نیچے شیر اس طرح آ گیا کہ مجھے خبر نہ ہوئی باوجود یکہ میری چھٹی حس برابر خطرے کا اعلان کرتی رہی..... اور شیر نے درخت کے تنے کے ساتھ بلند ہو کر اپنا ایک ہاتھ بڑھا کر میری ٹانگ نوچنے کی کوشش کی..... میں گھٹنوں تک آنے والے نہایت قیمتی اور مضبوط چوتے پہنے تھا..... ناخن کے ایک کھروچے سے پہلے تو یہ جوتا صاف پھٹ گیا..... پھر اس کے نیچے موٹا اونی استر..... اور موزہ..... لیکن پنڈلی پر ہلکی خراش پھر بھی آئی.....

جب تک میں رانفل اس طرف لاؤں اس وقت تک وہ بھاگ لیا.....

اب جو میں ٹلسا، اوکلا ہوما میں اکتوبر ۱۹۹۵ء شنبے کے دن اپنی لائبریری کی شیشے کی میز کے عقب نہایت عمدہ اور آرام دہ کرسی پر بیٹھا..... اس واقع کو ذہن کے پردوں پر منعکس کر رہا ہوں جو پچیس تیس سال پہلے وقوع پذیر ہو چکے ہیں..... تو مجھے عجیب سا محسوس ہوتا..... غفوان شباب اس وقت میری عمر کم و بیش پینتیس سال رہی ہو گی..... بے باکی اور بے خوفی..... جب جان کی پرواہ نہیں تھی.....

پر بے حس و حرکت پڑا تھا.....

میں اسی طرح درخت پر کھڑا اس کو دیکھتا رہا..... یہاں تک کہ بیس منٹ گزرنے پر بھی اس کے جسم میں کسی حرکت کے آثار نظر نہیں آئے..... مجھ سے اس جگہ کا فاصلہ بیس گز یا اس کے لگ بھگ ہو گا میں درخت سے اترا آیا..... ایک پتھر اٹھا کر غار کی طرف پھینکا..... پتھر تیندوے کو تو نہیں لگا لیکن غار کے قریب جا کر گرا..... میں نے پھر درخت پر چڑھ کر دیکھا..... چیتا اسی طرح بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا.....

میں نے چند منٹ کے وقفے سے ایک پتھر اور پھینکا..... وہ بھی غار کے قریب گرا لیکن چیتا ختم ہو چکا تھا.....

اب میں پھونک پھونک کر قدم رکھتا غار کی طرف چلا..... ادھر زمین بلند ہوتی گئی تھی..... تاہم پانچ گز پر پہنچ کر چیتا صاف نظر آ گیا..... میں وہاں دو لمحے ٹھہرا..... ایک پتھر اٹھا کر چیتے کو مارا وہ اس کے لگا بھی..... لیکن اس کی زندگی کا چراغ بجھ چکا تھا.....

اب میں قریب آ گیا..... رائفل کی نال اس کے سر پر رکھی..... ہلائی جلائی..... اس میں کوئی حرکت نہیں تھی.....

”گھماں.....“

”جی صاحب بہادر.....“

”آ جاؤ..... چیتا مر چکا ہے..... اب کوئی ڈر نہیں ہے.....“

گھماں کے آنے سے پہلے میں نے اپنے ہونٹ کا زخم صاف کر دیا..... لیکن میں جانتا تھا کہ وہ جگہ متورم ہو گئی ہے.....!

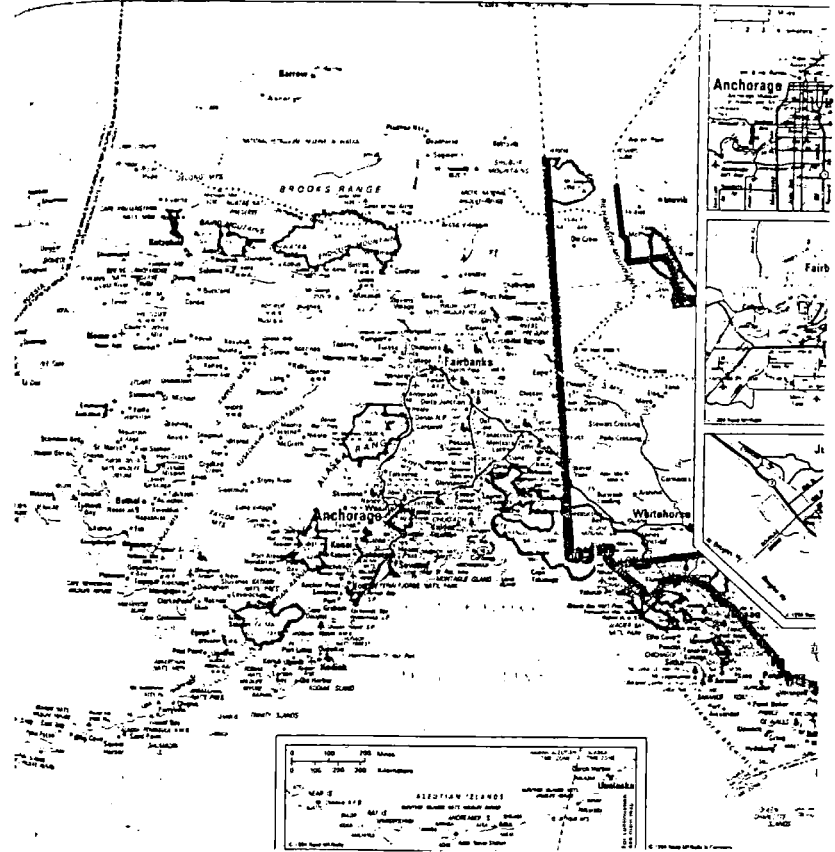
## سفید برف سرخ خون

قطب شمالی کے سائے میں..... شکار کے سلسلے میں دنیا کا پہلا

”پاکستانی“ شکاری..... قمر نقوی

یونائیٹڈ ایرلائنرز کی اوکلینڈ OAKLAND سے سٹیل سیٹیک SEATTLE جانے والی فلائٹ پر اتنی گنجائش تھی کہ مجھے اور میری بیگمنیر کو مفت ٹکٹ FREE TICKETS ہونے کے باوجود بہ آسانی نشستیں مل گئیں..... میری تین سو پچتر ہالینڈ اینڈ ہالینڈ میگنم رائفل مقفل ڈبے میں بند پہلے ہی جہاز کے عملے کے علم اور پولیس کی اجازت کے تحت جہاز کے ہولڈ میں جا چکی تھی.....

۱۸ مئی ۱۹۸۹ء کا دن کیلیفورنیا میں صاف اور روشن تھا..... بادلوں کے چند آوارہ ٹکڑوں کے علاوہ وسعت فلک پر اور کوئی اثر دہام نہیں تھا..... ہمیں ہمارے بڑے بیٹے عرش نے اوکلینڈ کے ہوائی اڈے پر چھوڑا تھا..... یہ ہوائی اڈا سان فرانسسکو کے ہوائی اڈے کے بہت نزدیک ہے..... اوکلینڈ اور سان فرانسسکو خود بہت نزدیک نزدیک ہیں خلیج سان فرانسسکو کے مغربی کنارے پر سان فرانسسکو ایک طویل خاکنائے پر واقع ہے..... اور اسی خلیج کے مشرقی ساحل پر اوکلینڈ ہے..... دونوں شہروں کو ملانے کے لیے خلیج کے عمیق سمندر میں..... جس کی چوڑائی دس میل ہے..... ایک نہایت وسیع آہنی پل تعمیر کیا گیا ہے جو دس میل لمبا ہے..... اور سین میٹھو SAN MATEO پل کے نام سے معروف ہے اس لیے کہ مغربی ساحل پر جس جگہ یہ پل ساحل سے ملتا ہے اس جگہ شہر سین میٹھو ہے..... جو سان فرانسسکو سے بالکل متصل ہے اس طرح کہ دونوں شہروں



الاسکا کا نقشہ

ہڑی چلا رہے ہوتے ہیں..... بچپن ساٹھ میل کی رفتار سے.....  
 پل کے دونوں جانب تین فٹ اونچی آہنی رکاوٹ ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے  
 کہ ایک طرف ہے..... اس لیے کہ ایک جانب تو مغرب سے مشرق کی سمت جانے والی  
 راک ہے..... دونوں جانب آنے اور جانے والی سڑکوں کو ایک درمیانی جنگلہ تقسیم کرتا  
 ہے.....

اس جنگلہ کو اتنا مضبوط بنایا گیا ہے کہ عام طور سے موٹر کار اگر سمندر میں  
 ہلاک لگنا چاہے تو یہ جنگلہ اس کو خودکشی نہیں کرنے دیتا..... بعض جوان مرد یہ کام بھی  
 کر دکھاتے ہیں..... میں جن دنوں وہاں تھا..... ایک بہت بڑا اٹھارہ پہیوں والا ٹریلر  
 رقبہ ہوا.....

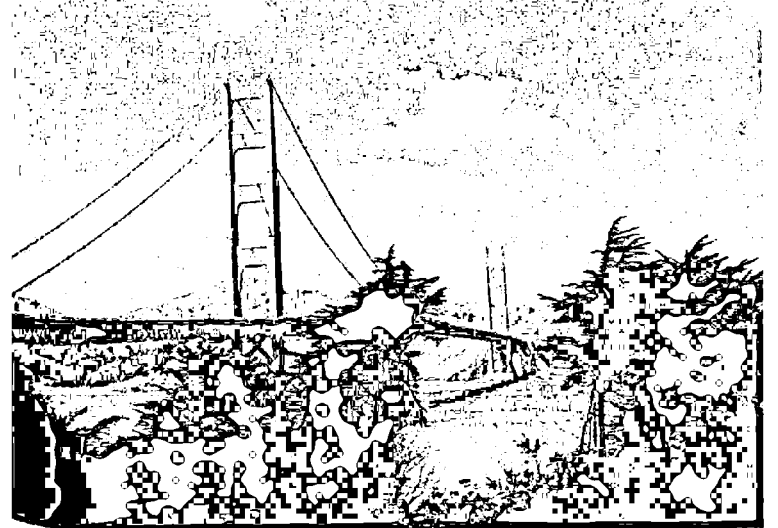
ایک ہندوستانی سکھ مقیم امریکہ اس ٹرک کو ڈرائیو کر رہا تھا..... اور پولیس کے  
 اہلکار کے مطابق پینسٹھ میل کی رفتار سے جا رہا تھا..... شراب بھی پی رکھی تھی..... ایک جگہ  
 رازن برقرار نہ رہ سکا..... ٹرک جنگلہ توڑ کر سیدھا سمندر کے اندر..... اس جگہ سمندر کی  
 گہرائی چالیس فٹ ہے..... اس جگہ ٹرک کو پانی میں سے نکالنے کا سامان آنے اور  
 نکالنے میں بہت وقت لگا اور جب نکالا گیا تو ڈرائیو کی لاش ہی نکلی.....  
 میں اس پل پر سے گزرنے میں بہت تکلف کرتا تھا.....

ان دنوں ہم لوگ لور مور LIVERMORE میں رہتے تھے..... لور مور  
 سے اوکلینڈ اور ہیوارڈ گیارہ میل پر ہیں..... میں سان فرانسسکو جانے سے بہت پرہیز  
 کرتا..... تین چار ماہ میں ایک بار بمشکل جاتا..... اور جب سین میٹیو کے پل سے گزرتا  
 تا تو مجھے ہمیشہ پل صراط کا خیال آتا البتہ سین میٹیو اور پل صراط میں مشابہت کم  
 ہے..... پل صراط تو بال سے باریک پل ہوگا..... جبکہ سین میٹیو پل نہایت وسیع سڑک  
 ہے.....

لیکن..... پل پر ڈرائیو کرتے ہوئے عجیب احساس ہوتا..... دس میل بیچ  
 مندر میں..... وحشت ناک منظر..... ہر طرف موجیں مارتا پانی..... جس میں شارک

کے درمیان کوئی حد فاصل نہیں..... میں تو سین میٹیو کو سان فرانسسکو کا ایک محلہ ہی سمجھ  
 ہوں.....

سین میٹیو کا پل..... جو اوکلینڈ کی متصل آبادی ”ہے وارڈ“  
 HAYWARD کے عین وسط سے شروع ہوتا ہے..... ایک ایسا آہنی کارنامہ ہے جس  
 کو دیکھ کر نہ صرف حیرت ہوتی ہے بلکہ ایک قسم کا خوف بھی طاری ہوتا ہے..... دس میل  
 چوڑی خلیج پر اس پل کی تعمیر بجائے خود انجینئرنگ اور انسان کی صلاحیت کا ایک نادر نمونہ  
 ہے..... اور پل بھی اتنا وسیع کہ آمدورفت کے لیے دونوں جانب دو سڑکیں TWO  
 LANES کی DIVIDED ROADS ہیں جن پر کم از کم رفتار چالیس اور حد  
 اکثر رفتار پچپن میل فی گھنٹہ ہے چالیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے تو کون جاسکتا ہے.....  
 اتنی ٹریفک ہوتی ہے کہ کاروں کی لائن لگی ہوتی ہے وہ جو BUMPER TO  
 BUMPER کی اصطلاح ہے وہ صادق آتی ہے..... اور سب ہی بس جان چھوڑ کر



سین میٹیو برج



”دوبارہ آئے گا..... کیوں؟“

”ہمیشہ زلزلے کے بعد کسی قدر تاخیر سے کئی جھٹکے آتے ہیں..... اللہ کو یاد

کرتی رہو..... میں آ رہا ہوں بس..... اچھا خدا حافظ.....“

’میں کار میں بیٹھا..... اس زمانے میں میرے پاس فورڈ برانکو ہوتا تھا..... اور بیٹھے ہی ریڈیو کھول دیا..... زلزلے کی خبریں بڑی تفصیل کے ساتھ آرہی تھیں..... میں پلیوٹن سے نکل کر ہائی وے فائیو پر آیا اور سیدھا لورمور کی طرف واپس ہوا.....

ہائی وے پر ٹریفک کا وہی عالم تھا جو ہمیشہ ہوتا ہے..... باوجودیکہ ایک طرف جانے کے لیے چار وسیع LANES کا ہائی وے ہے لیکن ٹریفک جیسے ہر وقت جھوم کے برابر ہوتی ہے..... اور ہر کار..... بچپن ساٹھ میل پر جاتی ہوئی.....

گھر پہنچنے میں بیس منٹ لگے..... ابھی عرشی بھی واپس نہیں آئے تھے..... گھر میں داخل ہوا تو بیگم منیر زرد ہو رہی تھیں..... چہرے پر ہوا یاں اڑتی ہوئی..... آنکھوں میں آنسو..... میرے آ جانے سے ان کو تسلی ہوگی.....

”زلزلہ دوبارہ تو نہیں آیا.....؟“

”ابھی تو نہیں آیا.....“

”آئے گا..... لیکن خیر..... اللہ مالک ہے.....“

ہمارا اپارٹمنٹ..... دو بیڈروم کا تھا..... اور اچھا وسیع..... ایک طرف کھلا ہوا لونگ ایریا..... جو اچھا بڑا ہال تھا..... اس کا عقبی دروازہ اس کا مپلکس کے پائیں باغ کی طرف تھا جدھر خوب بڑے بڑے درخت، پھول اور بلیٹس تھیں..... اس طرف HUMMING BIRDS بڑی تعداد میں آیا کرتی تھیں..... اور ان کو دیکھنے میں بڑا لطف آتا تھا..... پرندے اڑتے ہیں..... ان کا اڑنا اب روزمرہ کی بات ہے اس میں کوئی خلاف معمول بات معلوم نہیں ہوئی..... لیکن HUMMING BIRDS کو اڑتے ہوئے ہوا میں رک جانے کا کمال حاصل ہے..... جس طرح ہیلی کاپٹر ایک جگہ پرواز کرتا رہتا ہے اور ٹھہرا رہتا ہے اس طرح یہ پرندہ دوران پرواز ایک مقام پر ٹھہر

بکثرت ہوتی ہیں..... سمندر ہی ٹھہرا..... اور وہ بھی نہایت گہرا سمندر..... اور اس کے بچ میں پل..... مجھے تو اکثر یہ خیال بھی آتا کہ اگر زلزلہ ذرا زور کا آجائے تو غالباً پل ٹوٹ جائے گا..... اگرچہ ایسا نہیں ہوتا..... وہ علاقہ شدید زلزلوں کا ہے کئی بار زلزلے آئے.....

وہ بہت بڑا زلزلہ جو سان فرانسسکو کے قریب ایک مقام سے شروع ہوا..... ٹام کو ذرمور میں آیا..... میں اس وقت لور مورگی ایک قریبی آبادی پلیوٹن PLEASANTON کے بہت بڑے ڈپارٹمنٹ اسٹور BEST میں کسی ضرورت سے گیا تھا..... ادھر میں دروازے سے داخل ہوا ادھر ساری عمارت کا پنپنے لگی..... میں اگلے قدموں دروازے سے تیر کی طرح باہر نکل کر پارکنگ کے میدان میں آ گیا..... یہ بڑا سخت زلزلہ تھا..... کافی تباہی پھیلی..... اس وقت منیر بیگم گھر میں تنہا تھیں..... اور بہت ہی خوفزدہ ہوئیں.....

عرشی بھی گھر میں نہیں تھے..... وہ کسی ضرورت سے لورمور کے بازار میں جانے کے لیے چند منٹ پہلے ہی نکلے تھے اور ان کو زلزلے کی خبر ہی نہیں ہوئی اس لیے کے کارڈرائیو کر رہے تھے..... جب انھوں نے ایک اسٹور کے پاس کار روکی اور اترے تو لوگوں کو باہر کھڑے اور بدحواس ہوتے دیکھا.....

زلزلہ رفع ہوتے ہی میں نے گھر فون کیا.....

”کہیے صاحب..... خیریت ہے.....؟“

”ہاں..... خیریت تو ہے.....“ بیگم کی آواز خوف و ہراس کی وجہ سے تھرا رہی تھی..... ان کے تو ہوش زائل ہونے کو ہو گئے ہوں گے..... ”آپ کہاں ہیں خیریت سے ہیں.....“

”الحمد للہ خیریت ہے..... میں بس واپس آ رہا ہوں انشاء اللہ.....“

”ہاں آجائیے.....“

”یہ خیال رکھو..... ابھی دوبارہ زلزلہ آئے گا..... ہمت رکھنا.....“

ٹریفک کی..... دونوں سطحیں ٹوٹ گئیں..... اوپر والی سطح ٹوٹ کر خلی سطح پر گری..... اور درمیان میں کئی کاریں دب کر رہ گئیں..... ان کے مسافر بھی ہلاک ہوئے.....

لور مور..... وہ شہر جس میں ہم لوگ رہتے تھے..... زلزلے کی خاص گزرگاہ  
SAN ANDEREAS FAULT پر واقع ہے..... جو اس علاقے کی فعال  
زلزلہ گاہ ہے اسی طرح سان فرانسسکو اس کے متصل FAULT پر واقع ہے.....

اس علاقے میں زلزلے تو برابر آتے ہی رہتے تھے..... کچھ محسوس ہوتے کچھ محسوس نہیں ہوتے تھے..... ہم لوگ کیلیفورنیا میں ڈیڑھ سال رہے.....

اوکلینڈ کے انٹرنیشنل ایر پورٹ سے ہمارا ہوائی جہاز صبح آٹھ بجے روانہ ہوا اور فوراً ہی بلند ہو گیا..... امریکہ میں جہازوں کو پرواز کرتے ہوئے دیکھا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سارے جہاز زمین سے اٹھتے ہی بہت سرعت کے ساتھ بلند ہوتے ہیں..... اور دس پندرہ منٹ کے اندر ہی مطلوبہ ارتفاع پر آ جاتے ہیں..... البتہ جہاز کے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں کو اس کا احساس اتنا نہیں ہوتا جتنا باہر سے دیکھنے والوں کو ہوتا ہے.....

ایر پورٹ سے پرواز شروع ہوتے ہی دائیں جانب سان فرانسسکو کی خلیج کے خروج یا درود پر جہاں خلیج اور بحر الکاہل کا اتصال ہے..... سان فرانسسکو کا مشہور عالم پل

گولڈن گیٹ برج نظر آتا ہے (GOLDEN GATE BRIDGE)  
واقعہ یہ ہے کہ یہ پل بھی اپنی نوعیت کا واحد اور عجیب و غریب پل ہے..... سطح سمندر سے کئی سو فٹ بلند دو پہاڑیوں کی چوٹیوں کو چھوتا ہوا گولڈن گیٹ برج، آہنی تاروں سے بٹے ہوئے ناقابل شکست رسوں کے زور پر لٹکا ہوا ہے..... اس برج کے نیچے سے دنیا کا بڑے سے بڑا جہاز گزر جاتا ہے.....

اس پل کی لمبائی بھی..... ہے اور اتنا چوڑا ہے کہ چھ لینز ہیں..... تین لینز ایک طرف جانے کے لیے تین لینز دوسری طرف.....! اس پل کے سامنے ہی خلیج کے عین درمیان میں وہ مشہور معروف چھوٹا سا

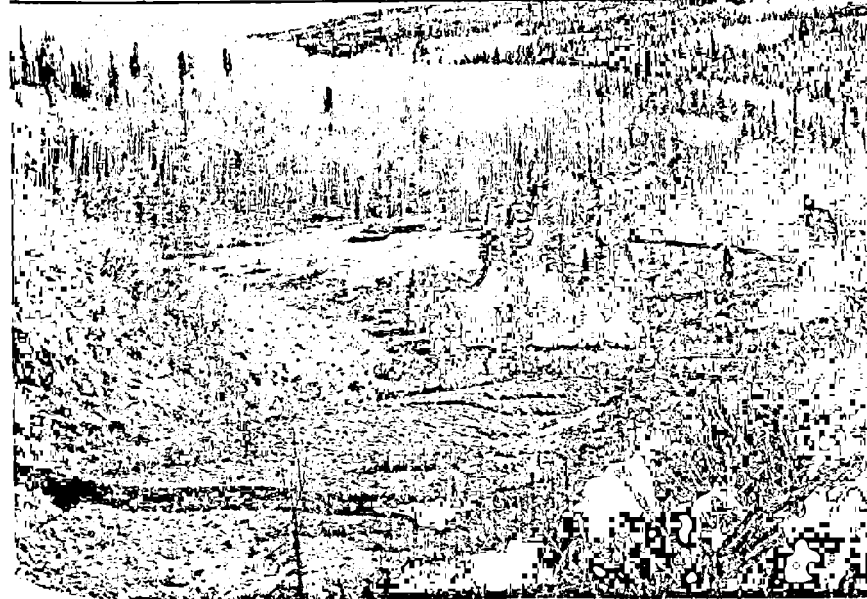
کر ہوا میں معلق رہتا ہے اور پھولوں کا رس چوس لیتا ہے.....

نیگم نے چائے بنائی..... اور ہم دونوں ڈاننگ ایریا میں ہی بیٹھ گئے..... ٹی وی کھلا ہوا تھا اور اس پر زلزلے کی خبریں اور تصویریں دکھائی جا رہی تھیں..... میرے سامنے شیشے کی کھانے کی میز پر پیالی رکھی تھی..... ساتھ کی کرسی پر نیگم بیٹھی تھیں اور ان کی پیالی ان کے سامنے ہی تھی.....

یکبارگی..... زلزلہ پھر آیا..... پیالی میں سے چائے چھلک گئی..... اور اوپر لٹکا ہوا برقی فانوس جھولنے لگا..... ہم دونوں ہی ساکت و حیران.....!

یہ جھلکے بھی چند سکند کے لیے تھے..... اور مابعد زلزلہ AFTER SHOCK کے لقب سے موسوم ہیں..... یہ آفرشاک بھی چھ طاقت کا تھا.....!

اس زلزلے نے اچھی خاصی تباہی پھیلائی..... ایک جگہ ہائی وے ٹوٹ گیا..... اتفاق سے اس جگہ یہ ہائی وے دو منزلہ تھا..... ایک سطح شمال سے جنوب کی طرف جانے والی ٹریفک کی تھی..... دوسرے سطح جنوب سے شمال کی طرف جانے والی



الاسکا کا علاقہ..... اصل امریکی سرزمین سے بہت دور ہے..... بچ میں کینڈا حائل ہے..... جس کا جنوب مغربی علاقہ جو برٹش کولمبیا کہا جاتا ہے امریکہ سے الاسکا کو علیحدہ کرتا ہے.....

الاسکا کا پایہ تخت..... جونو (JUNEAU) ہے جو الاسکا سے بہت فاصلے پر جزیروں میں واقع ہے.....

سٹیل سے الاسکا اتنی دور ہے کہ پرواز میں ساڑھے تین گھنٹے لگتے ہیں..... جہاز سمندر پر اڑ رہا تھا..... امریکہ سے الاسکا براہ راست خشکی کا راستہ نہیں ہے..... اگر کوئی چاہے تو کینڈا ہو کر الاسکا جاسکتا ہے..... ورنہ صرف سمندر..... یا ہوائی راستہ.....!

ہم اینکرٹیج (ANCHORAGE) میں سوا پانچ بجے اترے دن کا اجالا تھا..... روز روشن.....!

یہاں ہمیں کئی گھنٹے ٹھہرنا تھا..... میری منزل مقصود تو دراصل فورٹ یوکان (FORT YUKAN) تھی..... لیکن اینکرٹیج سے فیئر بنکس (FAIRBANKS) جانا تھا..... فیئر بنکس سے ایک چھوٹے جہاز پر فورٹ یوکان.....

اینکرٹیج سے فیئر بنکس کی فلائٹ ساڑھے نو بجے رات کو تھی.....  
”فیئر بنکس میں رات کو پہنچ گئے.....“

بیگم صاحبہ نے کہا

”ہاں..... کیا فرق پڑتا ہے..... ہوٹل کی بس تو ہوگی ہی.....“

بس ہوگی بھی..... پتہ کر لیا ہے.....“

”ہوٹل نے کمرہ ریزہ در کیا ہے تو وہی ایر پورٹ سے پک اپ کرنے کا انتظام

کریں گے.....“

جزیرہ ہے جس پر اسی زمانے میں ایک جیل ہوا کرتی تھی اور الکتر از (ALCATRAS) کے نام سے مشہور تھی..... اس جیل کے بارے میں عام طور سے کہا جاتا تھا کہ کوئی قیدی فرار نہیں ہو سکا..... اس کی طول و عرض میں صرف ایک فرار کی داستان ہے..... اس فرار میں غالباً تین آدمی بچ کر نکل گئے.....

اس کے متعلق ایک فلم بھی بنی جس کا نام ہے ESCAPE FROM ALCATRAS اور کلنٹ ایسٹ وڈ اس فلم کا ہیرو ہے.....

الکتر از کا زندان خانہ عرصہ ہوا بند کر دیا گیا..... اب وہ جزیرہ اور اس کی عمارتیں خلی ہیں..... اور سیاحوں کا بڑا مرکز..... جو لوگ الکتر از کی شہرت سے واقف ہیں وہ چھوٹے جہازوں کے ذریعے الکتر از جاتے اور اس حیران کن جیل کو دیکھتے ہیں.....

جزیرے پر کھڑے ہو کر گولڈن گیٹ برج کا منظر بڑا دلکش نظر آتا ہے خصوصاً غروب کے وقت.....

اوکلینڈ سے سٹیل تک ڈھائی گھنٹے کی پرواز ہے..... جب جہاز اپنی مقررہ بلندی پر آ گیا اور پرواز ہموار ہو گئی تو جہاز کے عملے نے سب کو ناشتہ پیش کیا..... اس وقت جہاز کو ہستان شاستہ (SHASTA MOUNTAINS) پر سے گزر رہا تھا.....

سوا دس بجے ہم بحیریت و عافیت سٹیل کے ہوائی اڈے پر اتر گئے..... یہاں جہاز کو چالیس منٹ ٹھہرنا ہوتا ہے..... ہم لوگ ہوائی اڈے میں گھومتے رہے تاہیکہ دوبارہ بورڈنگ کا اعلان ہوا اور ہم اپنی تشستوں پر بیٹھ گئے..... ذرا ہی دیر بعد جہاز ہوا میں پرواز کر رہا تھا.....

امریکہ کی MAINLAND اور الاسکا میں زمینی اتصال نہیں ہے..... یعنی

دس منٹ میں بس آگئی..... رات کے سوا دس بجے تھے..... باہر نکلے تو حیرت ہو گئی..... وہی روز روشن..... نہ شام کے آثار تھے نہ رات ہونے کے..... میں نے جغرافیہ گورنمنٹ ہائی اسکول اٹاؤ میں میٹرک تک پڑھا تھا.....

ان دنوں میٹرک بڑا مکمل کورس ہوا کرتا تھا جس کے پڑھنے اور میٹرک پاس کر لینے سے واقعی علم اور معلومات ہوتی تھیں..... آٹھویں درجے تک تو انگریزی لازمی کے بعد اریٹھمٹک الجبرا..... جیومیٹری..... تاریخ، جغرافیہ، اردو، ہندی..... فارسی..... اور اختیاری عربی..... سارے مضامین ہوا کرتے تھے..... نویں درجے میں تاریخ اور جغرافیہ میں سے کسی ایک کے انتخاب کی اجازت تھی..... اسی طرح الجبرا..... یا حساب منتخب کرنے کا اختیار تھا..... اردو اور فارسی میں سے کوئی ایک انتخاب کرنا ہوتا تھا.....

لیکن آٹھویں جماعت میں جغرافیہ اتنی بڑھادی جاتی تھی کہ ساری دنیا کے موسم بارشیں، ہوائیں، سمندر کی روئیں..... جھیلیں..... جہازوں کے راستے..... زلزلے اور ان کے مراکز..... طول البلد و عرض البلد..... خط استوا..... خط سرطان، خط جدی وغیرہ سب ہی پڑھائے جاتے تھے..... اور میں نے جو جغرافیہ ان دنوں پڑھا وہ اکثر اب بھی یاد ہے..... اسی زمانے میں الاسکا اور آرکنک سرکل اور قطب شمالی و قطب جنوبی کے موسموں اور دن و رات کے بارے میں پڑھا تھا..... تب ہی سے یاد تھا کہ قطب شمالی میں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات ہوتی ہے..... یہ نہیں یاد تھا کہ الاسکا میں بھی یہ کیفیت ہوتی ہے.....

اب جو رات کسی طرح ہوئی ہی نہیں تو ساری بات یاد آگئی..... ہوٹل کے کمرے کی کھڑکیوں پر گہرے رنگ کے نہایت دبیز پردے پڑے تھے..... ان کی مصلحت ہی یہی تھی کہ کمرے کے اندر اندھیرا کیا جاسکے تاکہ رات کا ماحول پیدا ہو سکے اور نیند آجائے.....

رات کا بہانہ کر کے ہم لوگ سو ہی گئے..... حسب معمول صبح کے پانچ بجے آنکھ کھل گئی..... روشنی خوب تھی اور سورج عین وہیں پر تھا جہاں سونے سے پہلے اس کو

میں نے اپنا سامان وصول کر لیا..... اب سوال یہ تھا کہ ساڑھے پانچ سے ز بجے تک ایر پورٹ پر کیسے بیٹھے رہیں..... اور شہر جائیں تو سامان کا کیا کریں..... خصوصاً بندوق.....

ایر پورٹ پر لا کر ز بھی ہوتے ہیں اور سامان رکھنے کے اسٹور بھی..... اینکرتیج میں بھی تھا..... میں نے سامان وہاں رکھوا دیا اور باہر نکل کر بس پر بیٹھ گئے..... ایر پورٹ سے شہر زیادہ دور نہیں.....

ہم لوگ پونے نو بجے ایر پورٹ واپس آ گئے..... اپنا سامان نکلوا لیا اور تھوڑی ہی دیر بعد فیئر بنکس جانے والا جہاز آ گیا..... اینکرتیج سے فیئر بنکس صرف چالیس منٹ میں ہم پہنچ گئے.....

سامان وصول کرنے اور بیرونی لاؤنج میں آتے آتے دس بج گئے..... لاؤنج کی انفارمیشن ڈیسک کے نزدیک ہی ہوٹلوں کے بورڈ لگے تھے انھیں میں ویسٹ اینڈ بھی تھا..... ویسٹ اینڈ وہ ہوٹل تھا جس میں ہمارے کمرے کی ریزوریشن تھی..... میں نے ان کو فون کیا.....

”ہلو..... میرا نام قمر نقوی ہے..... میرے نام کمرہ ریزور ہے.....“

”میں چیک کر کے بتاتا ہوں.....“

ایک لمحہ توقف.....

”یس سر..... آپ کا ریزوریشن ہے.....“

”ہم لوگ ہوٹل کیسے پہنچیں.....؟“

”آپ وہیں ٹھہریے..... ہوٹل ویسٹ اینڈ کی بس چند لمحوں میں آئی ہے.....“

”شکریہ.....“

اوقات میں الاسکا میں بھی نمازیں پڑھتا رہا..... اللہ تعالیٰ قبول کرنے والا اور معاف کرنے والا غفور الرحیم ہے.....

نمازوں کے جن اوقات کا تعین قرآن کریم کی آیات کے تحت ہوتا ہے ان کا اطلاق الاسکا اور قطب شمالی کے دوسرے علاقوں میں ممکن نہیں..... قطب جنوبی بھی اس زمرے میں آتا ہے لیکن قطب جنوبی میں نہ تو کوئی آبادی ہے نہ کوئی قابل شکار جانور..... یا کم از کم میرے علم میں نہیں ہیں..... قطب جنوبی کے آس پاس مختلف اقوام نے مل کر کئی تحقیقی مراکز قائم کر رکھے ہیں..... بس.....

”ہلو..... قمر.....“

”یس.....“

”کیا تم تقریباً دو گھنٹے میں چلنے کو آمادہ ہو سکتے ہو.....؟“

”ہاں.....“

”ٹھیک..... دس اور ساڑھے دس کے درمیان میں تم کو ہوٹل سے پک اپ کروں گا.....“

”گڈ.....“

ہم نے اپنا سامان فوراً ہی سمیٹ لیا..... اور سب کچھ لے کر لاؤنج میں آ گئے یہاں میں نے ہوٹل کا بل ادا کیا اور جاش کے منتظر رہے تاہیکہ سوا دس کے قریب وہ اور اس کا ایک معاون رس آ گئے..... انھوں نے ہمارا سامان اپنے ٹرک میں رکھا..... ٹرک سے میری مراد فور وہیل ڈرائیو اور ہم فیئر بنکس ایر پورٹ کے لیے روانہ ہو گئے جہاں جاش کا ذاتی جہاز ہمارا منتظر تھا.....

الاسکا اتنا وسیع و عریض..... اور قدرتی وسائل سے مالا مال قطعہ زمین ہے کہ دنیا کے بہت سے ملک اس کے برابر نہیں ہیں.....

دراصل..... الاسکا..... سارے کا سارا روس کے قبضے میں تھا..... اس لیے کہ روس کا شمالی حصہ کچھ کا اس سے نزدیک ہے..... درمیان میں بیرنگ سٹریٹ

چھوڑا تھا.....

سحری ہوٹل کے لاؤنج میں کی پھر واپس کمرے میں آئے اس کے بعد میں نے آٹھ بجے کے قریب اس سفاری ایجنٹ کو فون کیا جس سے شکار کا معاملہ طے تھا.....

”ہلو..... میں جاشوا بول رہا ہوں.....“

”ہائی جاش..... دس از قمر نقوی.....“

”ہائی قمر..... ہاؤ آریو ڈونگ.....“

”فائن فائن..... اب کیا پروگرام ہے.....؟“

میں نے پوچھا

”اگر تم چاہو تو آج ہی فورٹ یوکان کے لیے روانہ ہو جائیں.....“

”یقیناً..... کس وقت.....“

”ایک لمحہ ہولڈ کرو..... میں ابھی بتاتا ہوں.....“

وہ کسی دوسرے شخص سے بات کرنے لگا.....

میں نے بیگم سے پوچھا.....

”کیا خیال ہے..... آج ہی چلیں.....“

”ہاں بالکل.....“ وہ بولیں ”وقت کیوں ضائع کریں..... پھر رمضان کا زمانہ

ہے.....“

دراصل میں زور تحریر میں ایک بہت اہم بات بھول گیا..... ہمارا یہ دورہ عین رمضان المبارک کے آخری عشرے میں واقع ہوا..... ہم دونوں نے ہی روزے ترک نہیں کئے.....

روزہ کھولنے کی دشواری اینکریج میں ہی پیش آ گئی تھی..... اس لئے کہ سورج تو غروب ہوتا نہیں تھا..... لہذا ہم نے کیلیفورنیا کے وقت کے مطابق روزہ افطار کر لیا..... سحری بھی اسی حساب سے کھاتے رہے..... میں نے نماز کے اوقات کا تعین بھی کیلیفورنیا کے وقت کے مطابق کیا..... جس وقت میں وہاں نمازیں پڑھتا تھا ان ہی

(BERING STRAIT) ہے.....

میں الاسکا پر اس لیے بھی فریفتہ ہوں کہ یہاں اس شکار کی افراط ہے..... کیربو،  
ان 'الک'، مونز، ریچھ..... وغیرہ..... بکثرت ہیں..... اور حکومت کی متصل کوشش ہے کہ  
نفرت عظمیٰ میں کمی واقع نہ ہونے پائے.....

الاسکا کے تقریباً سارے علاقوں میں قطبی ریچھ (POLAR BEAR) پایا  
ہے..... جس کی جولاں گاہ شمال کے وہ علاقے ہیں جو آئرلینڈ سرکل کے اندر واقع  
ہے.....

الاسکا کی آبادی میں معتد بہ حصہ امریکی ہندیوں کا ہے (AMERICAN  
(INDIAN) اسکیموز کی بڑی تعداد بھی شمال میں ہے..... بڑے شہروں کے علاوہ  
یوکان کے کنارے کنارے چھوٹے چھوٹے گاؤں اس اور آبادیاں ہیں جن میں  
مقامی لوگ رہتے ہیں..... اس لیے کہ وہاں کی زندگی ایسی دشوار..... ذرائع محدود اور  
مکمل طور پر.....

فورٹ یوکان (FORT YUKON) میں دائرہ آئرلینڈ پر واقع چھوٹا سا  
ہے..... پچاس ساٹھ میل پر اسٹیون ویلج (STEVEN VILLAGE)  
پھرتانا (TANANA) ہے..... کاکرینس (KOKRINE NES) ہے اور اسی  
کئی دوسری آبادیاں.....

ان مقامی لوگوں کی شک و شبہت اسکیموز سے ملتی جلتی ہے..... مثلاً  
دل کی ہڈیاں قدرے اٹھی ہوئی نمایاں..... آنکھیں چمک چھوٹی..... چہرے چوڑے  
..... قد و قامت متوسط.....!

ہم لوگ جہاز میں بہ آرام بیٹھ گئے تو جاش نے پامیلٹ کی نشست  
..... اور جہاز کا ایک پنکھا ذرا سی کوشش کے بعد گھومنے لگا..... پھر دوسرا..... اور  
ہماز گویا زندہ ہو گیا..... اتنے چھوٹے سے جہاز پر بیٹھنے کے لیے پہلا اتفاق  
اور بیگمنیر کا بھی..... ہم دونوں ہی گویا متفکر تھے..... لیکن جہاز نے حرکت  
جاش سر پر ہیڈ فون لگا کے کنٹرول ٹاور سے بات کر رہا تھا..... اور ان کی ہدایت

الاسکا کا رقبہ تقریباً چھ لاکھ مربع میل ہے..... اور اس وسیع سرزمین پر صرف  
پانچ لاکھ انسان آباد ہیں..... جن میں سے بیشتر الاسکا کے دو بڑے شہروں میں رہتے  
ہیں..... اینکرٹیج ANCHORAGE سب سے بڑا شہر ہے..... اس کے دو  
دوسرے نمبر پر فیئر بنکس (FAIRBANKS)..... ان دونوں شہروں میں تعلیم  
ادارے بھی ہیں..... اینکرٹیج کے علاوہ فیئر بنکس میں بھی یونیورسٹی ہے..... اور جاش  
نے مجھے بتایا کہ اس یونیورسٹی میں ایک یا دو پاکستانی بھی کام کرتے ہیں..... میں  
بازار میں ایک کار پر چند پاکستانی شکل شبہت کے لوگوں کو بیٹھتے دیکھا..... میں سوچا  
تھا کہ ان سے بات کی جائے لیکن ان میں سے کسی نے میری طرف توجہ نہیں کی.....  
میرے لیے یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی..... ہم پاکستانی، بالعموم بددماغ ہو  
ہیں..... کسی پاکستانی کو غیر متوقع جگہ دیکھ کر بھی ہم اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے.....  
پاکستانیوں سے ملنے کو ہم کسر نشان سمجھتے ہیں لہذا میں نے بھی ان ہی کی جیسی بددماغی  
ثبوت دیتے ہوئے ان کی طرف سے توجہ ہٹائی.....

الاسکا کا دارالحکومت جونو (JUNEAU) ہے جو اصل سرزمین الاسکا  
جنوب کے مجمع الجزائر میں واقع ہے..... اور الاسکا کا تیسرا بڑا شہر ہے..... جونو  
الاسکا جانے کا زمینی راستہ نہیں ہے..... سمندری..... یا ہوائی راستہ.....!

الاسکا اور روس کے درمیان آبائے بیرنگ کے وسعے خط تاریخین المل  
گزرتا ہے (INTERNATIONAL DATE LINE)..... الاسکا کا ایک  
تہائی حصہ دائرہ آئرلینڈ کے اندر واقع ہوا ہے..... اور شمال میں بحر آرکٹک ہے.....  
جنوب میں بحر الکاہل.....!

الاسکا اور ندیاں..... اس کے برف پوش پہاڑ..... جن پر تمام سال برف راتا  
ہے..... اس کی گھنے جنگلوں سے ڈھکی ہوئی حسین و دلکش وادیاں..... اس کے نظریہ  
سبزہ زار..... ٹنڈرا کے خوبصورت میدان..... اس کو جنت نظیر بناتے ہیں.....



فیئر بنکس تک ایک نہایت حسین اور یادگار سفر پر مبنی ہے..... اس ٹرین میں بیشتر سیاح ہی سفر کرتے ہیں جو الاسکا کے قطعاً قدرتی، غیر آباد اور انسانی ریشہ دوانی سے محفوظ علاقوں سے گزر کر ملک کی قدرتی خوبصورتی کو دیکھ سکیں.....

میں نے ٹرین پر سفر نہیں کیا.....

سڑکیں سردی کی زیادتی اور برف کی کثرت کی وجہ سے نہیں بن سکتیں..... کچے راستے ہر طرف ہیں اور اکثر شمالی علاقوں میں سارا سال برف رہتی ہے اس لیے وسائل آمدورفت میں کتوں سے کھینچی جانے والی سلج (SLEDGE) عام ہے.....

جس طرح دنیا کے دوسروں علاقوں میں موٹر کاروں..... موٹر سائیکلوں یا اور دوسری سواریوں کی دوڑ اور مقابلہ ہوتا ہے اسی طرح الاسکا میں سلج کی دوڑ کا مقابلہ ہوتا ہے جیسے (IDATEROD) کہتے ہیں..... ہزار میل سے زیادہ کی یہ دوڑ واقعی دنیا کی مشکل ترین دوڑ ہوتی ہے..... جفاکشی صبر و استقامت، جرات اور حوصلے کا نہایت سخت امتحان ہوتا ہے..... نہ صرف انسان کا بلکہ ان دس بارہ قطبی کتوں کا بھی جو اس سلج کو کھینچتے صدمہ..... ہزار یا میل بھاگتے چلے جاتے ہیں..... کتوں کی یہ خاص نسل الاسکا میں ہی پائی جاتی ہے اور ذریعہ آمدورفت ہونے کی وجہ سے ان کتوں کی قدر و قیمت بھی بہت زیادہ ہوتی ہے.....

جاش نے ذرا دیر بعد جوس پیش کیا.....

”ہم تو نہیں پی سکتے جاش..... شکریہ.....“

میں نے کہا.....

”مادام.....؟“

”وہ بھی نہیں پییں گے.....“

”کیوں.....“

”ہم دونوں کا روزہ ہے.....“

”فاسٹنگ.....؟..... لیکن آج کیوں.....؟“

کے مطابق رن وے پر آ کر رک گیا..... اسی قسم کا ایک جہاز اتر رہا تھا..... وہ رن وے سے ہٹا تو..... ہمارے جہاز نے حرکت کی اور بتدریج رفتار بڑھتی گئی یہاں تک کہ اس کے پہیوں نے زمین ترک کی اور جہاز ہوا میں معلق ہو گیا.....

جدھر نظر اٹھتی تھی ادھر پہاڑ..... اکثر برف پوش چوٹیاں..... کھلی جگہوں میں شاداب جنگل اور سرسبز زمین.....!

جہاز کا رخ سیدھا شمال کی جانب تھا.....

الاسکا میں وسائل آمدورفت کی کمی ہے..... سڑک جس کو واقعی سڑک کہا جائے..... ایک ہی ہے..... اینکریج سے فیئر بنکس تک اور وہاں سے ہوتی ہوئی ایک طویل دائرے میں گھوم کر واپس اینکریج..... ریلوے لائن بھی ہے جو اینکریج سے



الاسکا کے اندر حمل و نقل کا واحد ذریعہ اس قسم کے پرائیمر والے چھوٹے جہاز میں جو سڑکوں کے نہ ہونے کی صورت میں مسافروں اور سامان کی نقل و حمل کا کام انجام دیتے ہیں۔ تصویر میں نظر آنے والا ہوائی جہاز مسافروں کو لے جاتا ہے سامان کا ہولڈ سائے کھلا نظر آ رہا ہے

ہوٹل کا نہایت عمدہ گرم کمرہ..... جو ہوٹل کے آفس کے قریب بھی تھا..... اس لیے محفوظ..... نہایت اچھا معلوم ہوا..... کمرے کی کھڑکی سے سامنے ہی پہاڑ اور دریا کا منظر بہت دلکش تھا.....

”میں فورٹ یوکان میں ہی رہوں گا.....“ جاش نے بیگم کو اپنا کارڈ دیتے ہوئے کہا..... ”اگر کسی وقت کوئی کام ہو..... یا کوئی اطلاع کہیں بھیجنا ہو تو مجھے فون کیجئے.....“

یہاں ہم نے سامان دو حصوں میں تقسیم کر دیا..... ایک حصہ اس سامان پر مشتمل جو وہیں رہنا تھا..... دوسرا جو میرے ساتھ جانا تھا..... اس میں کھانے کے سامان کا ایک تھیلا بھی تھا.....

کوئی ڈیڑھ دو گھنٹہ بعد میں نے بیگم کو خدا حافظ کہا..... اور ایک بار پھر ایرپورٹ کی طرف چلے.....

اس بار جس حیران کن ہوائی جہاز پر بیٹھنا ہوا..... وہ نہایت مختصر..... چھ نشستوں کا پنکھوں والا جہاز تھا..... میں نے بسم اللہ پڑھ کر اس جہاز میں نشست سنبالی..... بیلٹ خوب مضبوط باندھی..... اور اللہ کا نام ورد زبان رکھا جہاز ذرا سا دوڑ کر ہی فضا میں تیرتا چلا گیا.....

الاسکا میں چھوٹے چھوٹے پنکھوں (PROPELLER) والے ہوائی جہاز بکثرت ہیں..... جو بیشتر لوگوں کے اپنے ذاتی جہاز ہیں..... سڑکوں اور دوسرے وسائل آمد و رفت کی کمی کے پیش نظر یہ جہاز الاسکا میں وہ کام دیتے ہیں جو دوسری جگہوں پر موٹر کاروں سے لیا جاتا ہے..... ہمارا جہاز دریائے یوکان کے ساتھ اڑتا کوئی دو گھنٹے بعد اس جگہ پہنچا جہاں مجھے شکار کرنا تھا.....

”یہ رہی شیک (SHACK).....“

جاش نے کہا

اس کے بعد سے فورٹ یوکان پہنچنے تک میں نے اس کو روزے اور اسلام کے بارے میں نہایت تفصیل کے ساتھ بتلایا..... وہ اور اس کا معاون بس..... جو کہ پاکٹ کی نشست پر بیٹھا تھا..... بغور میرا بیان سنتے رہے..... انھوں نے اسلام اور رمضان المبارک کے روزوں کے بارے میں اس تفصیل کے ساتھ بیان کبھی نہیں سنا تھا..... وہ اسلام کو تو جانتا تھا..... لیکن روزے اور اس کے فلسفے کا اسے کیا علم!.....

فورٹ یوکان کا ایرپورٹ چھوٹی سی عمارت اور اس کی چھت پر بنے ہوئے مختصر کنٹرول ٹاور پر مشتمل ہے..... جہاز ٹرمینل کے پاس آ کر رکا اور ہم کو اس شور کرتے ہوئے جہاز سے نجات ملی.....

سب سے پہلا کام..... بیگم صاحبہ کو ہوٹل میں متمکن کرنے کا تھا..... ان کو شکار گاہ پر لیجانا پروگرام میں شامل نہیں تھا..... اور..... آنا بھی ضروری تھا.....



الاسکا اور دوسرے برقانی علاقوں میں پائی جانے والی سفید چیل

”اس میں آتشدان بھی ہے..... لکڑیوں کا اچھا اسٹاک ہے.....“ جاش کہہ رہا

تھا.....

”ٹھیک کے باہر کھانے کا سامان رکھنے کے لیے محفوظ جگہ ہے جو میں تمہیں دکھا دوں..... ٹھیک میں بیڈ بھی ہے..... پانی کا انتظام ہے..... اور آتشدان روشن کرو گے تو اسی کے ساتھ لگا ہوا گیز پانی گرم کر دے گا جو بیس منٹ میں غسل کے لیے آمادہ ہو جائے گا.....“

ٹھیک میں ریڈیو بھی تھا جو بیٹری سے چلتا تھا اور ایک وائرلیس سیٹ بھی..... جس پر جاش کو کسی وقت بھی کال کیا جاسکتا تھا.....

کھانا گرم کرنے کے لیے آتشدان کے قریب ہی انتظام تھا..... اور عجیب بات یہ کہ مٹی کے تیل سے چلنے والا ریفریجریٹر بھی..... یہ میرے لیے بہت کام کی چیز تھی..... اس لیے کہ میرے ساتھ کھانے کے لیے مرغ کی بھنی ہوئی ٹانگیں تھیں جن کا ریفریجریٹر میں رہنا بہتر تھا..... اگرچہ سردی اتنی تھی کہ اگر وہ ہوا میں رکھا جاتا تب بھی خراب نہ ہوتا.....

”او کے؟“

جاش نے بالاخر پوچھا

”او کے.....“

”اب تم تنہا ہو..... اور خود مختار..... اس علاقے میں کسی سمت بھی ریجھ اور کیربو ہو سکتے ہیں..... باقی کام تمہارا اپنا ہے..... میں چلتا ہوں..... جس وقت ضرورت ہو مجھے فون کر دینا ریجھ مارا تو فون کرنا میں فوراً آؤں گا.....“

”او کے.....“

”یہ جگہ.....“ اس نے کہا..... آرکنک سرکل کے تیس میل اندر ہے..... نمبر پچاس وقت تھرٹی فور ڈگری فارن ہائیٹ ہے..... کسی وقت اچانک کم بھی ہو سکتا ہے..... اگر بادل آ گئے تو نمبر پچاس ڈگری فارن ہائیٹ تک آ سکتا

”ٹھیک ہے.....“

”بائی ناؤ.....“

اور اس کا ہوائی جہاز..... چیل کی طرح اڑتا فورٹ یوکان کی طرف واپس ہو یا..... اب میں اکیلا ٹھیک کے باہر کھڑا تھا.....

آرکنک سرکل کے اندر..... تیس میل اندر.....!

فورٹ یوکان میں تو کوئی شخص پاکستان کے نام سے بھی آگاہ نہیں تھا چہ جائیکہ رونی مقامات جاش نے بتایا تھا کہ میں پہلا پاکستانی ہوں جو فورٹ یوکان آیا..... اور بلا پاکستانی شکاری جو الاسکا میں وارد ہوا.....

میرے لیے یہ بڑی خوشی اور شکر خداوندی کا موقع تھا..... یہ اللہ تعالیٰ کا خاص لرم..... اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایت اور میری خوش قسمتی تھی..... خود امریکہ میں رہنے والوں کو الاسکا آنا کم نصیب ہوتا ہے چہ جائیکہ شکار..... امریکہ میں جو پاکستانی مقیم ہیں بیشتر گھریلو لوگ ہیں (COACH POTATOES) جن کو شہری زندگی سے ہی اسطہ ہے..... یا گھر..... یا کوئی تفریح گاہ..... تفریح گاہ جانے والے بھی کم تعداد لوگ ہیں اکثر حضرات کو گھر میں بیٹھے رہنے..... پکڑے کھانے..... یا اپنے اپنے گروہ بنا کر ی میں اٹھنے بیٹھنے کا شوق ہے ایسے لوگ مجھے اب تک نہیں ملے جو شکار یا اس قسم کی دوسری صحت مندانہ مصروفیات کے شائق ہوں یا اگر بہت شوق ہوا تو کسی میرے جیسے نگاری کے ساتھ تماش بینی کے لیے چلے آتے.....

اس مقام کے اطراف میں ستر اسی میل کے اندر کوئی آبادی نہیں تھی..... شمال کی طرف میرے خیال میں صد با میل آبادی نہیں تھی..... شمال مغرب کی طرف تھوڑی ہی دور پر انڈی کاٹ کوہستان کا سلسلہ تھا..... (ENDICOTT MTS)..... شرق کی ہی طرف مخصوص شدہ علاقہ ہے جسے آرکنک نیشنل ریزرو ARCTIC NATIONAL RESERVE کہا جاتا ہے.....

اسی مقام کے مغرب کی طرف وہ مشہور علاقہ ہے جیسے یوکان وائلڈ لائف ریزرو کہتے ہیں اور (YUKON WILDLIFE REFUGE) اس علاقے میں جنگلی جانوروں کی وہ افراط ہے کہ حیرت ہوتی ہے.....

ایسی حالت میں کہ دنیا کے دوسرے سارے ممالک میں حیات حیوانات برقت آیا ہوا ہے اور ان کی تعداد روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے..... الاسکا میں سفید ریچھ کے علاوہ اور ہر قسم کے قابل شکار جانور کی افراط ہے..... سیاہ ریچھ کی تعداد اس قدر ہے کہ اب الاسکا میں کسی بھی جانور کے شکار کا لائسنس لیتے وقت ریچھ کا پرمٹ لینا لازمی ہے..... اس میں یہ مصلحت ہے کہ ریچھ سے سامنا تو ضرور ہوتا..... اکثر لوگ ریچھ مار دیتے اور اس کے جواز میں اپنے دفاع کا مسئلہ کھڑا کر دیتے..... کہتے کہ ریچھ نے حملہ کیا اور انھوں نے جان بچانے کے لیے مجبوراً اس کو مار دیا.....

جان بچانے کے لیے جو کام کیا جائے وہ ذاتی دفاع (SELF DEFENCE) کے ضمن میں آتا ہے اور کوئی قانون کسی انسان کو اپنی جان بچانے سے نہیں روک سکتا.....

نتیجہ یہ کہ اب ہر شکار کے پرمٹ کے ساتھ ریچھ کا پرمٹ لینا لازمی ہے..... اور ہر وہ شخص جو پرمٹ لیتا ہے اگر مارنا چاہے تو ریچھ ضرور مل جاتا ہے..... اتنی ہی کثیر تعداد ہے.....

کیربو جس کثرت سے ہوتے ہیں اس کا اندازہ اس تصویر سے کیا جاسکتا ہے جو اس کتاب کے پیش لفظ میں شامل ہے..... اسی اندازے کے لیے دوسری ایک تصویر آئندہ صفحے پر بھی دیکھی جاسکتی ہے..... یہ صرف کیربو تک محدود نہیں..... ہر جانور اسی کثرت سے ہے..... اور اس کی وجہ شکار کی مشکلات..... الاسکا جانا ہی دشوار..... خرچ طلب..... اور پھر الاسکا کے ویرانوں میں کسی کی مدد کے بغیر جانا.....!

اچھا سفاری ایجنٹ ایک شکار کے انتظام کے لیے دس ہزار ڈالر کے قریب وصول کرتا ہے..... جس میں کئی جانوروں کے پرمٹ کی فیس بھی شامل ہے..... عام



الاسکا کے پہاڑوں اور گلیشیر میں برف کے تودے..... ایک تو داگرتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ یہ برفانی تودے براہِ بننے اور بگڑتے رہتے ہیں







لیکن سوال جو میرے ذہن میں تھا وہ یہ تھا..... کسی سمت جانا چاہیے.....؟  
 میرا شکار کا پر مٹ صرف سات دن کے لیے تھا.....  
 میں نے سوچا..... اس مقام پر..... قطب شمالی کی دہلیز پر..... جہاں وقت رکا  
 ہوا ہے سورج تھا ہوا ہے..... دن منجھند ہے.....  
 تاریخ کی کیا ضرورت..... مدت کے تعین کی کیا حاجت.....!  
 وہاں تو تاریخ اور دن کا تعین ہی ممکن نہیں.....!  
 چھ ماہ دن..... اس کو ایک دن تصور کرنا چاہیے.....!  
 چھ ماہ رات..... اس کو ایک رات تصور کرنا چاہیے.....!  
 اور اس پیمانے پر وقت کا تعین کیا جائے تو یہی دوروز..... صرف دوروز.....!؟  
 اور اگر زندگی وہاں..... گزاری جائے..... تو کتنی طویل زندگی ہو جائے.....  
 جو شخص وہاں اس تعین کے ساتھ سو سال زندہ رہے وہ عام اوقات و تواریخ کے لحاظ سے  
 تقریباً سات..... ساڑھ سات لاکھ سال کی عمر پائے.....!  
 اتنے دن زندہ رہ کر تو انسان زندگی سے ہی تنگ آ جائے.....!  
 یہ زندگی حسین اسی لیے ہے کہ انسان کسی وقت بھی سفر اٹھا سکتا  
 ہے..... اب گیا کہ جب گیا..... اور اس چند روزگی نے ہی ساری دنیا میں حسن پیدا کیا  
 ہے.....!

میں نے آخر کار مغرب کی طرف جانے کا فیصلہ کیا..... ادھر وہی ٹنڈرا تھا.....  
 میدان..... سبزہ زار پخلی..... چھوٹی جھاڑیاں اور کم قامت درخت.....  
 اس روز کا گشت محض تفریحی ہی رہا..... چھ بجے کے قریب میں نے واپس  
 شیک کی طرف رخ کیا..... اور آٹھ کے قریب واپس پہنچ گیا..... روزہ افطار کا وقت آٹھ  
 بج کر بیس منٹ پر ہونا تھا..... میں نے آتے ہی آتش دان جلا دیا..... اس کے بعد لباس  
 تبدیل کر کے بہت آرام سے وضو کیا..... پانی نیم گرم ہو گیا تھا بڑا لطف آیا..... کمرے  
 کی تعمیر میں کچھ ایسی تدابیر کی گئی تھیں کہ ذرا دیر میں ہی آتش دان کے اثرات محسوس

طویل شکل تھی..... جو نجانے کہاں تک پھیلتی گئی ہوگی..... یہ ٹنڈرا تھا..... اونچی پہاڑیہاں  
 نہیں تھیں..... ٹنڈرا تو میدانی علاقہ ہے..... اور ادھر درخت بھی کم تھے..... جو تھے وہ  
 کوتاہ قد..... زیادہ تر گھاس..... شاداب سرسبز گھاس میں بڑی دیر تک وہاں کھڑا رہا.....  
 مناظر پر نظر جمائے..... پہاڑوں، پہاڑیوں، ٹیکریوں اور میدانوں سے نظر کو آشنا کرنا  
 ہوا..... دور افق پر دیکھتا رہا..... جہاں زمین اور آسمان نظر کو دھوکا دیتے ہیں..... ذرا دیر  
 مغرب کی طرف زمین سے بتدریج بلند ہوتے پہاڑوں کو دیکھتا رہا..... جن کی وادیاں  
 گھنے جنگلوں سے ڈھکی ہوئی ہوں گی..... لیکن یہ پہاڑ بہت فاصلے پر تھے.....

نئی جگہ..... نیا ماحول..... مجھے اس خاص علاقے میں شکار کا کوئی تجربہ نہیں  
 تھا..... اصولاً مجھے یہاں شکار کے لیے لازماً کوئی گائیڈ ساتھ رکھنا تھا..... لیکن مجھے چار  
 پانچ ہزار ڈالر خرچ کر کے ایک ریچھ کا شکار ہرگز قبول نہیں تھا..... میں ریچھ مار چکا  
 تھا..... بہت سے مار چکا..... اور بے خوف و خطر اور کسی خرچ کے بغیر..... بھوپال اور دکن  
 میں ریچھ کے شکار پر کوئی پابندی نہیں تھی.....

۱۹۵۸ء تک تو کسی جانور کے شکار پر پابندی نہیں تھی..... جب دل چاہا ہندو  
 اٹھائی اور شکار کے لیے چل کھڑے ہوئے..... شیر، چیتا، ریچھ، بھیڑیا..... سانہر  
 بارہ سنگھا، چیتل، ہرن، نیل گائے، سیاہ گوش، چکارا، غزال..... جو جانور دل چاہا اس کا شکار  
 کیا.....!

اور اب میں آرکنک سرکل میں کھڑا..... قطب شمالی کی دہلیز پر دستک دے رہا  
 تھا.....! مجھے الگوینڈر سلکرک کی مشہور نظم یاد آ گئی ( SOLITUDES OF )  
 (ALEXANDER SELKIRK)  
 I am monarch of all survey there is none to dispute  
 my right.

میں اس وقت اس سارے علاقے میں تنہا..... واحد انسان تھا اور بلا شرکت غیرے  
 اس مقام کا اثر..... مخلوق.....

الاسکا میں حیات حیوانی کی کثرت..... شکار کی افراط..... اور مواقع کی زیادتی کے باوجود وہ خوبیاں مفقود ہیں جو دندھیا چل کے جنگلوں میں..... الاسکا میں خطرناک جانور صرف ریچھ ہی ہے..... لیکن ریچھ اور شیر میں زمین آسمان کا فرق ہے.....! کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگو تیلی.....!

ریچھ..... بظاہر خوفناک معلوم ہو سکتا ہے..... لیکن شیر کی سی پھرتی..... پشت اور عظمت و شان ریچھ کو کہاں میسر..... شیر کا حملہ بجلی کی چمک اور بادل کی گرج سے مشابہہ ہوتا ہے..... ریچھ کا حملہ..... نہ گرج نہ چمک.....! مجھے ریچھ کے معاملے دو بار نہایت خطرناک صورت حال سے دوچار ہونا پڑا ہے..... اور دونوں بار اللہ تعالیٰ سبحانہ نے مجھے محفوظ و مامون رکھا..... میری اعانت فرمائی.....!

ایک بار ایسا ہوا کہ میں ایک آدم خور شیر کے شکار میں اس جگہ پہنچ گیا جہاں شیر نے ایک نیل گائے شکار کیا تھا اور ضیافت اڑا رہا تھا..... میں جھاڑی میں چھپا اس کی ایک جھلک کی فکر میں تھا..... کہ میرے عقب میں درخت کی ایک سوکھی ٹہنی پیر کے نیچے دب کر ٹوٹنے کی آواز آئی میں نے چونک کر پیچھے دیکھا..... پندرہ بیس فٹ کے فاصلے پر ایک نہایت جسم سیاہ ریچھ دونوں پچھلے پیروں پر کھڑا..... ہاتھ اٹھائے..... تھوٹھنی بلند کئے..... غالباً شیر کو دیکھنے کی کوشش میں تھا اس لیے کہ جس انداز سے وہ دیکھ رہا تھا وہ ایسا نہیں تھا کہ میں کچھ اور سمجھ سکتا..... مجھے دیکھنے کے لیے وہ زاویہ اور انداز اختیار کرنے کی ضرورت نہیں تھی.....

اور پھر شیر نے اس ریچھ پر حملہ کر دیا..... دونوں کے مبارزے میں مجھے معاً خیال آیا.....

جب کہ دو موزیوں میں ہو کھٹ پٹ

اپنے بچنے کی فکر کر جھٹ پٹ

اور میں نے شیر پر فائر کیا..... ان کی جنگ آزمائی کے نتیجے میں گولی ریچھ کے لگی.....

ہونے لگے اور کمرہ خوب گرم ہو گیا.....

کہتے ہیں کہ الاسکا..... یہ جنت ارضی ایک دن تباہ ہو جائے گا سمندر میں غرق ہو جائے گا..... کیونکہ سارا ملک زلزلے کی اس قاب پر ہے جو اکثر متحرک رہتی ہے..... کسی روز اس پلیٹ نے بہت زیادہ حرکت کی تو الاسکا کی جگہ بحر اکا بل بن جائے گا.....! میں نے روزہ افطار کرنے کے بعد..... بہت سکون کے ساتھ فریضہ مغرب ادا کیا..... صرف فرض ہی پڑھنا ہوتے ہیں..... سفر کی حالت میں جبکہ فرض نماز قصر کی جاتی ہے سنتیں پڑھنا ضروری نہیں ہے..... نماز کے بعد میں دیر تک وظائف میں مشغول رہا..... اس دوران شیک کے باہر کچھ آوازیں آتی رہیں جن کے بارے میں نہ میں نے غور کیا نہ ان پر توجہ دی..... لیکن وظیفہ ختم ہوا تو میں نے راقفل ہاتھ میں لیا اور دروازہ کھولا..... سامنے ہی کوئی سوگڑ کے فاصلے سے کیربوز کا ایک مندا گزر رہا تھا..... سو ڈیڑھ سو جانور رہے ہوں گے..... میں دروازے میں کھڑا چند لمحے ان کو دیکھتا رہا پھر..... سردی کو اندر آتا پا کر دروازہ بند کر کے اندر آ گیا.....

آتشدان میں آگ کے شعلے ایک دوسرے سے بغلگیر ہو کر رقص کر رہے تھے..... نجانے کیوں فرصت کے اوقات میں آتشدان میں بلند ہوتے شعلوں کو دیکھتے رہنے سے دلچسپی ہوتی ہے.....!

ان شعلوں میں جدت کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا..... لیکن نظریں ان پر مرکوز رہتی ہیں.....

رقص شررا چھا لگتا ہے.....!

وہ جو کسی نے کہا ہے ”بشر“ میں ”شر“ تین بٹا چار ہے..... وہ درست ہی ہے..... ”ب“ کو نکال دیا جائے تو ”شر“ رہ جاتا ہے..... اور غالباً یہ شر کا یہی تقاضا ہے کہ انسان کو شر کا رقص اچھا لگتا ہے میں ان شعلوں کو دیکھتے رہنے سے بہت احتراز کرتا ہوں..... اس لیے کہ ان میں دیکھتے رہنے سے نظریں کسی دوسری جانب دیکھنے کی اہلیت سے کافی حد تک محروم ہو جاتی ہیں.....

شیر فرار ہو گیا دوسری بار..... میں ریچھ کی فکر میں ہی تھا..... میرے قریب کی پہاڑی پر کوئی بیس گز کے فاصلے پر بلندی کی جانب ایک ریچھ پر میں نے فار کیا..... میں یہ سمجھا کہ گولی ریچھ کے لگی اس لیے کہ زمین سے غبار نہیں اٹھا..... گولی زمین پر لگتی ہے تو کس قدر غبار اٹھتا ہے.....

ریچھ گرا..... اور چونکہ میری طرف صاف ڈھلان تھا..... اس پر گیند کی طرح لڑھکتا سیدھا میری طرف آیا..... مجھے یقین تھا کہ اس کے گولی لگ گئی اور وہ موت کے تشنچ..... یا موت کے بعد ڈھلان پر لڑھک رہا ہے.....

مجھ سے صرف دس فٹ پر آ کر وہ یکبارگی اٹھ کر دونوں پچھلے پیروں پر کھڑا ہو گیا اور نہایت دہشتناک آواز میں گرجا..... میری چار سو پچاس ایکسپریس کی نال میں ایک ہی کارتوس تھا..... لیکن..... میں نے رائفل اٹھائی اور اس کے سینے کی سفیدی پر فار کیا..... الحمد للہ گولی صحیح لگی..... اتنے قریب سے پانچ سو گرین کی گولی نے اس کو دو فٹ پیچھے بھی پھینکا اور گولی پھیلتی ہوئی پشت سے گزری تو تقریباً ایک فٹ مربع اس کی پشت ساتھ اڑ گئی.....

ریچھ کو بیوقوف نہیں سمجھنا چاہیے..... خاصا چالاک جانور ہوتا ہے..... اس کی چندھی آنکھوں میں بلا کی وحشت اور بظاہر بے ضرر بشرے میں خاصی درندگی ہوتی ہے.....

ریچھ کے پیر کا نشان انسانی پیر کے نشان سے بہت مشابہہ ہوتا ہے..... نا تجربہ کار آدمی کو اس کے نشان پر انسانی پیر کے نشان کا شک ہوتا ہے..... لیکن چند بار دیکھنے کے بعد فرق کا علم ہو جاتا ہے.....

ریچھ ذرا سی کوشش سے انسان سے مانوس ہو جاتا ہے..... پاکستان اور ہندوستان میں عام طور سے شہروں اور دیہاتوں میں مداری ریچھ لئے گھومتے نظر آتے ہیں جو چند سکوں کے عوض ریچھ کا رقص دکھا کر لوگوں کو خوش کرتے ہیں..... اس قسم کے ایک ٹولے نے ایک بار انارسی میں ایک ریچھنی کے بچے پکڑ کر

لہار کیلہ میں لایا جانے والا براؤن ریچھ..... جو اپنی بد مزاجی اور بلا وجہ انسان دشمنی کیلئے مشہور ہے۔ لہار کیلہ کینیڈا و ایومک ماہیتا میں بڑی تعداد میں پایا جاتا ہے

بڑی تعداد اسی علاقے سے گزرتی رہی تھی..... میرا خیال تھا کہ اس طرف ریچھ کے ملنے کے امکانات زیادہ ہیں.....

دراصل..... کسی بھی وسیع و عریض جنگل میں کسی جانور کو تلاش کرنا بہت دشوار نہیں ہوتا..... پاکستان..... اور خصوصاً نیپال، ہندوستان، برما..... وغیرہ کے جنگلوں میں ہائل شکار جانوروں کی کثرت اور درندوں کی افراط کے بیش نظر دو تین دن کی جنگل زور دی کے نتیجے میں کسی نہ کسی مطلوبہ جانور سے سامنا ہو ہی جاتا ہے..... لیکن امریکہ میں جانوروں کی وہ افراط نہیں..... یہاں مطلوبہ جانور کو بہت کوشش اور وقت کے ساتھ تلاش کرنا ہوتا ہے..... ورنہ خالی ہاتھ جھلاتے واپسی.....!

مجھے خالی ہاتھ واپس آنے میں قطعاً خفت نہیں ہوتی..... اس لیے کہ اکثر میں جانور زد پر ہونے کے باوجود نہیں مارتا..... مجھے صرف اس جانور کو ہلاک کرنے کا خیال تاہے جسے میں ثرائی خیال کر سکوں..... ورنہ گوشت شہر میں بکثرت ملتا ہے.....!

میرے سامنے بنے کیر بوز کا ایک مندا گذرا چلا گیا..... میں پچیس رہے ہوں..... کیر بوز کے سینگ بہت اچھے ہوتے ہیں..... لیکن اس دوران مجھے کیر بوز کی فکر نہیں تھی.....

اونچے نیلے..... چھوٹے بڑے درخت..... جھاڑیاں..... شاداب گھاس..... رچل دار پودے..... یہی وہ چیزیں ہیں جو ریچھ کی دلچسپی کا باعث ہوتی ہیں..... الاسکا کے بعض دریاؤں میں ریچھ مچھلی کا شکار بڑی مہارت اور چابکدستی سے لاتے اور خوب مچھلیاں کھاتے ہیں..... ویسے ریچھ گوشت خور ہی ہے اور سبزی خور..... بلکہ حرام خور بھی..... میں نے ریچھ کو سزا ہوا بدبودار گوشت کھاتے بھی دیکھا..... اس کے ساتھ ساتھ..... انسان کی غذاؤں کا اشتیاق بھی رکھتا ہے.....

ڈوب میں ندی کے کنارے ہمارے کباب اور پرائٹھے ریچھ ہی کھا گیا تھا..... لاکھہ کسی شائع شدہ کتاب میں مفصل لکھ چکا ہوں.....

سارے ریچھ..... کسی ملک اور آب و ہوا کے کیوں نہ ہوں..... ایک ہی قسم

اس مہمتا کی ماری ماں کو دیوانہ کر دیا تھا اور اس دیوانگی کے عالم میں اس نے کئی انسانی جانیں انتقاماً تلف کیں..... تاہیکہ میں نے اس کو فنا کیا.....

شیک میں اندھیرا کر کے میں نے عشاء کا فریضہ قصر ادا کیا..... پھر اپنے سیلنگ بیگ میں گھس گیا.....

صبح آنکھ کھلی تو کیلیفورنیا کے وقت کے مطابق ساڑھے چار بجے تھے..... میں بستر سے نکلا..... شیک میں خوب گرمی تھی..... میں اچھی طرح گرم کپڑے پہن کر باہر نکلا..... دن کا اجالا تو ایسا تھا جیسے دوپہر..... میں ضروریات سے فارغ ہو کر اندر آیا اور دروازہ بند کر دیا..... ابھی میری گھڑی کے مطابق رات تھی.....

میں نے سحر کھانے کا انتظام کیا.....

ایک عرصہ میں سحر نہیں کھاتا تھا..... افطار کے بعد معمولی افطاری..... پھر گیارہ بجے رات کو عشاء اور نفل پڑھنے کے بعد کھانا..... اور روزے کی نیت.....

لیکن..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک حدیث مبارک پڑھی جس میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سحر کھانے کا حکم فرمایا تھا..... تب سے میں نے اپنا معمول بدل دیا اور سحر کھانے لگا.....

سحر کے بعد ذرا دیر تلاوت کی..... اور پھر سیلنگ بیگ میں گھس کر سو گیا..... کوئی ڈیڑھ گھنٹے بعد آنکھ کھلی..... پونے سات کا وقت تھا..... آتش دان روشن تھا..... پانی گرم تھا..... میں نے وہیں وضو کیا..... اور فجر کا دو گانہ ادا کر کے وظائف میں مصروف رہا.....

میں جانتا تھا کہ باہر نہ صبح کی ضرورت نہ شام کی..... دن ہی دن ہے..... جب چاہوں نکل کر چل پڑوں.....

آٹھ ساڑھے آٹھ بجے جب میں راتفل بدست باہر نکلا تو حسب توقع روز روشن ہی تھا..... شیک اچھی طرح بند کرنے کے بعد میں نے اس طرف رخ کیا جہر اونچے نیچے ٹیلے اور چھدری جھاڑیاں ہیں..... اس طرف پانی بھی ہے..... اور کیر بوز کی

آتے جاتے رہتے ہیں.....

میں نے شیک سے کوئی چھ میل شمال کی طرف ایک آب رو کے کنارے مرغابیوں کی لاکھوں پرندوں پر مشتمل آبادیاں بھی دیکھیں جہاں ان دنوں مرغابیاں انڈوں بچوں کی نگہداشت اور برداشت میں مصروف تھیں..... لاکھوں بلکہ کروڑوں مرغابیاں..... جہاں تک نظر جاتی وہاں تک بکھری بیٹھی تھیں..... اور ان کو بولنے کی عادت ایسی ہے کہ اس سارے علاقے میں..... میلوں تک ایک غدر کی سی کیفیت تھی..... مجھے دیکھ کر وہ مرغابیاں جو قریب تر تھیں..... مزید شور کرنے لگیں..... میں نے ان غریبوں کو پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا..... اور واپس ہو لیا..... مجھے ان سے کام بھی کیا تھا..... یہ مرغابیاں اپنے بچوں کی پرورش کر کے نہ جانے کتنے میلین کی تعداد میں ساری دنیا میں پھیل جاتی ہیں..... اور وہ موسم سرما جس کے دوران قطب شمالی کا سارا علاقہ منجمد ہو جاتا ہے مرغابیاں استوائی خطوں کے پانیوں میں وقت گذارتی ہیں..... ان میں سے نہ جانے کتنے میلین مرغابیاں واپس نہیں آتیں..... اور جو سینکڑوں میلین واپس آتی ہیں..... وہ مزید سینکڑوں میلین پیدا کرتی ہیں قدرت کا یہ نظام نہ جانے کب سے جاری ہے.....

قطب شمالی کی یہ مرغابیاں..... سردیاں شروع ہوتے ہی یہاں سے روانہ ہو جاتی ہیں اور استوائی خطوں کے گرم ممالک کی نرم سردیوں کے پانیوں میں اتر جاتی ہیں..... ان کے جھتے کتنے طویل فاصلے طے کرتے ہیں..... اس کا اندازہ صرف یوں ممکن ہے کہ یہ پاکستان، ہندوستان، برما، بنگلہ دیش..... سیلون..... یورپ، مصر و سوڈان..... جنوبی امریکہ تک جاتی ہیں.....

میں نے ویڈیو کیمرے سے ان مرغابیوں کے بادلوں کی کئی منٹ تک فلم بنائی..... اور بڑی نایاب فلم بنی لیکن شکار میں اتنے قیمتی کیمرے کو لے جانا بھی نقصان کا باعث ہوتا ہے..... اور پھر یہ بھی کہ وہ سارا ساز و سامان جو مجھے تنہا اٹھا کر جنگل نور دی کرنا پڑتی ہے اس میں ویڈیو کیمرے کا اضافہ اور ہو جاتا ہے..... میرا کیمرہ قیمتی اور

کی عادات کے حامل ہوتے ہیں..... اور شہد کے سب ہی عاشق..... شہد کی مکھیاں اس موذی جانور کو اس کے گھنے اور لمبے بالوں کی وجہ سے نہ کاٹ پاتی ہیں نہ یہ ان کی پرواہ کرتا ہے.....

بعض جہلا کا خیال ہے کہ ریچھ عورتوں کو پسند کرتا ہے..... اور وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ مدار یوں کے ریچھ عورتوں کے مجمع میں خوب اچھل کود کرتے ہیں اور مست ہو کر ناچتے ہیں..... لیکن اس خیال میں حقیقت نہیں ہے محض جاہلانہ وہم ہے..... ریچھ انسان کی اصناف کو شناخت نہیں کر سکتا..... البتہ بچے اور جوان میں تمیز سب جانور کر سکتے ہیں.....

ایک بار میں دینا پور مرغابی کے شکار پر گیا..... وہاں سارس کا ایک بچہ ہاتھ آیا..... اسے ساتھ لیتا آیا اور گھر کے پائیں باغ میں رکھا..... یہ دو تین ہفتے رہا..... اور بڑا بھی ہو گیا..... بہت ہی پر خور پرندہ تھا..... مسلسل کھائے جاتا اور چیخے جاتا تھا..... جیسے پیٹ نہ بھرتا ہو..... ایک وقت میں تقریباً آدھ سیر جوار کھا لیتا تھا..... خاص بات یہ کہ بڑے آدمیوں کو دیکھ کر گارڈینیا کی باڑ کے پیچھے چلا جاتا..... بچوں کو دیکھ کر ہرگز چھپنے کی کوشش نہ کرتا.....

تین ہفتے بعد اس کو ذبح کر کے اس کا قورمہ کھا گیا..... گوشت اچھا لیکن دوا مچھلی کی سی بساندہ..... جو میری والدہ صاحبہ کی مصالحو جاتی ترکیب کے ذریعے دیا جا جاتی تھی..... مجھے مرغابی کا گوشت محض اس کی بساندہ کی وجہ سے ناپسند ہے..... اپنی مرضی پسند کی بات ہے..... میں ایسے لوگوں سے بھی واقف ہوں جن کو مرغابی کا گوشت کی بساندہ ہی پسند ہے.....

اس روز میں نے ریچھ کی تلاش میں کافی طویل گشت کیا..... چھوٹے بڑے ٹیلوں کا یہ سلسلہ لامتناہی تھا..... لیکن اچھی بات یہ ہوئی کہ مجھے جا بجا ریچھ کے پیرا کے نشانات ملے..... جو تازہ بھی نہیں تھے اور پرانے بھی نہیں تھے..... بعض تو دو آدھے روز قبل کے ہی تھے..... اس سے یہ اندازہ کرنا دشوار نہیں تھا کہ ان علاقوں میں ریچھ



۴۔ ایک اضافی چھرا.....سات انچ بلینڈ

۵۔ ایک لفافہ کینڈی.....

۶۔ کھانے کا سامان.....(بالعموم)

۷۔ کسی قدر بیکٹ (COOKIES) یا حلوہ وغیرہ

۸۔ ٹارچ.....(FLASH LIGHT)

۹۔ چاقا.....اُعدد.....کارٹوس کا ایک ڈبہ.....

۱۰۔ پچی.....کانٹا.....چھری

۱۱۔ پانی یا چائے کے لیے ایک گ (MUG)

۱۲۔ ایک چھوٹی نوٹ بک اور قلم اور پینسل

۱۳۔ فرسٹ ایڈ کا ابتدائی نہایت ضروری سامان جو چند بینڈ ایڈز

(BAND AID) ایک بیوٹک ANTI BIOTIC مرہم.....کسی قدر روئی پر

نقل ہے ساتھ لیسرین لورٹائلینال

۱۴۔ کیمرہ.....اور تین اضافی فلمیں

ان سب اشیاء کا وزن ویسے تو کچھ نہیں.....لیکن یہ سب چیزیں بیک پیک مارکھی جانے کے بعد اچھی خاصی وزنی معلوم ہوتی ہیں.....

پھر.....دورین.....اور جب رمضان نہ ہوں تو پانی کی بوتل بھی ہوتی ہے.....اور ویڈیو کیمرہ اس وزن میں مزید اضافہ ہے.....اگر کوئی ایسا شخص میسر ہو جو رے ساتھ چل سکے تو اس ساز و سامان کا کچھ حصہ اس کے سپرد بھی ہو سکتا ہے.....اس راجہ میرا بوجھ کسی قدر ہلکا ہو جاتا ہے.....

ویڈیو کیمرہ ایک قیمتی چیز ہے.....اس کو دوسرے سارے سامان کے ساتھ لٹکا جانا نہایت نامناسب ہے اس لیے کہ اس کی پوری حفاظت ممکن نہیں ہوتی.....اگر جھکاؤ اور گرد و غبار سے اس پر بڑا برا اثر پڑتا ہے اور نقصان بھی پہنچ سکتا ہے.....اگر صرف فوٹو گرافی ہی مقصود ہو تو دوسرے سارے سامان کے بوجھ سے نجات کے

نہایت پیش رفتہ ہونے کی وجہ سے کافی وزنی ہے.....نہ صرف اس کا وزن بلکہ اس کی حفاظت کا مسلسل خیال بھی رہتا ہے.....

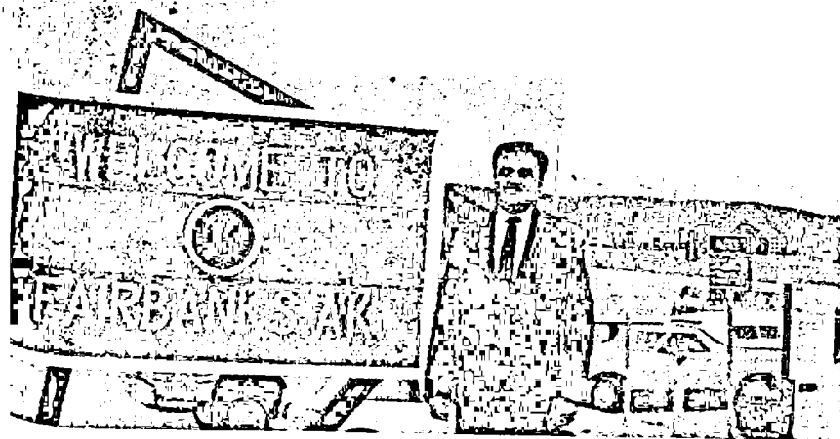
ویسے جو سامان بالعموم ہر وقت ساتھ رہتا ہے وہ بھی کیا کم ہے.....

پشت پر ہمیشہ ایک بیک بیک (BACK PACK) ہوتا ہے.....اس میں جو اشیاء مستقل سکونت پذیر رہتی ہیں ان کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ ریشم کی نہایت مضبوط رسی کا لچھا.....یہ رسی اس قدر مضبوط ہے کہ دو آدمیوں کا وزن بہ آسانی برداشت کر سکتی ہے.....

۲۔ پُرکا (PURKA) یعنی باریک پلاسٹک کی برساتی

۳۔ سگریٹ لائٹر



قرنتوی.....الاسکا کے شہر فیربنکس (Fairbanks) کے ہوائی اڈے پر پہنچنے کے بعد.....تصویر عظیم منیر

نقوی نے کھینچی



بعد صرف ویڈیو کیمرہ لے کر چلنا آسان ہے اس کو نقصان سے بچایا جاسکتا ہے۔  
میں مرغابیوں سے ہٹ کر دوسری سمت بڑھتا گیا۔۔۔۔۔ تانیکہ میرے  
اندازے کے مطابق وہاں سے کوئی تین میل فاصلہ طے کر لیا۔۔۔۔۔  
ٹنڈرا کا علاقہ زیادہ تر میدانی۔۔۔۔۔ اونچے نیچے ٹیلوں۔۔۔۔۔ چھدرے  
جنگلوں۔۔۔۔۔ چھوٹے چھوٹے درختوں پر مشتمل ہوتا ہے۔۔۔۔۔ جہاں نہایت ترو تازہ  
گھاس حدنگاہ تک پھیلی ہوئی ہے۔۔۔۔۔ لیکن الاسکا کے بیشتر علاقوں میں بلند و بالا پہاریاں  
بھی ہیں۔۔۔۔۔ بعض بہت بلند اور پہاڑ۔۔۔۔۔ البتہ یہ سب پہاڑیاں اور پہاڑ ہمیشہ برف  
پوش رہتے ہیں۔۔۔۔۔ الا یہ کہ بعض نیچی پہاڑیاں تابستان آتے ہی برف سے محروم ہو کر  
سپاٹ نکل آتی ہیں اور ان پر خوب گھاس پھول بوٹے اور چھوٹے درخت نکل آتے  
ہیں۔۔۔۔۔

ایک پہاڑی کی چوٹی پر جھاڑی کی آڑ میں اپنا سارا سامان رکھ کر میں نے دور  
بین سنبھالی۔۔۔۔۔ سامنے نشیب میں ایک وسیع و عریض میدان میلوں پھیلا ہوا تھا۔۔۔۔۔ اس  
میں جگہ جگہ اونچے نیچے ٹیلے اور کہیں کہیں درختوں کے جھنڈے تھے۔۔۔۔۔ لیکن یہ درخت  
نہایت کوتاہ قد۔۔۔۔۔ کوئی بھی تین چار فٹ سے زیادہ نہیں۔۔۔۔۔ غالباً یہ درخت سردیوں میں  
مر جاتے ہوں گے اور برف کھلتے ہی دوبارہ شاداب ہو جاتے ہوں گے۔۔۔۔۔  
میں جس جگہ بیٹھا تھا وہاں سے کوئی میل ڈیڑھ میل دور میدان میں کیربوز  
ایک چھوٹا مندا اپنے کاروبار میں مشغول تھا۔۔۔۔۔ ان کے کاروبار سے میری مراد گھاس  
چرنا۔۔۔۔۔ ان کے پاس دو ہی کام ہیں۔۔۔۔۔ کھانا۔۔۔۔۔ اور افزائش نسل۔۔۔۔۔

اصولاً تو انسان کے بھی یہی دو بنیادی کام ہیں۔۔۔۔۔ لیکن انسان نے اپنی عقل  
فہم کی بناء پر ان دونوں کاموں میں اتنے اضافے کر لیے ہیں کہ اس کی زندگی انتہا  
مصروف ہو کر رہ گئی ہے۔۔۔۔۔ انسان کے لیے صرف کھانے پینے اور جسم کو ڈھانکنے  
سلسلے میں انتہائی اہم اور سعی طلب امور وجود میں آ گئے۔۔۔۔۔ ان دونوں بنیادی ضرورتوں  
کا حصول اب اتنا سادہ اور آسان نہیں رہا جتنا پہلے۔۔۔۔۔ کھانے۔۔۔۔۔ یعنی مواد غذائی

نروری تنوع اس بات کا متقاضی ہے کہ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق پیسہ پیدا کرے  
اور اس پیسے سے وہ تمام سامان خریدے جس کی اس کو حاجت ہو۔۔۔۔۔  
یہی حال ملبوسات کا ہے۔۔۔۔۔ انسان کی بنیادی ضرورت تو چند ایسے ملبوسات  
کی ہونا چاہیے تھی جو اس مناسب ستر پوشی کرتے ہوئے مختلف موسموں کے لحاظ سے اس  
کے جسم کو محفوظ رکھ سکیں۔۔۔۔۔ لیکن حرص کی فطری صفت نے مجبور کر کے بے شمار ملبوسات  
جمع کرنے کی خواہش پیدا کی۔۔۔۔۔ تاہم لہاس کا مقصد ستر پوشی نہیں رہ گیا۔۔۔۔۔ زیب و  
زینت ہو گیا۔۔۔۔۔!

میں کیربوز کے مندے کو زرا دیر دیکھتا رہا۔۔۔۔۔ اور اچانک ہی میرے دور بین  
کے ایک گوشے میں ایک چھوٹے ٹیلے کے پیچھے چھپا ہوا وہ بھیڑنا نظر آ گیا۔۔۔۔۔ جو غالباً  
کسی کیربوز پر تاک لگا رہا تھا۔۔۔۔۔ لیکن تنہا ایک بھیڑیا کسی جانور پر شاذ و نادر ہی حملہ کر سکتا  
ہے۔۔۔۔۔

بھیڑیا۔۔۔۔۔ فطرتاً بذاتِ جانور ہے۔۔۔۔۔ بہادر نہیں۔۔۔۔۔ البتہ استقامت میں اس  
کا جواب مشکل ہے ایک دفعہ بھیڑے کے ساتھ مجھے عجیب مضحکہ خیز اتفاق پیش آ چکا  
ہے۔۔۔۔۔ لہترائے کے بھیڑیوں کا تذکرہ نہیں جنھوں نے مجھے محاصرے میں لے کر۔۔۔۔۔  
موت سے ہم کنار کر دیا تھا۔۔۔۔۔ وہ تو اللہ کی عنایت نے مجھے محفوظ رکھا تذکرہ اس ایک  
واحد بھیڑے کا ہے جس کی فطری بزدلی کی مثال میں یہاں بیان کرنا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔

میں شکار کی غرض سے بھوپال کے موضع کلیا کھیری میں مقیم تھا۔۔۔۔۔ بارش کا  
زمانہ تھا۔۔۔۔۔ مون سون جس قدر پانی اس علاقے میں برساتے ہیں اس کا اندازہ انھیں  
ہو سکتا ہے جو ان علاقوں میں رہ چکے ہوں کلیا کھیری میں تین روز سے جھڑی لگی تھی۔۔۔۔۔  
نئی نالے چڑھ آئے۔۔۔۔۔ جل تھل ہو رہا تھا۔۔۔۔۔ ایسے میں شکار کیسا۔۔۔۔۔ میں تمام دن گھر  
میں بند رہا۔۔۔۔۔

کلیا کھیری میں۔۔۔۔۔ میرے بڑے ابا۔۔۔۔۔ سید محمد احسن نقوی صاحب کا پتہ  
گھر تھا۔۔۔۔۔ جس میں تعمیر وہی قدیم مروجہ طرز کی تھی جو ہر جگہ ہوا کرتی تھی۔۔۔۔۔ ایک  
طرف طویل والاں۔۔۔۔۔ اس کے عقب میں طویل کمرہ۔۔۔۔۔ دوسری سمت اسی طرح

میں کمزور رہی..... لیکن میدان سے فرار کرنا میری سرشت میں نہیں ہے..... سعدی شیرازی خوب کہہ گئے ہیں:

آن نہ من باشم کہ روز جنگ بنی پشت من

آن منم کز در میان خاک و خون بنی سرم

میں وہ شخص نہیں ہوں کہ جنگ کے دن میری پشت نظر آئے..... یعنی میں فرار کرتا نظر آؤں..... میں وہ شخص ہوں کہ میرا سر خاک و خون کے درمیان پایا جائے..... یعنی وہ جو جنگ و جدل کر کے بہادرانہ جام شہادت نوش کرے..... مقابلہ کرے جان دے.....

میں ذرا دیر کھڑا بھیڑیے کو دیکھتا رہا.....

افسوس یہ تھا کہ اپنے ہمیشہ کے اصول کے برعکس میں خالی ہاتھ وہاں تک آ گیا..... ہاتھ میں صرف چھتری..... جو نہ کسی مدافعت کے لیے موزوں نہ کسی اور مصرف کی.....

بھیڑیے نے ایک بار غرا کر ہونٹوں کو جنبش دی..... یہ اچھی علامت نہیں تھی..... میں یہی سوچ رہا تھا کہ اگر اس موذی نے حملہ کر دیا تو میں کیا کروں گا.....؟ میرے پاس تو ایک چھری بھی نہیں تھی..... اور میں بے خیالی میں گاؤں سے اتنے فاصلے پر آ گیا تھا کہ میرے چننے کی آواز بھی گاؤں تک شاید ہی پہنچتی..... اگرچہ میں خاصا بلند آواز آدمی ہوں.....

میری آواز بلند بھی ہے مترنم بھی..... مشاعرے میں تو خیر میں جس آواز سے نزل پڑھوں مضائقہ نہیں..... لیکن اکثر ایسا ہوا کہ تفسیر بیان کرتے وقت ہال چونکہ چھوٹا دتا ہے اس لیے میری آواز بہت زیادہ گونجتی ہے..... اور لاؤڈ اسپیکر کا والیوم کم کرنا پڑتا ہے..... ویسے بھی تفسیر قرآن پاک بیان کرتے وقت نجانے جوش و خروش کا عالم کیوں اری ہوتا ہے اگرچہ میں بہت کوشش کرتا ہوں کہ جوش نہ آنے پائے..... لیکن کم از کم واز ضرور بلند ہو جاتی ہے.....

دالان..... اور اس کے پیچھے کمرہ..... دالان میں اونچے در ہوتے ہیں..... کمرے میں دروازے..... جو بند کئے جاسکتے ہیں..... اس گھر کی چھتیں پختہ تھیں..... صحن میں پتھر بچھا کر پختہ کر دیا گیا تھا.....

میں ناشتہ کر کے ان دالانوں میں گشت کرتا رہتا اور تقریباً دو گھنٹے ان دالانوں میں چل کر اپنی ورزش پوری کر لیتا..... اس کے علاوہ کچھ ممکن نہیں تھا..... گھر کے باہری جو سڑک تھی اس میں کوئی فٹ بھر پانی کھڑا تھا..... جو بارش رکتے ہی بہہ جاتا تھا لیکن بارش تو رکنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی..... تین روز مسلسل بارش کے بعد چوتھے روز بادل چھٹ گئے اور دوپہر کے قریب دھوپ نکل آئی..... البتہ اس روز میں باہر نہیں جا سکا..... پانچویں روز پھر بادل گھر آئے..... لیکن بارش نہیں ہوئی.....

میں کئی روز سے گھر میں بیٹھ کر تنگ آ گیا تھا..... دوپہر کے بعد گھر سے نکلا اور گاؤں میں ہی کسی قدر چلنے پھرنے کے ارادے سے باہر آیا..... اور چونکہ بادل گھرے ہوئے تھے اس لیے چھتری ہاتھ میں لے لی

کلیا کھیری کی زمین پتھریلی..... اور بھوپال کا سارا علاقہ پہاڑی ہے..... اس لیے بارش رکنے اور پانی بہہ جانے کے بعد کھیتوں کے علاوہ زمین اکثر سخت رہتی ہے..... میں یونہی بے خیالی کے ساتھ ٹہلتا..... گاؤں کے باہر نکل آیا اور کھیتوں کے درمیان ہوتا ہوا ایک طرف نکل گیا..... اس طرح کہ گاؤں کے اور میرے درمیان بلند ٹکری آگئی..... اس طرف کچھ جھاڑیاں بھی تھیں اور چند درخت بھی.....

میں واپسی کا ارادہ ہی کر رہا تھا کہ ایک بار نظر اٹھی تو سامنے ہی کوئی دس بارہ گز کے فاصلے پر ایک نہایت تنومند بھیڑیا کھڑا مجھے گھور رہا تھا..... میں جانور کی نظر پہچانتا ہوں..... اس کی آنکھوں میں شوق کا کوئی نشان نہیں تھا..... درندگی کی جھلک تھی..... اس کے معنی یہ تھے کہ اس کا ارادہ اچھا نہیں.....

میں کسی درندے کے مقابل ہونے کے بعد اس کی طرف سے پشت پھیرنا گوارا نہیں کرتا..... خواہ شیر ہی کیوں نہ ہو..... میں پیٹھ دکھانے والا شخص نہیں ہوں.....

ممکن ہے انسان سے خوف زیادہ..... جوان کو اپنی حفاظت پر مجبور کرتا ہے..... یا فرار کا راستہ دکھاتا ہے.....

ادھر بھیڑیا لہو دو قدم آگے بڑھ کر غرایا.....

اکیلے انسان پر بھیڑیے کے حملہ کرنے کے واقعات سننے تو ضرور ہیں..... ایسے واقعات شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں..... میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ بھیڑیا محض مجھے دھمکا رہا تھا..... یا واقعی حملہ کر کے مجھے لقمہ تر بنانے پر آمادہ تھا..... جو بھی صورت ہو میرے لیے شدید تشویش اور خطرے کی کیفیت ضرور تھی..... درآنحالیہ میرے ہاتھ خالی تھے.....

بھیڑیا اب پانچ چھ گز پر تھا.....

غرار ہا تھا..... اور دونوں طرف کے بالائی ہونٹ اوپر اٹھے تھے جس کی وجہ سے اس کے دانت نظر آ رہے تھے.....

جانور کسی کو ڈرانا چاہے یا حملہ کرنے پر آمادہ ہو تو ایسا کرتا ہے..... میری مراد کتوں کے خاندان کے جانوروں سے ہے.....

میں نے چھتری دونوں ہاتھوں میں سنبھالی تاکہ کم از کم مدافعت کر سکوں..... یکبارگی میرے ذہن میں بجلی کا ایک کوندا سا ہوا.....

میں ایک قدم بھیڑیے کی طرف بڑھا اور یکبارگی چھتری اسکی طرف کر کے کھول دی۔ وہ اچھل کر چند قدم ہٹا اور بھاگا۔

میں نے چھتری بند کر لی..... چند قدم جا کر وہ رکا اور پلٹ کر دیکھا..... میں نے دو قدم آگے بڑھ کر پھر چھتری کھول دی..... وہ پھر اچھل کر بھاگا..... میں نے پھر چھتری بند کر لی جھاڑیوں میں گھسنے سے پہلے اس نے پھر پلٹ کر دیکھا..... میں نے تیسری بار چھتری اس کی طرف کر کے کھول دی..... اب وہ جھاڑیوں میں گھس کر غائب ہو گیا.....

میں دل ہی دل میں ہنستا گاؤں کی طرف واپس ہو لیا۔

میں نے دو قدم پیچھے ہٹائے..... رخ بھیڑیے کی طرف سے نہیں بدلا..... بھیڑیا چند قدم آگے بڑھ آیا..... میں اور دو چار قدم پسپا ہوا..... وہ اور کئی قدم آگے بڑھا..... اب فاصلہ کم ہو گیا..... پہلے تو وہ دس بارہ گز پر رہا ہو گا اب..... آٹھ دس گز پر آ گیا..... اور قبل اس کے کہ میں مزید پسپائی کا خیال کروں اس نے مجھے ایک بار پھر دانت دکھائے.....

میں ان جانوروں کی عادت و فطرت سے واقف ہوں..... شیر اور تیندوے اور ریچھ کے علاوہ ہر ایک جانور کا دل چھوٹا ہوتا ہے..... بزدلی کا عنصر زیادہ ہوتا ہے یا



قطب شمالی آ کر کتب سرکل اور الاسکا کے اکثر خستہ علاقوں میں پایا جانے والا سفید خرگوش

سوکتے ہلاک کر کے رقوم کے لیے پیش کئے گئے۔۔۔۔۔ اس کے بعد ان کی تعداد کم ہو رہی۔۔۔۔۔ تاہم ۱۹۵۵ء میں جب میں ان علاقوں میں شکار کے لیے ایک مدت گزار رہا تھا تو میں نے جنگلی کتے نہیں دیکھے۔۔۔۔۔ استفسار کرنے پر مجھے بتایا گیا کہ شاذ و نادر ہی دو چار نظر آتے ہیں۔۔۔۔۔

بھیڑیے بھی کم ہیں۔۔۔۔۔ امریکہ میں بعض علاقوں میں بھیڑیوں کی تعداد خاصی ہے۔۔۔۔۔ کینڈا میں بھی بھیڑیے بہت ہیں۔۔۔۔۔ امریکہ کے مشہور مقام YELLOWSTONE NATIONAL FOREST میں بھیڑیے نہیں تھے تو محکمہ حیوانات نے خاص طور سے چار عدد بھیڑیے جنگل میں چھوڑے تاکہ ان کی تعداد وہاں بھی پائی جانے لگے۔۔۔۔۔

کینڈا اور الاسکا میں ان کی تعداد بہت حوصلہ افزا ہے۔۔۔۔۔ ان ممالک میں شکار کے قابل جانوروں کی جو افراط وہ اس کوشش اور نہایت دانشمندانہ منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے جس نے اول تو خلاف قانون شکار (POCHING) کی راہ قطعاً مسدود کر دی ہے دوسرے یہ کہ شکار کو ایک مقررہ حد کے اندر رکھ کر جانوروں کی افزائش نسل اور بقاء کے ایسے عمدہ انتظامات کئے ہیں کہ روز بروز جانوروں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔۔۔۔۔

امریکہ میں ہرن جسے بالعموم DEER کہا جاتا ہے اور جو واقعا (WHITE TAIL DEER) ہے۔۔۔۔۔ بکثرت سارے ملک میں ہے۔۔۔۔۔ وسط مغرب اور شمال کی وہ ریاستیں جو شاداب اور کوہستانی ہیں ان میں ہرن اس کثرت سے ہیں کہ اکثر سڑکوں کو پار کرتے وقت ٹرک یا کار سے ٹکرا کر مر جاتے ہیں۔۔۔۔۔ ان ریاستوں میں MONTANA, WYOMING, MINNESOTA, OREGON, WASHINGTON, NORTH DAKOTA,

اس وقت جس بھیڑیے کو میں دور بین سے دیکھ رہا تھا وہ مجھے یقین تھا کہ تنہا نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ اس کے ساتھ پورا قبیلہ ہوگا۔۔۔۔۔ اور میں یہ سوچنے میں حق بجانب تھا۔۔۔۔۔ ذرا سے تجسس کے بعد ہی میں اس کے دوسرے ساتھیوں کو دیکھنے میں کامیاب ہو گیا۔۔۔۔۔ وہ سب مل کر ان کیربوز پر تاک لگائے تھے۔۔۔۔۔ اور حیرت انگیز طریقے پر انھوں نے محاصرہ کیا تھا۔۔۔۔۔

پھر یکبارگی ایک بھیڑیا کمیں گاہ سے نکل کر کیربوز کی طرف دوڑا۔۔۔۔۔ اور وہ مندا حسب توقع ادھر ہی بھاگا جدھر بھیڑیوں نے پہلے سے تاکہ بندی کر رکھی تھی۔۔۔۔۔ چند سیکنڈ میں ہی کئی اور بھیڑیے کمیں گاہوں سے نکل کر حملے میں شامل ہو گئے اور غالباً ایک میل کے اندر ہی دو جانور مار گرائے۔۔۔۔۔ قتل اس کے کہ ان غریب کیربوز کی جان نکلے انھوں نے ان کے پیٹ پھار کر آنتیں نوچنا شروع کر دی تھیں۔۔۔۔۔

منظر وحشت ناک بھی تھا اور افسوس ناک بھی۔۔۔۔۔ لیکن یہ سب قدرت کا انتظام ہے جس میں انسان دخل نہیں دی سکتا۔۔۔۔۔ میں اپنی صحرا نوردی کے دوران اس قسم کے سینکڑوں واقعات دیکھتا رہا ہوں۔۔۔۔۔ بعض ایسے مواقع بھی آئے جبکہ میں دخل دے کر معاملے کے نتیجے کو بدل سکتا تھا۔۔۔۔۔ یا یہ کہ مظلوم کو بچا سکتا تھا لیکن جنگل کے قدرتی نظام میں مجھے دخل دینا مناسب معلوم نہیں ہوا۔۔۔۔۔

بعض حالات میں انسانی مداخلت ضروری ہو جاتی ہے۔۔۔۔۔

ایک زمانے میں بھوپال اور اطراف کے جنگلوں میں کتوں کی تعداد بہت بڑھ گئی۔۔۔۔۔ ممکن ہے اطراف کے جنگلوں سے کتوں کے جتھوں نے اس طرف ہجرت کی ہو۔۔۔۔۔ انھوں نے ہرن اور چکارے کو بڑا نقصان پہنچایا بلکہ بعض دیہاتیوں کے چھوٹے مویشیوں۔۔۔۔۔ مثلاً بکری اور بھیڑ بھی مار کھائی۔۔۔۔۔ ان کے مارنے کے لیے حکومت نے دو روپیہ فی راس انعام مقرر کیا۔۔۔۔۔ اور ان کی وہ تعداد جو دو ماہ کے عرصے میں ہلاک کی گئی اس کا اندازہ صرف اس رقم سے ہو سکتا ہے جو حکومت نے شکاریوں کو ادا کی۔۔۔۔۔ اس رقم کو ان دنوں کے نقطہ نظر سے خطیر ہی کہا جاسکتا ہے۔۔۔۔۔ وہ تھی بارہ سو روپیہ۔۔۔۔۔ گویا چھ

بلند..... اور غالباً چھ سات سو فٹ عریض..... لیکن سارا ایک ٹھوس چٹان ہے..... سارا پہاڑ..... واحد ایک پہاڑ ہے نہ جوڑ..... نہ ڈار..... نہ چٹانیں..... نہ بگری اور پتھر..... ایک چٹان..... تین چار سو فٹ بلند اور چھ سات سو فٹ چوڑی..... میں نہ تو اس کے اوپر گیا..... نہ عقب..... اس لیے اس کے حجم کا اندازہ مشکل ہے..... لیکن اگر اس کو چھ سات سو فٹ لمبا بھی تصور کیا جائے تو اس کی جسامت اور حجم کس قدر عظیم کہا جاسکتا ہے..... نہ جانے کسی اور دیکھنے والے کی نظر نے یہ عجوبہ ملاحظہ کیا یا نہیں.....

خود الاسکا میں..... گلیشیر کے علاقے دنیا کے عجوبے ہی کہے جاسکتے ہیں..... ان علاقوں میں برف کے پہاڑ ہیں..... ٹھوس برف کے مجسم و مکمل پہاڑ..... ان برف کے پہاڑوں میں جا بجا موسم کے تعبیرات کی وجہ سے شگاف آتے ہیں..... اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری دیو پیکر چٹان پہاڑ سے الگ ہو کر ٹوٹی ہے اور سمندر میں گر جاتی ہے..... یہ نہیں کہ برف کے یہ پہاڑ فنا ہوتے جا رہے ہیں..... ساری سردیاں بلکہ چھ ماہ کے موسم سرما کے دوران برف گر کر ان پہاڑوں کو وجود بخشی ہے پھر موسم گرما آ کر ان برف کے پہاڑوں کو دریا برد کرتا ہے..... قدرت کا عجیب و غریب نظام ہے.....!

کاش کہ میں ان مقامات کی متحرک تصاویر دکھا سکتا..... وہ تو دور کی بات ہے..... ناشران تو عام تصاویر کی کثرت بھی کتاب میں پسند نہیں فرمائیں گے اس لیے میں نے اتنی تصاویر نہیں شامل کیں جن کو زیادہ خیال کیا جائے..... بعض تصاویر..... جیسے اگلے صفحے کی الاسکا کے پھولوں بھرے پہاڑی دانوں کی تصاویر..... رنگین ہیں..... ان کا حسن اسی وقت صحیح نظر آسکتا ہے جب یہ اسی طرح رنگین شائع ہوں..... مجھے یقین کامل ہے کہ یہ کام پاکستان کے ناشران کتب سے نہیں ہو سکتا..... اصولاً اخراجات کو کم سے کم رکھنے کی کوشش سب ہی کرتے ہیں..... لیکن معیار (QUALITY) خراب کرنا کوئی گوارا نہیں کرتا..... پاکستان میں معیار کا خیال بھی نہیں رکھا جاسکتا..... شاید

PENNSYLVANIA, OKLAHOMA, COLORADO. وغیرہ تو خیر ہیں ہی..... لیکن وہ گرم ریاستیں جیسے NEW MEXICO, TEXAS وغیرہ میں بھی قابل شکار جانوروں کی کثرت ہے..... اور حیرت کی بات ہے.....!

البتہ..... کولوریڈو میں MULE DEER بہت بڑی تعداد میں پایا جاتا ہے..... کیلیفورنیا اس قدر گنجان آباد ریاست ہونے کے باوجود مشرقی علاقہ بہت کوہستانی اور انتہائی شاداب ہے..... جہاں دنیا کا مشہور علاقہ یوسمی YOSEMITI ہے..... جس کی ایک حسین آبشار کی تصویر آئندہ صفحے پر دیکھی جاسکتی ہے.....

یوسمی میں ہی RED WOOD کا وہ عظیم الجثہ درخت تھا جس کے تنے کے درمیان سے سڑک گزرتی تھی جس پر ہر قسم کی ٹریفک تھی..... اور درخت بھی ابھی تک زندہ رہا..... غالباً دو سال قبل یہ درخت اپنی عمر طبعی کو پہنچ کر ختم ہوا..... تاہم بے شمار آسمان سے باتیں کرتے ہوئے درخت اب بھی ہیں جن کے تنے اتنے عظیم ہیں کہ اگر چھ آدمی ہاتھ ملا کر اس کے گرد حلقہ کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے.....

میں ایک سال کیلیفورنیا میں رہا..... میرا گھر..... LIVERMORE میں ہوتا تھا..... اور وہاں سے YOSEMITE تقریباً ایک بیس میل کے فاصلے پر تھی..... میں اگر اس علاقے کی تعریف شروع کروں تو غالباً اس کے لیے ایک پوری کتاب درکار ہوگی..... لیکن اجمال یہ ہے کہ یوسمی نہ صرف ایک نہایت حسین، بے حد دلکش اور واقعتاً تعجب خیز جگہ ہے..... بلکہ قدرت کے عجائب میں سے ایک.....

میں نے دنیا کا ایک بہت بڑا حصہ دیکھا ہے..... بے شمار ممالک اور متعدد علاقوں میں شکار کی غرض سے گیا ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ شکار کے لیے ملک کے اندرونی علاقوں، پہاڑوں اور جنگلوں کی خاک چھانتا پڑتی ہے..... میں نے یوسمی میں ایسا عجیب و غریب پہاڑ دیکھا جو کہیں اور نہیں ہے.....

یہ پہاڑ یوسمی گاؤں (YOSEMITE VILLAGE) سے کوئی میل بھر اوپر مغرب کی طرف واقع ہے..... خاصا بلند..... میں جانتا ہوں کہ تین چار سو فٹ

پڑا ہے..... ان میں ہرن..... کیربو..... الک..... موز..... ریچھ..... بھیڑیے.....  
لومڑی..... خرگوش..... وغیرہ قابل ذکر ہیں.....

جنوب کی طرف ایک بہت بڑا وائلڈ لائف ریفریج ہے جس میں شکار ممنوع

ہے..... یہ ہے YUKON FLATS NATIONAL WILDLIFE

REFUGE..... جو لاکھوں ایکڑ یا ہزاروں میل پر پھیلا ہوا ہے..... میں جس

علاقے میں شکار کر رہا تھا وہاں دونوں علاقوں کے جانور آمدورفت رکھتے ہیں..... اس

لیے کہ یہ ان دنوں بیش قیمت جنگلوں کے درمیان کا علاقہ تھا..... میں جانتا ہوں کہ مقامی

لوگوں کی آبادی..... کولڈ فٹ (COLD FOOT) جو ایک چھوٹا گاؤں کہا جاسکتا

ہے میری شیک سے چالیس میل کے فاصلے پر تھا..... اسی طرح اس شکار گاہ سے تیس میل

جنوب میں دریائے یوکان پر ایک اور مقامی لوگوں کی آبادی..... بیور BEAVER

ہے.....

الاسکا ایک بہت وسیع ریاست ہے..... ایک ملک ہے..... جس کا رقبہ پانچ

لاکھ ستر ہزار آٹھ سو تینتیس مربع میل ہے (570,833 Sqr miles) ہے اور

آبادی اس وسعت کے تناسب سے بہت کم..... یعنی صرف پانچ لاکھ..... جس کا بہت

برا حصہ تو اینکریج، جونو اور فیئر بنکس میں رہتا ہے.....

اسی طرح یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ سارا ملک تقریباً غیر آباد ہے..... صرف اینکریج

کی آبادی ڈھائی لاکھ ہے یا کچھ زیادہ..... گویا الاسکا کی ساری آبادی کے نصف انسان

صرف اینکریج میں سکونت پذیر ہیں..... جونو..... جو الاسکا کا پایہ تخت ہے..... اس کی

آبادی چھبیس ہزار..... فیئر بنکس کی اکتیس ہزار اور فورٹ یوکان..... جہاں اس وقت

بڑی نیگم ہوٹل میں مقیم میری منتظر تھیں..... صرف پانچ سو اسی افراد پر مشتمل آبادی

ہے..... الاسکا کا بعید ترین شہر..... شمال میں بحر منجمد شمال پر واقع شہر ایرو ہے.....

اس لیے کہ کتب خریدنے والوں کی تعداد ہی کتنی ہے..... وہ تو بے چارے ناشر  
لابریروں کی وجہ سے زندہ رہتے ہیں جہاں ان کی کتابوں کی کھپت ہو جاتی ہے اور ان  
کے پلے کچھ پڑ جاتا ہے اگر یہ لوگ صرف خردہ فروشی پر منحصر ہوں تو شاید ہزار پانچ سو  
کتاب بھی دو چار سال میں شاید ہی فروخت ہو سکے.....

بھیڑیے جنھوں نے کیربوز شکار کیے تھے مجھ سے بہت دور تھے..... اور میرا  
اس طرف جانے کا ارادہ بھی نہیں تھا اس لیے کہ وہ علاقہ صاف میدانوں پر مشتمل  
تھا..... ریچھ ان میدانوں میں نہ رہتا ہے نہ جانا پسند کرتا ہے..... اس کے قدرتی  
مقامات پہاڑی علاقے ہوتے ہیں اور پہاڑی علاقے شمال اور مغرب کی جانب  
تھے.....

میں وہاں اتر کر سیدھا ان مغربی علاقوں میں داخل ہو گیا جہاں اونچے نیچے  
ٹیلے دور تک پھیلتے چلے گئے تھے..... اور بالآخر پہاڑوں میں تبدیل ہو گئے تھے..... یہ  
پہاڑی سلسلہ انڈی کاٹ کو ہستان کے نام سے موسوم ہے..... (EnDICOT  
MOUNTAINS) جن کا بیشتر بلند حصہ برف پوش رہتا ہے.....

جیسا کہ میں لکھ چکا ہوں فورٹ یوکان FORT YUKON دو دریاؤں  
کے اتصال پر واقع ہے..... یہ دو دریا..... دریائی یوکان (YUKON RIVER)  
اور دریائی پارکو پائین (PORCUPINE) اور ظاہر ہے کہ ان مقامات کو سرد تو ہونا  
تی چاہیے.....

میں اس وقت کو ہستان انڈی کاٹ کے دامنوں پر تھا.....!  
اس مقام کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ شمال مغرب میں آرکنک نیشنل  
فارسٹ تھا..... جو (GATES OF THE ARTIC NATIONAL  
FOREST) کے نام سے مشہور ہے..... اور ہر قسم کے قابل شکار جانوروں سے بھرا



(BARROW) جس کی آبادی دو ہزار نفوس ہے.....

لیکن الاسکا..... امریکہ کی دوسری مالدار ترین ریاست ہے.....!

البتہ..... حیرت ہے کہ بیگم اور میں جب فیر بنکس کی سڑکوں پر چہل قدمی کر رہے تھے اور بازاروں میں گشت کر رہے تھے تو متعدد لوگوں نے ہم سے مدد کی درخواست کی..... گویا بھیک مانگنے کی کوشش کی..... بعض لوگوں نے سگریٹ مانگی..... میں سگریٹ نہیں پیتا اس لیے ان کی درخواست قبول نہیں ہو سکی..... واضح یہ کرنا ہے کہ امریکہ کی مہول ترین ریاست میں بھی کچھ غربا و فقرا کا وجود

.....

یہ شکار کے موضوع پر لکھی ہوئی کتاب ہے..... اس میں کسی ایسے موضوع سے بحث کی گنجائش نہیں جس کا براہ راست تعلق شکار سے نہ ہو..... لیکن بعض ایسے مباحث ہوتے ہیں کہ ذہن میں آنے کے بعد اظہار کے لیے بے تاب ہو جاتے ہیں..... میرے تجربات اور مشاہدات بھی اس قدر متنوع ہیں کہ ایک واقعے کے ضمن میں بعض دوسرا واقعہ بھی یاد آ جاتا ہے..... اور اس کی دلچسپ حیثیت کے تحت میں اسے بھی قلمبند کر دینا اچھا سمجھتا ہوں.....

پاکستان اور ہندوستان میں فقرا کی جو کثرت ہے وہ اور کہیں دیکھنے میں نہیں آئی..... پھر فقراء کے بھی درجات ہیں نچلے درجے کو ”بھک منگا“ کہنا چاہیے..... اور اعلیٰ درجہ ان فنکاروں کا ہے جو بھیک حاصل کرنے کے لیے نہایت عمدہ اداکارانہ طریقے استعمال کرتے ہیں..... ان میں سے کچھ ولی بن جاتے ہیں..... بعض مجذوب..... بعض پیر..... غرضیکہ مختلف ہتھکنڈوں سے لوگوں کو لوٹتے ہیں..... یہ تو خیر بھک منگوں کا ذکر تھا..... لیکن..... اولیاء.....!؟

ولی اور پیر قسم کے حضرات بھی جس کثرت کے ساتھ پاکستان اور ہندوستان میں ہیں وہ کسی اور اسلامی ملک میں نہیں..... نجانے اولیاء کرام نے صرف ہندوستان کو کس لیے مرکز قرار دیا..... سارے کے سارے یہیں تشریف لے آئے..... جبکہ ان

کے دائرہ عمل کے لیے یورپ اور افریقہ بھی موجود تھے، جہاں سب غیر مسلم آباد تھے.....  
سط الشیاء بھی تھا..... ان تمام ممالک میں تبلیغ اسلام کی ضرورت بہت زیادہ تھی.....

اگر وہ اولیائے کرام..... جو ملتان، لاہور، دہلی وغیرہ میں مدفون ہیں..... اور  
 نن کے مزارات آج بھی مخلوق کے لیے باعث کشش ہیں..... وہ یورپ کا رخ  
 راتے..... جہاں کی آب و ہوا بھلی ہندوستان سے بہتر تھی..... اور جہاں ”کفار اور  
 شرکین“ کی عظیم جماعتیں ہدایت کی حاجت مند تھیں..... تو آج غالباً یورپ کا بڑا حصہ  
 مسلمانوں پر مشتمل ہوتا..... ان اولیاء کی برکات صرف چند شہروں تک محدود نہیں ہیں  
 ہندوستان اور پاکستان کے گوشے گوشے میں کوئی نہ کوئی ”مرشد“ ضرور پایا جاتا ہے یہ  
 کچھ واقعاً اللہ والے اور اکثر ”ڈبہ پیر“ یا ایسے اداکار جو اللہ رسولؐ سے دور اور اداکاری  
 سے قریب.....

لیکن..... ہر وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ سبحانہ نے ولایت کی نعمت سے سرفراز  
رایا..... اٹھا اور سیدھا ہندوستان میں وارد ہو گیا..... آخر کیوں..... بلخاریہ یوگوسلاویہ  
نام..... یہ بھی قریب تھے اور غیر مسلم تھے.....!

اس موضوع پر مفصل بحث میں نے اپنی کتاب ”پانچواں درویش“ میں کی ہے! مجھے یقین ہے کہ اکثر قارئین اس کتاب کے شمولات سے اتفاق نہیں کریں گے! لیکن ان کے متفق نہ ہونے سے حقیقت بدل نہیں سکتی!.....

اب پھر شکار کی بات کرتے ہیں..... ریچھ کے شکار کی..... جس کے لیے میں  
نے اتنی زحمت اور صرفہ برداشت کیا تھا.....

شکار ایک شاہ خرچ قسم کا مشغلہ ہے..... بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پیسہ ضائع  
لےنے کا نہایت آسان اور کار آمد ذریعہ..... اگر میں ان تمام رقوم کا حساب کروں جو  
میں نے تقریباً پچاس سال کے شکار کے دوران صرف کیں تو یقیناً وہ رقوم ایک ڈیڑھ

ملین ڈالر سے کم کیا ہوں گی.....!

اونچے نیچے ٹیلوں کے درمیان چلنا بھی اتنا آسان نہیں جتنا بادی النظر میں معلوم ہوتا ہے..... کسی بھی موٹر پر ریچھ سے دو چار ہونے کا خطرہ رہتا ہے..... اور میں یہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ ریچھ اچانک صرف چند گز کے فاصلے پر نمودار ہو جائے..... اس لیے ہر قدم سوچ سمجھ کر رکھتا ہوں..... اس کے باوجود یکبارگی ملاقات کے لیے آمادہ بھی رہتا ہوتا ہے.....

میں یہ بھی جانتا تھا کہ زمین بتدریج بلندی کی طرف راغب ہے..... یہ کوہ اٹلی کاٹ کا دامن تو تھا ہی..... چھوٹے بڑے ٹیلے بھی اس کو ہستانی سلسلے کا ایک حصہ تھے.....

ایک بار پھر میں نے ایک اونچے ٹیلے کی چوٹی پر جھاڑیوں میں چھپ کر دور بین نکالی.....

ٹیلے کے عین سامنے..... کوئی تین سو گز..... دو عدد کیربوز..... ایسی عجیب ہیئت سے کھڑے تھے کہ مجھے ہنسی آئی..... پچھلے دونوں پاؤں ٹیلے کے نشیبی حصے پر..... اگلے دونوں پیر ٹیلے کے بلند ترین حصے پر..... گردنیں اٹھی..... اور نظریں ایک طرف مرکوز..... البتہ میں یہ ضرور جانتا چاہتا تھا کہ وہ دونوں..... گردنیں اٹھائے نظریں جمائے کس چیز کو بغور دیکھ رہے ہیں..... مجھے اس وقت تو فوراً بھیڑیوں کا ہی خیال آیا..... یہ اچھی بات نہیں تھی..... بھیڑیا بہر حال گوشت خور درندہ ہے.....

عاقبت گرگ زادہ گرگ شود

گرچہ با آدمی بزرگ شود

تنہا آدمی اگر بھوکے بھیڑیوں کے کسی منہ سے کی نظر پر چڑھ جائے تو بہت بڑی دشواری پیدا ہو سکتی ہے..... میں ایک بار اس خطرناک چکر میں پھنس چکا ہوں..... اور ابھی ابھی بھیڑیوں کے اس منوے کو بھی دیکھ چکا تھا جس نے دو کیربوز شکار کیے تھے..... یہی سبب تھا کہ میرا گمان فوراً بھیڑیوں کی طرف ہی گیا.....

یہ کیربوز کوئی پانچ منٹ اسی حال میں رہے اور جس طرف دیکھ رہے تھے ادھر ہی دیکھتے رہے..... میں نے ان کی طرف سے دور بین ہٹا کر ان تمام جگہوں کا جائزہ لیا..... ہاں ان نگاہوں کا زاویہ ہونا ممکن تھا..... لیکن مجھے کوئی بھیڑیا نظر نہیں آیا..... اور پھر بھی میں دیکھ ہی رہا تھا کہ کیربوز اپنی جگہ سے ہٹے..... ٹیلے کی نیچے کی طرف اترے اور دوسری طرف نکل گئے جہاں وہ میری نظروں سے پوشیدہ ہو گئے..... مجھے یہ سوچنے میں پریشان لگی کہ جس طرف وہ غائب ہوئے ادھر یقیناً نشیب..... یا وادی ہوگی تب ہی میں ان کو یا ان کے ساتھیوں کو نہیں دیکھ سکا..... ممکن ہے بھیڑیے بھی کسی نیچی جگہ پر.....

میں اپنے تجسس کی تسکین کے لیے اس طرف جانا نہیں چاہتا تھا..... اس لیے کہ مجھے بھیڑیوں سے مقابلے کی کوئی تمنا نہیں تھی میرے ہاتھ میں تین سو پکھتر ہالینڈ اینڈ لینڈ میکینم تھی..... اس میں چار کارتوس لگے ہوئے تھے..... میری ہاور سیک میں کارتوسوں کا ڈبہ تھا جس میں سولہ کارتوس تھے..... کل بیس.....!

میں بھیڑیوں سے مقابلہ کرنا نہیں چاہتا تھا.....!

میں اس جگہ سے ہٹا..... کیربوز تو جا چکے تھے لیکن میں اسی جھاڑی میں اپنے اردو پیش سے باخبر رہتے ہوئے بیٹھا رہا..... وہ جگہ بھی ایسی تھی کہ دور دور تک کے ناظر صاف نظر آتے تھے..... اس تمام عرصہ میں نے دور بین ہاتھ سے نہیں رکھی..... ایک بار بہت فاصلے پر..... غالباً ایک آدھ میل دور..... اس جگہ جہاں زمین نسبتاً بلند تر..... پہاڑی سلسلہ نزدیک تر تھا..... میری نظر ایک جگہ رک گئی..... جھاڑیاں حرکت کر رہی تھیں..... لیکن ان کی حرکت کا انداز وہ نہیں تھا جو ہوا کی آوارا گردی کے سبب سے ہوتا ہے..... میں نے دور بین اسی جگہ مرکوز کر دی میرے ہاتھ میں اس وقت TASCO.....

انہایت بیش قیمت اور طاقتور دور بین تھی..... اس کی طاقت تو بارہ ایکس ہے لیکن اس

بیل تھی اس لیے کہ انگور بیدار نہ ہوتا تھا..... اس میں بیج نہیں ہوتا تھا..... میرے پڑوس میں کشمیر ہائی اسکول تھا جس کے مالک اور خود ساختہ پرنسپل اے۔ ڈی چودھری ہوا کرتے تھے..... بہت خوش مزاج دلچسپ اور مخلص دوست تھے..... انھوں نے میرے گھر کے پائیں باغ میں پودے اور پھول لگانے میں میری بہت مدد کی تھی..... اور کوئی بار پکنک کے پروگرام بنا کر مجھے بھی مجبور کر کے ساتھ لے گئے..... ان موقعوں پر ذوالفقار..... منیر اور شاہ جی بھی ساتھ ہوئے اور پکنک اچھی دلچسپ رہا کرتی تھی.....! رینچ..... اتنے فاصلے پر تھا کہ میں اس کی جسامت کا صحیح اندازہ نہیں کر سکا..... لیکن اس کی حرکات و سکنات بتاتی تھیں کہ چھوٹا نہیں ہے..... اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ علاقے جن میں رینچ کی فکر کرنا چاہیے ان ہی پہاڑیوں یا ٹیلوں کے آس پاس ہوتے ہیں.....

بھنا ہوا مرغ..... جس میں پہاڑی کبابوں کا مصالحہ لگایا گیا ہو کتنے خوش مزہ ہوتے ہیں..... میرے ساتھ اس روز کھانے کے لیے بھنا مرغ تو تھا ہی..... جو بیگم نقوی کیفیورنیا سے ہی پکا کر لائی تھیں..... اور اس کو بہ آسانی محفوظ رکھا گیا تھا..... وہ یوں کہ پکانے کے بعد اس کو قلفی میں بند کر کے فریژر میں رکھ دیا گیا..... تین روز وہ ڈیپ فریژر میں رہ کر برف کی اتنی سخت چٹان میں تبدیل ہو گیا کہ فیئر بنکس پہنچنے تک ڈی فریژر نہیں ہوا..... فورٹ یوکان سے تو ٹھنڈک شروع ہو گئی اور اس کے کچھلنے کا عمل اگر رک نہیں گیا تو سست ضرور ہو گیا..... اور قبل اس کے کوئی اور رد عمل ہو ایک بار پھر قطب شمالی کے قدرتی ”فریژر“ میں آ گیا.....

ویسے سردی تو تھی ہی..... دن کے وقت..... وہاں تو دن ہی دن تھا..... ٹیپر پریٹنکس چونتیس درجے فارن ہائیٹ سے زیادہ نہیں ہوتا تھا..... مجھے بہت ٹھنڈ لگ رہی تھی..... جو روزے کے سبب سے تھی روزے مین میز بلڈ پریشر کم ہو جاتا ہے..... اکثر ایک سو یا ایک سو دس..... اور ساٹھ یا ستر..... یہ LOW BLOOD PRESSURE ہے..... لیکن مجھے یقین ہے کہ افطار کے بعد کسی قدر بڑھ جاتا ہو

میں ZOOM کرنے کی اہلیت بھی ہے..... اس کے ذریعے بہت دور کی چیزوں کو خاص نزدیک لایا جاسکتا ہے..... جھاڑیوں کی حرکت..... نوچ کھسوٹ کے نتیجے میں تھی..... اور اس کا محرک..... بھی مجھے نظر آ گیا..... رینچہ تھا.....!؟

لہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست  
آ کر آمد زلیں پردہ تقدیر یدید

یہ شعر بھی خوب ہے..... میں نے اول بار یہ شعر ایک شادی کے دعوت نامے پر لکھا دیکھا..... اس کے بعد ہر دعوت نامے پر یہی شعر ہوا کرتا تھا..... یہاں تک دیکھتے دیکھتے یہ شعر غیر ارادی طور پر میرے ذہن میں محفوظ ہو گیا..... البتہ آج کل اس شعر کے مندرج کرنے کا رواج نہیں رہا..... اب تو دعوت نامے جدید ہو گئے.....!

روزے کی حالت میں طرح طرح کے کھانے اکثر یاد آتے ہیں..... اس وقت جب کہ میں الاسکا کے اس ویرانے میں دور بین سے رینچہ کو دیکھ رہا تھا نجانے کیسے مجھے بریانی یاد آ گئی..... میں نے سوچا کیا مزہ آئے جو آج افطار کے بعد گرم گرم حیدر آبادی کچی بریانی قاب میں بھری سامنے رکھی ہو اور اس سے بھاپ اٹھ رہی ہو..... ساتھ ہی قاب میں شامی کباب رکھے ہوں..... وہی کا نہایت عمدہ رائیہ ہو جس میں سے پودینے کی سبز پتیوں کی خوشبو آ رہی ہو.....

رینچہ..... کس قدر سیاہ رنگ کا تھا..... اور غالباً جھاڑیوں میں سے کوئی پھل نوچ نوچ کر کھا رہا تھا.....!

پھل.....!؟

انگور..... کتنا لذیذ اور کس قدر فرحت بخش پھل ہے..... میں جن دنوں شالامہ ٹاؤن میں فنیکی اسٹریٹ کے مکان میں رہتا تھا ان دنوں میں نے اپنے گھر کے پائیں باغ میں انگور کی بیل لگائی تھی اس میں خوب انگور نکلے..... اور غالباً جن کے انگوروں کی

افزائیں تھا چنانچہ مجھے تقریباً آدھے میل کا فاصلہ شمال کی طرف طے کرنا پڑا تب کہیں میں اس زاویے پر پہنچا جہاں ہوا ریچھ کی طرف سے میری طرف آرہی تھی..... اور مجھے یقین تھا کہ اب میری موجودگی صرف قوت شامہ کے ذریعے ریچھ دریافت نہ کر پائے گا.....

ریچھ کی نظر کمزور ہوتی ہے..... البتہ اس کمزوری سے یہ مطلب نہیں لینا چاہیے کہ وہ اندھا ہی ہوتا ہے..... الا سکا کے ریچھوں کی نظر شاید دوسرے علاقوں کے ریچھوں سے کچھ بہتر ہوتی ہوگی اس لیے کہ یہ ریچھ کھلے میدانوں پہاڑ کے بے برگ و گیاہ دامنوں اور میلوں پھیلی ہوئی سطحی مرتفع پر گھومتے ہیں جہاں طویل فاصلوں تک دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے..... ایسی حالت میں نظر کا قدرتا تیز تر ہو جانا عین ممکن ہے..... جانوروں کو مختلف قسم کی طاقتیں ان کی ضروریات کے پیش نظر ہی میسر آتی ہیں.....

جس طرح ہرن کے قبیل کے جانوروں کی نظر بہت تیز اور دور بین ہوتی ہے..... شیر کی نظر بہت کمزور..... لیکن قوت سماعت بہت قوی..... بعض پرندوں کی نظر بہت تیز ہوتی ہے.....

میں اس روز افطار سے صرف ایک گھنٹہ پہلے تک ان ٹیلوں میں ریچھ کو ڈھونڈتا رہا..... اور نشانات کے علاوہ کچھ نظر نہیں آیا..... ریچھ جلوہ دکھا کر ایسا چھپا کہ پھر ایک جھلک بھی نظر نہیں آئی..... نجانے کس طرف نکل گیا..... لیکن مجھے یقین تھا کہ وہی علاقہ میری مزید نگ و دو کا مرکز ہونا چاہیے..... اسی طرف ریچھ تھے..... اور ٹیلوں کی موجودگی..... پہاڑی کا دامن..... کسی قدر درخت..... یہ سب وہ عناصر تھے جو ریچھ کے وجود کے لیے ضروری ہیں..... میں نے آئندہ روز بھی اس طرف کوشش کا منصوبہ بنایا..... اور شیک کی طرف واپس ہوا.....

مجھے خیال تھا کہ شیک دو ڈھائی میل ہوگئی لیکن..... افطار کا وقت راستے میں ہی ہو گیا..... اور میں نے شکاری تھیلے میں سے ایک چاکلیٹ نکال کر روزہ افطار کیا.....

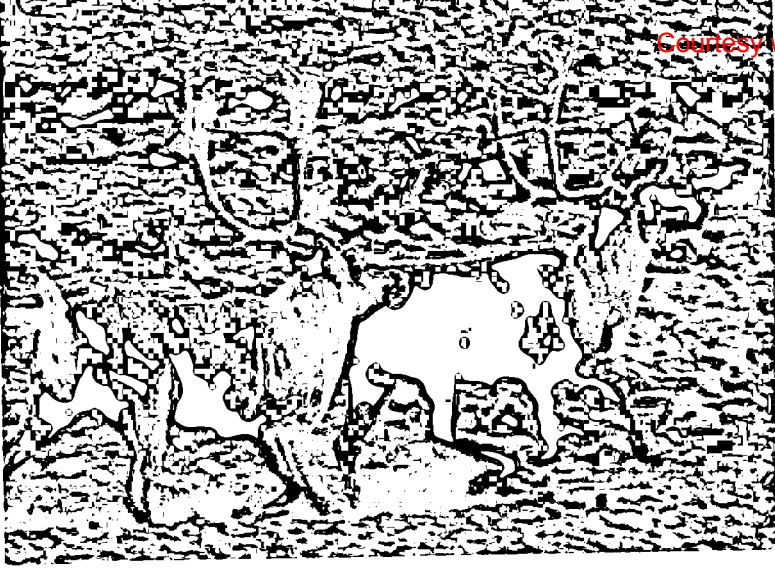
گا..... میں بہت دیر ریچھ کو دیکھتا رہا..... اور ظہر کی نماز کا وقت ہو رہا تھا..... میں نے بہتر خیال کیا کہ نماز پڑھنے کے بعد اس کی طرف پیش قدمی شروع کروں..... دو رکعت نماز قصر ظہر..... دس منٹ سے زیادہ کیا لے گی..... دعا میں ریچھ کے شکار کی استدعا بھی شامل تھی..... اور مجھے یقین تھا کہ درگاہ ایزدی میں میری دعا ضرور قبول ہوگا..... میری دعائیں پہلے بھی اس مالک حقیقی نے قبول ہی فرمائیں تھیں.....!

نماز کے بعد دو رہن لگائی تو ریچھ غائب..... اور ساتھ ہی میری امیدوں کا مدوجز بھی نہیں رہا.....! لیکن مجھے افسوس قطعاً نہیں ہوا..... نماز اپنی جگہ ہے..... میں نے جب نماز کا ارادہ کر لیا تو اس میں ریچھ کے تعاقب کے لیے تاخیر نہیں کی جاسکتی تھی.....!

میں جانتا تھا کہ ریچھ شکم پری کی فکر میں گھوم رہا ہے..... ایسی حالت میں اس کے غائب ہونے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میلوں نکل گیا..... ہرن کی قبیل کے جانور تو ایسا کر سکتے ہیں کہ اگر ایک بار سب کے سب بھاگنے پر آمادہ ہو جائیں تو کئی میل تک دوڑتے چلے جائیں لیکن ریچھ ایک تو بہت تیز نہیں دوڑ سکتا..... اور پھر اگر دوڑ بھی لے تو یہ دوڑ طویل نہیں ہو سکتی.....!

میں اس ٹیلے سے اتر..... اور بہت احتیاط کے ساتھ ادھر چلا جدھر ریچھ کو دیکھا تھا.....!

اسٹالنگ (STALKING) جو کسی جانور کے تعاقب کو کہتے ہیں..... آسان بھی نہیں اور ہر ایک کے بس کی بات بھی نہیں..... اس کام کے لیے بھی بہت تجربے اور احتیاطی تدابیر کی ضرورت ہوتی ہے ریچھ..... قوت شامہ کے لحاظ سے غیر معمولی اہلیت رکھتا ہے..... اسٹالنگ میں سب سے پہلے تو ہوا کے رخ کا خیال رکھنا ہوتا ہے..... ضروری ہے کہ اسٹالنگ کے دوران ہوا شکار کی طرف سے شکاری کی طرف آرہی ہو میں نے روانگی سے پہلے ہوا کے رخ کا ہی تعین کیا..... یہ رخ کچھ ایسا حوصلہ



کیربو.....) اس کے خوبصورت سینگوں کے طول و عرض کا اندازہ کیا جاسکتا ہے

غالباً ایک عجوبہ ضرور ہے..... جا بجا پانی کے ابلتے ہوئے چشمے ابلتا ہوا..... بھاپیں لیتا پانی.....

ہیلو اسٹون کی سب سے دلچسپ شے ابلتے ہوئے گرم پانی کا وہ چشمہ ہے جو اولڈ فیتھفل (OLD FAITHFUL) کے نام سے معروف ہے..... یہ چشمہ ایک کھلے میدان کے وسط میں واقع ہے..... اور اس کے سوراخ سے ہر وقت بھاپ نکلتی رہتی ہے.....

ہر چالیس منٹ کے بعد اس بھاپ کے ساتھ پانی کی دھار نکلنا شروع ہوتی ہے جو فوراً بن کر زمین سے تیس چالیس فٹ بلند ہو جاتی ہے..... گویا اس پانی کا فشار اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ فوراً اس قدر بلندی تک پہنچتا ہے..... فوراً کی یہ حالت چار پانچ منٹ تک رہتی ہے اس کے بعد یہ فشار کم ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ پھر وہی بھاپ نکلنے کی حالت رہ جاتی ہے..... یہ اولڈ فیتھفل چشمہ ایک دو سال کی بات نہیں..... کم از کم گزشتہ سو سال سے یہ اسی طرح جاری ہے..... اس لیے کہ اس کی سو سالہ تاریخ تو ناقابل تردید طریقے سے معلوم اور موجود ہے..... اس سے پہلے یہ چشمہ کب سے

تقریباً مزید ایک گھنٹے بعد میں واپس شیک پہنچا..... اس شام کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میں نے وائریس سیٹ پر بیگم سے بات کی اور ریچھ کے نظر آنے کی خبر سنائی..... جوان کے لیے بھی حوصلہ افزا تھی..... حسب معمول انھوں نے مجھے احتیاط اور کم محنت کی تاکید کی..... ساتھ یہ بھی کہ ایک دو روز کے لیے روزہ ترک کر دوں..... جس پر میں قطعاً آمادہ نہیں تھا..... روزہ مجھے کوئی تکلیف نہیں دے رہا تھا..... نہ روزے کی وجہ سے مجھ کو شکار میں کوئی دشواری ہو رہی تھی..... بلکہ ایک طرح سے آرام ہی تھا نہ کھانے کی فکر تھی نہ پینے کی..... میں نے جاش سے بھی بات کی..... اور اسے بھی ریچھ کے بارے میں بتایا.....

اس روز میں سحر کھا کر کسی قدر زائد سو گیا..... آنکھ کھلی تو فجر کی نماز کا وقت گزر گیا تھا نماز قضا ہو جانے کا افسوس ہوا..... میں نے اٹھ کر شکار کا لباس زیب تن کیا پھر وضو کر کے نماز ادا کی اور اللہ کا نام لے کر شیک سے نکلا..... میرے قیام کا تیسرا دن تھا..... شیک سے کوئی ایک میل کے فاصلے پر کیربوز کا ایک بہت بڑا مندا نظر آیا..... جو با فراغت اپنے کاروبار میں مشغول تھا.....

کیربوز کے سینک بہت عمدہ ٹرائی خیال کیے جاتے ہیں..... اور ان کی لمبائی اکثر تین فٹ سے زیادہ ہو جاتی ہے..... میں اس روز بھی کیربوز کے بارے میں سوچتا رہا..... اس کا مارنا آسان لیکن..... لے جانے کی دشواری..... مجھے امریکن ایر لائنز پر مفتی سفر کرنا تھا..... سینک جتنے لمبے ہوتے ہیں اتنے ہی عریض بھی..... ایر لائن ان کے لے جانے میں نجانے کیا پالیسی اختیار کرے.....

میں ایک بار (YELLOWSTONE) نیشنل پارک گیا بیگم وہاں بھی ساتھ تھیں..... ہیلو اسٹون نیشنل پارک..... کہا جاتا ہے..... دنیا کا قدیم ترین اور اولین نیشنل پارک ہے..... جس کا رقبہ ایک میلین ایکڑ سے زائد ہے..... ہیلو اسٹون.....

اسٹوارڈز نے اپنے اسٹیشن مینجر کو معاملہ بتایا..... وہ میرے پاس آیا اور نہایت تہذیب اور خندہ پیشانی کے ساتھ بڑھ کر مصافحہ کیا.....  
 ”سینگ آپ نے کہاں سے لئے.....؟“

اس نے پوچھا  
 ”یہی..... جیکسن ہول سے.....“

میں نے جواب دیا  
 ”بہت اچھے مل گئے.....“ اس نے سینگوں پر ہاتھ پھرتے ہوئے کہا اور میں خود ان کی تلاش میں ہوں لیکن اتنے بڑے سینگ کہیں نظر نہیں آتے تھے..... آپ کو خوب مل گئے.....“

”کیا آپ کے خیال میں بہت اچھے سینگ ہیں.....؟“

میں نے پوچھا  
 ”بالکل.....“

اس نے جواب دیا  
 ”اب ان کو لے جانے کی مشکل پیش آگئی ہے.....“

”نہیں..... مشکل کوئی نہیں ہے..... آئیے میرے ساتھ.....“

وہ مجھے ساتھ لے کر چیک پوائنٹ پر آیا..... اور پولیس والوں سے اجازت دینے کی استدعا کی جو فوراً ہی قبول کی گئی..... اور مجھے جہاز پر جانے اور سینگ ساتھ لے جانے کی اجازت مل گئی..... میں اسٹیشن مینجر کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے گزرا.....

لاؤنچ میں ان سینگوں کو سینے سے لگائے مجھے گھومتے دیکھ کر ہر شخص مسکراتا..... غالباً مجھے احمق خیال کرتا ہوگا..... لیکن میں ان سینگوں کو گلے لگائے رہا..... سب سے زیادہ حفاظت ان سینگوں کی نوکوں کی کرتا تھی..... اگر نوکیں ٹوٹ جائیں تو گویا سینگ بیکار ہو جاتے..... یہی سبب تھا کہ میں ان سینگوں کو گلے لگائے ہوئے رہا..... تا آنکہ جہاز پر سوار ہوا.....

جاری ہے اس کا صرف اندازہ ہی لگایا جاسکتا ہے.....  
 ان چشموں کے پانی میں گندھک زیادہ ہوتی ہے..... یہی وجہ ہے کہ ان کے اطراف کی ہوا میں گندھک کی بو بسی ہوئی ہوتی ہے.....

ان چشموں کا تفصیلی بیان میری زیر تالیف کتاب..... ”پانچواں درویش“ میں شامل ہے اور اسی کے ساتھ تصاویر بھی ہیں..... یہاں جو تذکرہ شروع ہوا تھا وہ سینگوں کا تذکرہ تھا..... چنانچہ..... جیکسن ہول..... (JACKSON HOLE) میں دکانوں میں گھومتے ہوئے مجھے ایک جگہ بھینسے کے سینگ نظر آئے جو بہت خوبصورت تھے..... اور خوب بڑے تھے مجھے ایک عرصے سے ان سینگوں کی تمنا تھی..... بیگم کو بھی سینگ پسند آئے وہ میں نے خرید لیے..... ان کا عرض..... یعنی ایک سینگ کی نوک سے دوسرے سینگ کی نوک تک پھیلاؤ تقریباً پانچ فٹ.....

میں نے دکاندار سے کہہ کر ان سینگوں کی چھری کی نوک جیسی تیز نوکوں پر کپڑا اور کاغذ لگوا کر ان کو ٹیپ سے باندھ دیا..... میں نے جیکسن ہول میں جیب چروکی (JEEP CHEROKI) کرائے پر لی تھی..... اس کے ٹرنک میں سینگ بہ آسانی بٹائے گئے..... لیکن ایر پورٹ پر جب میں چیک پوائنٹ پر پہنچا تو کسٹم اور پولیس والوں نے مجھے سینگ جہاز پر لے جانے کی اجازت نہیں دی..... میں تو برا پریشان ہوا..... پولیس نے کہا کہ سینگ کو بڑے کارٹن میں بند کر کے لاؤں.....

میں امریکن ائر لائن کے کاؤنٹر پر گیا..... اور ان سے درخواست کی کہ سینگ کسی بڑے کارٹن میں بند فرمائیں..... انھوں نے اپنے اسٹور میں کارٹن تلاش کیے لیکن ایسا کوئی کارٹن نہیں ملا جس میں وہ گراں جشہ اور طویل قامت سینگ سما سکتے..... ادھر جہاز پر سوار ہونے کا اعلان کیا گیا.....

”میری فلائٹ تو جانے کو ہے.....“

میں نے ایک اسٹوارڈز سے کہا

”آپ نہ گھبرائیے..... فلائٹ نہیں جائے گی ابھی.....“



بارے میں کسی قسم کی غلط فہمی نہیں ہے۔۔۔۔۔

ندی کے کنارے سے ہٹ کر میں کوئی ایک میل شمال مشرق کی سمت گیا۔۔۔۔۔  
یہ بہت شاداب علاقہ تھا۔۔۔۔۔ اور اسی رخ پر چلتے ہوئے میں اس جگہ سے بھی گزرا جہاں  
ریچھ کو مصروف شگم پری دیکھ چکا تھا۔۔۔۔۔ جھاڑیاں کچی ہوئی۔۔۔۔۔ پتیاں بھی زمین پر تھیں  
۔۔۔۔۔ اور ایک آدھ نقش پا بھی نظر آتا تھا۔۔۔۔۔

لیکن اس خطے پر لکھا ہوا قصہ پارینہ میرے لیے کارآمد نہیں تھا۔۔۔۔۔  
ماضی۔۔۔۔۔ گزرا ہوا وقت۔۔۔۔۔ ہمارے لیے درس عبرت ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔ یا بے  
شمار یادوں کا خزانہ۔۔۔۔۔ لیکن جو وقت گزر گیا وہ ہمارے تصرف میں نہیں آ سکتا۔۔۔۔۔ میں وہ  
نہیں ہوں جو ماضی کی یادوں کو عذاب خیال کروں۔۔۔۔۔ جس شخص نے ماضی کی یادوں  
سے فرار چاہا۔۔۔۔۔ اس کا ماضی یا تو شرمناک رہا ہوگا۔۔۔۔۔ یا اندوہناک۔۔۔۔۔!

البتہ۔۔۔۔۔ وہاں جو ریچھ کے پیر کا نشان ملا۔۔۔۔۔ اس نے مجھے حیرت میں ضرور  
ڈال دیا۔۔۔۔۔ اتنا بڑا پیر کا نشان۔۔۔۔۔ غیر معمولی جسامت کے ریچھ کا ہی ہو سکتا تھا۔۔۔۔۔ اور  
اگر صحیح تھا۔۔۔۔۔ مجھے یقین تھا کہ صحیح ہے۔۔۔۔۔ تو بہت بڑا ریچھ تھا۔۔۔۔۔ غالباً میں نے اتنا بڑا  
ریچھ پہلے شکار نہیں کیا۔۔۔۔۔!

یہ امریکہ میں ریچھ کے شکار کا پہلا موقعہ تھا۔۔۔۔۔ اس سے پہلے میں ہندوستان  
اور پاکستان کے شمالی علاقے میں ریچھ کے شکار کا پہلا موقعہ تھا۔۔۔۔۔ لیکن یہ امریکہ میں  
پہلا موقعہ تھا کہ میں ریچھ کی فکر میں الاسکا کے اتنے دور دراز مقام پر۔۔۔۔۔ عین رمضان  
المبارک کے دنوں میں۔۔۔۔۔ قطب شمالی کے دائرے (ARCTIC CIRCLE) کے اندر۔۔۔۔۔ رانفل سنبھالے گھوم رہا تھا۔۔۔۔۔

پاکستان کا پہلا شکاری الاسکا میں!!

مجھے بعد میں معلوم ہوا تھا کہ فیئر بنکس میں یونیورسٹی میں ایک یا دو عدد پاکستانی  
ہیں۔۔۔۔۔ لیکن میرے پاس واپسی کے دوران اتنا وقت نہیں تھا کہ ان لوگوں کی تلاش کر  
کے ملنے کی کوشش کرتا۔۔۔۔۔

اب ایک اور مسئلہ پیش آیا۔۔۔۔۔ جہاز کے وہ خانے جو نشستوں کے اوپر کی  
جانب ہوتے ہیں وہ اتنے وسیع نہیں تھے کہ سینگ ان میں سہا سکتے۔۔۔۔۔ کلوڑٹ میں نہیں  
رکھے جاسکتے تھے ہر خانے اور سامان رکھنے کی ہر جگہ کو تلاش کرنے کے بعد صرف ایک  
ایسا محفوظ خانہ ملا جس میں وہ سینگ سہا۔۔۔۔۔

جیکسن ہول سے جہاز روانہ ہو کر سالٹ لیک سٹی SALT LAKE  
CITY ٹھہرتا ہے۔۔۔۔۔ مجھے یہ فکر تھی کہ اگر سالٹ لیک سٹی میں جہاز بدلنا پڑا تو ان  
سینگوں کے نقل و حمل کی مزید دشواری آجائے گی۔۔۔۔۔ لیکن بحمد اللہ ایسا نہیں ہوا۔۔۔۔۔ وہی  
جہاز سیدھا ڈلس آیا۔۔۔۔۔ یہاں تو جہاز بدلنا ہی ہوتا ہے۔۔۔۔۔ ڈلس سے ٹلسا کا جہاز بڑا  
جہاز تھا اور سینگ بہ آسانی اور ہیڈ ہولڈ میں سہا گئے۔۔۔۔۔ بالآخر بحیریت گھر پہنچے اور یہ  
سینگ میرے گھر کے آشدان پر لگے ہیں جیسا کہ اگلے صفحے کی تصویر سے ملاحظہ کیا جا  
سکتا ہے۔۔۔۔۔

سینگوں کے نیچے آئل پینٹ سے بنی ہوئی میری تصویر ہے ( )  
(PORTRAIT) جو میرے محترم دوست اور شاگرد۔۔۔۔۔ صوفی فضل الرحمان کوثر نیازی  
صاحب نے بنا کر مجھے عطا کی ہے۔۔۔۔۔ صوفی صاحب ڈلس میں رہتے ہیں اور فن مصوری  
میں کمال رکھتے ہیں۔۔۔۔۔ نہ صرف یہ بلکہ شعر بھی کہتے ہیں اور شاعری میں میری شاگردی  
کر کے مجھے اعزاز بخشتے ہیں۔۔۔۔۔ ڈلس میں میرے شاگردان رشید کی تعداد خاصی  
ہے۔۔۔۔۔ یہی سبب ہے کہ میں ڈلس میں ہونے والے ہر مشاعرے میں شرکت کرتا ہوں  
اور وہ لوگ ہمیشہ مجھے مہمان خصوصی کی حیثیت عطا کرتے ہیں۔۔۔۔۔

ان تمام حضرات کا تذکرہ بھی میری زیر تالیف کتاب ”پانچواں درویش“  
میں آ رہا ہے بات سے بات نکلتی چلی آتی ہے۔۔۔۔۔ میرے ایک دوست میری کتابیں دیکھ  
کر مجھ سے فرما رہے تھے کہ

”قمر بھائی۔۔۔۔۔ آپ اس دور کے بہترین داستان گو ہیں۔۔۔۔۔“

لیکن ان کا یہ بیان صرف میری حوصلہ افزائی کے لیے تھا۔۔۔۔۔ مجھے اپنے

حال اس وقت ہوتی ہے جب میں کسی ایسی جگہ گھر جاؤں جہاں کافی فاصلے تک صرف نظر نہ آ سکے..... ایسی حالت میں کہ ایک خونخوار درندے سے مقابلے کا امکان ہو..... کسی محدود جگہ محصور ہو جانا مہلک ہو سکتا ہے..... مجھے یہ بھی خیال تھا کہ اس سارے علاقے میں تنہا میں ہی انسان ہوں..... کسی زخم چوٹ یا کسی حادثے کی صورت میں کوئی امداد فوری نہیں پہنچ سکتی..... اور جبکہ میں شیک سے بھی کئی میل دور ہوں.....

دراصل شکار تو ایسی ہی خطرناک صورت حال سے گزرنے کا نام ہے..... اگر شکار کی مہم میں کوئی خطرہ کوئی بے یقینی..... کوئی دلولہ نہ ہو تو پھر شکار میں دلچسپی رہنے کی کوئی وجہ نہیں..... طبعیت خطرات سے مقابلہ کر کے ہی مطمئن ہوتی ہے.....

میں تو تنہا شیر اور چیتوں کے شکار میں سالہا سال مشغول رہا اور کبھی یہ نہیں سوچا کہ اس تنہائی کے عالم میں اگر کوئی اتفاق ناخوشگوار پیش آ جائے تو کیا ہوگا.....

شیر کے شکار میں مجھ سے پانچ گز آگے چلنے والے میرا خاندانی ملازم اور میرے شکار کا اتالیق و مزی..... دلاور..... ایک نہایت خطرناک کنگ کو برا کا شکار ہوا میں کچھ نہ کر سکا اس لیے کہ دلاور نے اس منحوس سانپ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا تھا اور چھری سے اس کو کاٹ دینا چاہتا تھا..... سانپ نے دل بھر کر اس کو کاٹا..... دلاور کے جسم میں اتنا جسم بھر گیا کہ وہ چند منٹ میں ہی دم توڑ گیا..... مگر سانپ کو اس نے زندہ نہیں چھوڑا..... اور اس جگہ..... گاؤں سے چھ میل دور..... شیر کا جنگل..... میں تنہا..... اور کمزور..... دلاور نہایت تومند..... لیکن میں اس کو مرتا دیکھتا رہا..... میرا دل خون ہوتا رہا اور میں کچھ نہ کر سکا.....

جنگل میں ایسا اتفاق پیش آنا ناممکن نہیں..... بچانے والا صرف اللہ تعالیٰ سبحانہ ہوتا ہے..... وہی محافظ حقیقی ہے.....!

میں اپنے پچاس سالہ شکاری دور میں کئی بار ایسی صورت حال سے دو چار ہوا ہوں جس کو حالت اضطراری کہا جا سکتا تھا ان صورت حالات میں کبھی درندوں کا حملہ..... کبھی عناصر قدرت سے مقابلہ..... کبھی کوئی حادثہ..... لیکن بحمد اللہ مجھے کبھی ایسا

میں جس ریچھ کے پیر کا نشان دیکھ رہا تھا وہ بہت بڑا ریچھ ہوگا.....! برصغیر ہند میں پائے جانے والے ریچھ جسامت میں اتنے بڑے نہیں الایہ کہ کوئی ریچھ غیر معمولی طور پر بڑا ہو جائے..... امریکہ میں ہر جانور..... بلکہ اکثر انسان بھی..... قد و قامت میں جسیم اور طویل ہوتے ہیں.....

امریکہ میں پایا جانے والا جانور الک..... (ELK) برصغیر کے سانہر کا ہم زاد ہوتا ہے..... لیکن دونوں کی جسامت میں بین فرق ہے..... الک بہت جسیم..... جبکہ اس کا چھوٹا بھائی جسامت میں کمتر.....

میں نے ایک مناسب جگہ بلندی پر سے دور بین لگا کر ایک بار پھر بغور قریب و دور کے علاقوں کا جائزہ لیا..... بظاہر ریچھ کا نشان نہیں تھا..... البتہ دو تین لومڑیاں..... سفید رنگ کی..... بے شک نظر آئیں..... غالباً..... دو عد والدین اور ایک بچہ جواب جوان ہو رہا تھا..... میں جانتا تھا کہ اس کا والدین سے جدا ہونے کا وقت آ گیا ہے..... یہ بھی انسان کی خصوصیات میں سے ایک ہے کہ وہ نہ صرف اپنے والدین بلکہ اپنے دادا دادی اور نانا نانی کے علاوہ اگر زندہ ہو تو ان کے باپ ماں سے بھی محبت رشتہ اور حسن سلوک روا رکھتا ہے..... جانوروں کے بچے تو بڑے ہو کر اپنی اپنی دنیا علیحدہ آباد کرتے ہیں پھر نہ ان کو ماں باپ کی خبر..... نہ ماں باپ کو اولاد کا پتہ.....!

میں بے خیالی میں ان ٹیلوں کے درمیان بڑھتا رہا..... اب جبکہ میں نے ریچھ کی طعام گاہ دیکھ لی..... اس کے غیر معمولی جسامت والے نقوش پا کا معائنہ کر لیا..... تو مجھے اسی علاقے میں کوشش جاری رکھنے کی ضرورت تھی..... میرا رخ اب کوہ انڈی کاٹ کے دامن کی طرف تھا جدھر ایک پایاب دریا بھی ہے.....

پہاڑی مقامات کے دریا گہرے کم ہوتے ہیں..... الایہ کہ برف نے پگھل کر کسی گہری وادی کو بھر دیا ہو..... ایسے مقام پر دریا واقعی بے حد گہرا ہو سکتا ہے..... میں جدھر بڑھ رہا تھا ادھر کچھ ایسا راستہ تھا کہ میں اپنے چاروں طرف کم از کم دس پندرہ گز بہ آسانی دیکھ سکوں..... میرے لیے سب سے زیادہ تشویش ناک صورت

میں ندی کے جنوب مشرقی دامن پر ایک چٹان پر بیٹھ کر..... دیر تک اس حسین ملائے کے مناظر سے لطف اندوز ہوتا رہا.....

قدرت نے اس ملک کے ساتھ جس قدر فیاضی کی ہے اس کا اندازہ صرف نثار اور بیانات سے بہت مشکل ہے..... سارے حسین الفاظ اس کی تصویر کشی تو کر لیتے ہیں..... لیکن تصویر کو حقیقت سے بہت کم نسبت ہوتی ہے..... اصل بہر حال اصل ہے..... لیکن تصویر اس کے حسن کی کسی قدر عکاسی تو کرتی ہی ہے..... اس ندی کا اِنی اس قدر سرد ہے کہ ذرا دیر ہاتھ اس میں ڈالا نہیں جاسکتا..... میرے خیال میں پانی کا درجہ حرارت..... تینتیس ڈگری فارن ہائیٹ سے زیادہ شاید ہی ہو..... برف میں اور پانی کی ٹھنڈک میں ممکن ہے یہ فرق ہو کہ برف جم جاتی ہے اور یہ سیال تھا..... میں سمجھتا ہوں اگر مجھے ندی پار کرنے کی ضرورت بھی ہوتی تب میں اس پانی میں قدم نہ رکھتا..... اگر چوڑائی دس فٹ بھی رہی ہو تب بھی اس برف زدہ پانی میں قدم لگنا خصوصاً روزے کی حالت میں بالکل ناقابل برداشت تھا.....!

میں وہیں سے واپس ہولیا..... اور شمال کی طرف..... ندی کے کنارے سے ہٹ کر ان ٹیلوں میں ہی اپنی لاش کی مہم جاری رکھی جہاں ریچھ دیکھا تھا..... اگرچہ میں خوب جانتا تھا جہاں تک مستقل سکونت کا تعلق ہے ریچھ ضرور انڈی کاٹ کے کسی درے یا وادی کے غار میں رہتا دگا..... اور دن کا وہ وقت جو اس کی خوراک کا زمانہ ہے اس ندی کے پار..... بیس ٹیس میل مربع کے علاقے میں گزرتا ہوگا.....

ریچھ اپنے ہم جنسوں سے محبت کرنے والا درندہ ہے..... اکثر خاندانوں کی موت میں رہتا ہے امریکہ کے ریچھ کی سرشت مختلف ہے..... مادائیں صرف اپنے بٹل کو گوارا کرتی ہیں..... زعلیجہ رہتے ہیں.....

لیکن ریچھ کی فطرت ہر ملک میں یکساں ہے..... طاقتور ریچھ اپنے سے کمزور ریچھ کو اپنے ماتحت رکھتا ہے..... اور اگر خاندان کی شکل میں رہتا ہو تو ایک ریچھ اس

گزند نہیں پہنچا جس سے جان پر بن جاتی..... اللہ تعالیٰ ہمیشہ مدد فرماتا اور مجھے بچاتا رہا.....

کیا وہ صورت حال نہایت خطرناک اور تشویش ناک نہیں تھی جب میں جھاڑی میں چھپا بیٹھا تھا..... شیر کا ہانکہ ہو رہا تھا..... اور میری شرٹ کی جیب جس میں میری پان کی ڈبی اور بٹا بھی تھا بار بار سرک رہی تھی..... اور جب جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ اس جیب میں ایک ناگن ہے..... سیاہ رنگ کی نہایت زہریلی ناگن..... کو برا.....!

اور..... کیا وہ صورت حال خطرناک نہیں تھی..... جب میں رات کو ایک بیضوی شکل کی کوہ پیکر چٹان پر بیٹھا..... باد و باراں اور برق و رعد کے نہایت خوفناک طوفان کا مقابلہ کر رہا تھا..... اور ساتھ کے درخت کی ایک شاخ پر آدم خور شیر بڑھ کر مجھ پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ تھا..... اور بارش ایسی ہو رہی تھی جیسے کسی نے ہاتھ روم کے شاور کو کھول کر چھوڑ دیا ہو.....!

کیا وہ معاملہ خطرناک نہیں تھا جب ایک زخمی شیر کی بیس گز پر موجودگی اور حملے کے وقت میری چار سو پچاس ایکسپریس کی دنوں نالیں بیک وقت فائر ہو گئی تھیں..... میں چاروں شانے چت زمین پر گرا پڑا تھا اور شیر صرف دس گز پر تھا..... میری رائفل خالی..... میری بندوق لاپتہ..... اور میں کلمہ بہ زبان دبوچے جانے کا منتظر.....! لیکن بحمد اللہ میں آج بھی بقید حیات اور شکار کو جاری کئے ہوں.....

کوہ انڈی کاٹ (ENDICOT MTS) کے اور میرے درمیان اس وقت ایک تیز رفتار ندی حائل تھی..... سامنے انڈی کاٹ کا دامن تھا جس پر پائن (PINE) کے سبز درختوں کا جنگل تھا..... ساتھ کی تصویر میں اس کا ایک مختصر منظر دیکھا جاسکتا ہے..... مجھے اس ندی کو پار کر کے پہاڑ کے دامن پر جانے کی نہ تو ضرورت تھی نہ خواہش..... جاشوا نے مجھے پہلے ہی نقشے کی مدد سے شکار کے علاقے بتا دیئے تھے ندی کے پار جو پہاڑی دامن تھا وہ گیم ریزرو کا علاقہ ہے جہاں شکار کی اجازت نہیں.....

ٹہار کی بنیاد پر قائم کئے جاتے ہیں جو سالہا سال کی تحقیق و تفتیش کے نتیجے میں ہاتھ آتے ہیں ان کے ذریعے جانوروں کی سالانہ افزائش کا ایک تخمینہ لگایا جاتا ہے جو واقعا حقیقت سے بہت قریب ہوتا ہے۔

اس طریقہ کار کی کامیابی کا یہی کیا کم ثبوت ہے کہ امریکہ میں قابل شکار جانوروں کے علاوہ دوسرے حیوانات کی تعداد بھی روبہ افزائش ہے۔ کبھی کی واقع نہیں ہوتی۔ حتیٰ کہ وہ جانور جو ان تمام منظم منصوبوں سے قبل انسان کی ہلاکت خیز



ماں اور اس کے دو عدد بچے الاسکا کا نہایت بد مزاج اور خونخوار سرخ رچھ جس کو گرزی (Grizzly) کے نام سے جانا جاتا ہے

خاندان کا سربراہ ضرور ہوا کرتا ہے رچھ۔۔۔۔۔ صرف ایک بیوی پر قناعت کرتا ہے۔۔۔۔۔ اور دونوں ایک دوسرے سے نہ صرف محبت ہی کرتے ہیں بلکہ ایک دوسرے کے دکھ درد کے بھی شریک ہوتے ہیں۔۔۔۔۔

رچھوں کے بارے میں ہندوستان میں مختلف قصبے مشہور ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے زخمی ساتھیوں کا علاج جنگل کی جڑی بوٹی سے کرتا ہے۔۔۔۔۔ اس میں کسی قدر حقیقت ضرور ہے اس لیے کہ ایک بار میں نے ایک رچھ کو اپنے زخمی ساتھی کے زخم پر چبائی پتیوں کا لعاب اگلنے دیکھا۔۔۔۔۔

برما۔۔۔۔۔ نیپال۔۔۔۔۔ ہندوستان۔۔۔۔۔ کشمیر۔۔۔۔۔ اور پاکستان کے وہ شمالی علاقے جو انسان کی دخل اندازی اور ریشہ دوانی سے محفوظ ہیں ان میں رچھ پایا جاتا ہے۔۔۔۔۔ مشرق وسطیٰ بیشتر ریگستانی ہے۔۔۔۔۔ وہاں رچھ قدرتنا نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔ اور ہوتا بھی تو کون سا رہ جاتا۔۔۔۔۔ وہاں کے لوگ تو چوہے اور سانپ بھی مار کر کھا گئے۔۔۔۔۔ بھوک بری چاہے۔۔۔۔۔!

کینیڈا اور امریکہ میں رچھ بکثرت پایا جاتا ہے۔۔۔۔۔ صرف الاسکا پر ہی منحصر نہیں۔۔۔۔۔ کولوریڈو۔۔۔۔۔ مانیٹا۔۔۔۔۔ وائیومنگ، نارٹھ اور ساؤتھ ڈکونا، واشنگٹن اور مینے سوٹا۔۔۔۔۔ گویا ساری شمالی ریاستوں میں رچھ ہے۔۔۔۔۔ البتہ مختلف ریاستوں کے رچھ جسامت کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں سب سے بڑا رچھ الاسکا میں ہی ہوتا ہے۔۔۔۔۔ کینیڈا کے شمالی علاقے ”شمال مغربی سرحد“ لمبی ( NORTH WEST TERRITORY ) کے رچھ بڑے ہوتے ہیں۔۔۔۔۔

ہر سال دوسرے جانوروں کی طرح رچھ کے شکار کی بھی اجازت ہوتی۔۔۔۔۔ اور محکمہ حیوانات ایک مقررہ تعداد کے رچھ کے شکار کے لیے لائسنس جاری کرتا ہے۔۔۔۔۔ یہ تو ظاہر بات ہے کہ امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملک میں ہر کام کا ایک طریقہ کار مقرر ہے۔۔۔۔۔ جو بعض اصولوں، تحقیقات کے نتائج اور ان نتائج کی بنیاد پر قائم کر مقرر وضات پر مبنی ہوتا ہے۔۔۔۔۔ لیکن یہ مفروضات محض خیالی نہیں ہوتے بلکہ ان اعداد

بہر حال.....

کوہ انڈی کاٹ سے دور ہوتے ہوئے میں پھر ان ٹیلوں..... یا انڈرا کے گھاس کے اونچے نیچے..... ناہوار میدانوں میں ریچھ کی فکر میں تھا..... حدنگاہ تک اسی طرح نشیب و فراز کا سلسلہ..... گھاس کے میدان، کوتاہ قد درخت..... میں ایک جگہ پھر ٹھہر گیا..... اب میں کوہ انڈی کاٹ کے دامن پر بہتی ندی سے تقریباً میل ڈیڑھ میل دور آ گیا تھا..... میں نے دور بین سنبھالی..... دور دور تک میدان صاف تھا.....

اور..... جب میں ان ٹیلوں کے درمیان سے گزر کر ایک کشادہ میدان کے کنارے وارد ہوا تو اچانک سامنے..... کوئی ڈیڑھ دو سو گز پر..... ایک سرخ ریچھنی..... اور اس کے دو چھوٹے چھوٹے بچے نظر آئے..... ان کا رخ میری طرف نہیں تھا..... بلکہ مخالف سمت حرکت کر رہے تھے..... میں نے یہ ضرور اندازہ کر لیا کہ ان سے قربت کی صورت نہیں تھی..... بچوں والی ریچھنی اپنے بچوں کی حفاظت کا بہت خیال رکھتی ہے اور اگر کوئی اجنبی نزدیک آنے کی کوشش کرے تو ریچھنی محض بچوں کے تحفظ کی خاطر اس کو نیست و نابود کرنے کی پوری کوشش کرتی ہے..... یہ صوف ریچھنی تک ہی محدود نہیں..... ہر جانور..... اپنی اولاد کی حفاظت کرتا ہے..... ریچھ، شیر اور چیتے چونکہ خطرناک درندے ہیں اس لیے ان سے زیادہ محتاط رہنا ہوتا ہے.....

میں دیر تک ان کی حرکات کا معائنہ کرتا رہا..... بچوں کو دوڑنا، کھیلنا اور ایک دوسرے کے پیچھے بھاگنا..... بہت دلچسپ ہوتا ہے.....

ریچھ کے بچے بھی دوسرے بچوں کی طرح کھلندے اور دلچسپ ہوتے ہیں..... کبھی ایک دوسرے سے کشی لڑتے..... کبھی بھاگتے..... اور اس کھیل کے دوران کبھی کبھی آ کر ماں کا منہ چوم لیتے..... اور ماں گاہ بہ گاہ ان کو محبت سے چانتی..... کبھی خود بھی ان کے کھیل میں شریک ہو جاتی.....!

گرزلی..... خاندان کی صورت میں شاز و نادر ہی رہتے ہیں..... بالعموم نر

ی کا شکار ہو کر تقریباً مفقود ہونے کو تھے اب وہ بھی بکثرت ہیں..... مثلاً جنگلی بھینسا..... (BUFFALO) یا بائسن..... الاسکا کا ڈال شیپ (DALL SHEEP) جس کی تصویر ان ہی صفحات میں دیکھی جاسکتی ہے.....

ایک زمانے میں جب پاکستان کے حالات کسی قدر بہتر..... کشت و خون کا عالم نہیں تھا میں نے منصوبہ بنایا تھا کہ پاکستان واپس آ کر جہلم اور اطراف کے کوہستان نمک میں بیس بیس ہزار ایکڑ زمین حکومت سے حاصل کر کے اس پر حیات حیوانی کی پناہ گاہ بناؤں.....

(WILDLIFE REFUGE) اور اس پناہ گاہ میں ہر قسم کے چرندے اور درندے مہیا کروں جو بالکل آزاد اپنے قدرتی حال میں زندگی گزاریں..... میں نے اس علاقے کی شناخت بھی کر لی تھی جو اس منصوبے کے لیے موزوں تھا..... اگر پیرایہ منصوبہ تکمیل کو پہنچتا تو غالباً اس ملک میں ایک بہت بڑا اور قیمتی سرمایہ جمع ہو جاتا میں ان دونوں تہران میں حکومت ایران کا ایڈوائزر ہوتا تھا..... جنرل ضیاء الحق ایک بار آئے تو ان سے میں نے نہایت اختصار کے ساتھ اس منصوبے کا تذکرہ کیا اور انھوں نے بہت دلچسپی ظاہر کرتے ہوئے مجھ سے کہا تھا کہ میں پاکستان آؤں تو ان سے ملوں اور اس منصوبے کی ایک تحریری تجویز ان کو پیش کروں..... لیکن..... اے بسا آرزو کہ خاک شدہ نہ جنرل ضیاء رہ گئے نہ پھر میری ہی توجہ رہی..... اس کے بعد تو میں نے پاکستان ہی ترک کیا اور امریکہ میں مقیم ہو گیا..... اب نہ میرا پاکستان واپسی کا ارادہ ہے نہ وہاں حالات ہی ایسے رہ گئے جو میں کسی تعمیری منصوبے کا خیال کر سکوں مجھے تو اب امریکہ میں ہی رہنا ہے..... انشاء اللہ تعالیٰ.....!

میں اب امریکہ میں ہی اس قسم کے ایک منصوبے کی تیاری میں مشغول ہوں..... گو اس کے لیے ابھی تک میرے پاس ایسے وسائل نہیں ہیں..... اللہ جانے ایسا کوئی منصوبہ تکمیل کو پہنچ سکے گا یا نہیں..... اس لیے کہ میں اب چونسٹھ سال کا ہو چکا..... زندگی کب تک وفا کرے گی.....!

(SNAKE) یا ریل کے شکار پر گیا..... جو لوگ میرے ساتھ تھے انھوں نے چار پانچ خوب موٹے موٹے سانپ پکڑے..... شام کے وقت ایک سانپ کو مار کر اس کی کھال اتار دی گئی، پیٹ صاف کیا گیا..... سر کاٹ دیا گیا..... پھر اس کے تکیے بنائے گئے..... سانپ کوئی پانچ فٹ کا تھا..... اور خوب موٹا..... اس کے تکیے بھی بہت بنے..... مجھے ایک پلیٹ بھر کر تکیے دیئے گئے..... میں نے ایک ٹکڑا منہ میں رکھ کر دانتوں تلے دبایا..... مچھلی کی سی سخت بساند..... اور بلا فاصلہ مجھے الٹی ہو گئی.....

مجھے تو مرغابی کے گوشت کی بساند بھی ناپسند ہے..... مچھلی اگر گھر میں پکتی ہے تو کھا لیتا ہوں اس لیے میرے گھر کی خواتین کے پاس اس کی بساند مار دینے کا نسخہ ہے..... اور کہیں مچھلی بھی میں نہیں کھاتا.....

ریچھنی اور اس کے بچے مجھے دور تک نظر آتے رہے..... پھر میں آڑ میں بھی ہو گیا اور ریچھنی بھی غالباً کسی اور طرف چل نکلی ہو گی.....

مجھے اس وقت سبزے پر چلنے میں بڑا لطف آ رہا تھا..... نرم نرم زمین..... جیسے شبنم نے بھگور کھی ہو اور ایسی نکھری ہوئی سبزی کہ آنکھوں کو فرحت پہنچائے..... یہ واقعہ ہے کہ سبز رنگ آنکھوں کو بہت فرحت بخشتا ہے..... پھر اس میں جا بجا کھلتے ہوئے رنگین پھول بیشتر سرخ اور کتھی رنگ..... اور قدرت نے ان کو جس فیاضی کے ساتھ اس ٹنڈرا میں پھیلا یا تھا اس کا منظر ایسا دلنشین ہوتا ہے جیسے کسی نے مسحور کر لیا ہو..... مجھے شکار نہ بھی ملے تو صرف ان علاقوں میں وقتاً فوقتاً تفریح کرتے رہنے سے بہت خوشی ہوتی ہے.....

وہ چھوٹے بڑے ٹیلے جن سے میں بچ کر گزر رہا تھا سارے سبز پوش تھے..... میں ہر ٹیلے پر چڑھنے اور دوسری طرف اترنے کی زحمت سے بچنے کی کوشش میں فاصلہ تو زیادہ بے شک طے کرتا تھا لیکن حساسی کم ہوتی تھی میں نے یہ بھی دیکھا کہ اکثر جھاڑیاں کانٹے دار نہیں تھیں.....

سفید اور بھورے خرگوش جا بجا ملتے رہے تھے..... غالباً ہمارے ملکوں میں جو

علیحدہ تنہا زندگی بسر کرتا ہے..... صرف ایک خاص موسم میں اس کی جنسی ضروریات جاگ جاتی ہیں..... اور دونوں کو رفاقت کی خواہش ہوتی ہے..... یہ رفاقت بہت قلیل مدت کے لیے ہوتی ہے..... اور جب وہ جوش و خروش سرد ہوتا ہے تو زرا اپنی راہ لگتا ہے..... اور مادہ..... کسی کھوہ..... غار یا محفوظ مقام کی تلاش میں نکل جاتی ہے جہاں وہ بچے دے سکے اور ان کے ابتدائی ایام میں انھیں بحفاظت رکھ سکے.....

الاسکا میں..... ریچھ سے مزاحمت کرنے کی ہمت رکھنے والا کوئی جانور نہیں..... الا یہ کہ کبھی کوئی بھیڑ یا اپنی حد سے تجاوز کرتے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہو کر نقصان اٹھائے..... ویسے بالعموم بھیڑیے کھلے میدانوں میں سرگرم عمل رہتے ہیں جبکہ ریچھ کو میدان میں آنے کی ضرورت نہیں ہوتی..... اس لیے دونوں کا تصادم عام طور سے نہیں ہوتا..... ویسے بھی ریچھ کا گوشت اس قدر بدمزہ..... اتنا گہرا سرخ کہ سیاہی کے قریب..... نہایت بڑے ریشے دار..... جیسے کسی نے رسیوں کو بل دے کر رکھ دیا ہو..... اور سخت جو گھٹنوں پکانے کے بعد بھی بمشکل ہی لگتا ہے..... ایسا گوشت کون کھائے..... ایک بار میں نے ریچھ کے گوشت کی ایک بوٹی کھائی..... جو بڑی مشکل سے چبائی جاسکی..... میں نے نلگے بغیر ہی تھوک دی..... لیکن نہایت بد ذائقہ گوشت تھا.....!

کچھ ایسا بھی ہے کہ ہم لوگ جو گوشت یا چیز بالعموم نہیں کھاتے یا جو چیز کھانا اصولاً منع ہے..... وہ ہم اگر کھائیں بھی تو طبیعت پر گراں گزرتی ہے..... ناگوار معلوم ہوتی ہے..... مثلاً سانپ ہم لوگوں کے لیے ممنوع ہے دنیا کے اور ایسے ممالک ہیں جہاں سانپ کھایا جاتا ہے..... اور وہ لوگ بڑے شوق سے کھاتے ہیں..... میں نے ہانگ کانگ میں جس ذوق و شوق کے ساتھ لوگوں کو سانپ کے گوشت کے تکیے کھاتے دیکھا ہے وہ حیرت انگیز ہے امریکہ میں بھی لوگ سانپ کا گوشت بھون کر کھاتے ہیں..... اور خوشی سے کھا لیتے ہیں.....

دو سال ہوئے میں امریکیوں کی اتباع میں ریٹل اسٹیک (RATTLE)



سفید خرگوش ہوتا ہے وہ ان ہی کی نسل کا ہوگا..... اس لیے کہ برصغیر کے کسی ملک میں سفید خرگوش جنگل میں نہیں ہوتا..... ہمارے ملک میں تو دورنگ کا خرگوش..... یعنی سفید اور کالے رنگ کا بھی بازار میں فروخت ہوتا نظر آ جاتا ہے وہ بھی میں نے کسی دوسرے ملک کے جنگلوں میں نہیں دیکھا.....

سوات کے بعید برفانی علاقوں میں K-2 کے دامنوں پر البتہ سفید خرگوش اور ایک سفید چیتا میں نے ۱۹۶۸ء میں دیکھا ہے..... لیکن اس کے بعد میرا ادھر جانا نہیں ہوا..... میرے ایک رشتے دار کرنل انور وجیہہ بھی K-2 کے علاقے میں کسی سرکاری کام کے لیے دو ایک بار گئے لیکن انھوں نے نہ چیتا دیکھا نہ اور کوئی قابل ذکر جانور..... البتہ میرے بچپن کے دوست اور ساتھی..... سید جعفر علی..... جو روزنامہ مشرق میں ایڈیٹر رہ کر اب ریٹائر ہو چکے..... ان کے بیٹے نے سیاجن کے علاقے میں سفید چیتا بہت فاصلے سے دیکھا..... اور اگر مجھے غلط یاد نہیں ہے تو بہت بلندی پر ایک آئی بکس بھی مارا..... جس کے سینک جعفر میاں صاحب کے ڈرائنگ روم کی زینت ہیں.....

کئی بار ایسا ہوا کہ میں کسی جھاڑی کے قریب پہنچا اور خرگوش نکل کر بھاگا اور میں اس کو تھوڑی ہی دور تک بھاگتا دکھ سکا.....

ایک بار ٹی وی پر ایک خرگوش اور ایک بھیڑیے کی زبردست بھاگ دوڑ دکھائی گئی..... دوڑ ایک میدان سے شروع ہوئی جہاں بھیڑیے نے خرگوش کو دیکھا اور تعاقب شروع کیا..... جہاں تک یہ میدان میں دوڑنے کا تعلق تھا خرگوش نے فاصلہ برقرار رکھا..... لیکن جب اونچی نیچی زمین اور پتھر بھری کا علاقہ آ گیا تو خرگوش کی رفتار کم ہو گئی..... بھیڑیا ایک نہایت طویل دوڑ کا عادی جانور ہے..... ایک بار کسی کے پیچھے بھاگ پڑے تو پھر میلوں تعاقب جاری رکھتا ہے اور بالآخر اپنے شکار کو مار کر ہی رکتا ہے..... اس کے میلوں بہت طویل فاصلے اور بہت دیر تک مسلسل بھاگنے کی طاقت خیرت انگیز ہوتی ہے..... خرگوش بالآخر تھک کر ایک گڑھے میں چھپنے کی کوشش کرنے پر مجبور ہوا اور بھیڑیے نے اس کو پکڑ لیا.....

بیگم پاس بیٹھی یہ فلم دیکھ رہی تھیں..... جب بھیڑیے نے بالآخر خرگوش کو پکڑ لیا تو ان کو بہت افسوس ہوا..... عورتوں کا نرم دل ہونا مشہور ہی ہے..... لیکن مجھے بھی رنج ضرور ہوا..... لیکن کوئی کیا کر سکتا ہے یہ تو جنگل میں قدرت کا نظام ہے..... طاقتور اپنے سے کمزور کو مارتا اور کھاتا ہے..... جانوروں پر ہی موقوف نہیں..... یہ دنیا اسی طرح SURVIVAL OF THE FITTEST کا میدان ہے جس میں طاقت اور ہمت ہے وہ ترقی کرتا اور کمزوروں اور کم ہمتوں کو پیچھے چھوڑ جاتا ہے.....

الاسکا..... مظاہر قدرت کی حسین تصویر ہے.....!

الاسکا..... حیات حیوانی کا مرکز ہے.....!

الاسکا..... دنیا کی عظیم شکار گاہوں میں سے ایک ہے.....!

الاسکا..... قدرت کا ایک عجوبہ ہے.....!

میں اس وقت الاسکا میں..... دائرہ قطب شمالی کے تیس میل اندر..... گویا آرکٹک سرکل کے تیس میل شمال میں..... پاکستان کا واحد اولیں شکاری..... سرگرم عمل تھا اور..... تنہا..... اس وقت چاروں طرف میلوں تک کوئی انسان نہیں تھا..... میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص میری طرح اس معاملے میں جری ہو سکتا ہے.....

تنہا..... بے یار و مددگار..... اور..... ریچھ کا شکار.....!

ریچھ بھی الاسکا کا..... جس کی بدمزاجی اور خونخواری کا عام شہرہ ہے..... ہر سال کئی انسانی جانیں ریچھ کی نذر ہوتی ہیں..... کتنے ہی لوگ زخمی ہوتے ہیں.....

ایک عظیم الجثہ چیل..... ہوا میں اپنے طویل پر پھیلائے..... محو پرواز تھی..... امریکہ کی مشہور سفید والی چیل..... جس کے بازوؤں کا پھیلا چھ سات فٹ تک پہنچ جاتا ہے..... میں نے ایک بار ٹی وی پر ایک بہت بڑی چیل کو زندہ ہرن اٹھا کر لے جاتا دیکھا ہے..... اور اس پرندے کی طاقت اور قوت پرواز پر حیران رہ گیا ہوں..... ہے نا ناقابل یقین.....؟!

لیکن یہ بات بالکل سچی ہے.....

قرینے سے رکھا..... پانی گرم ہو گیا تو نہایت اطمینان سے غسل کیا..... لیکن میں دیکھ رہا تھا کہ اب پانی کے ٹینک میں پانی کی سطح کم تھی غالباً میں مزید غسل نہ کر سکوں گا..... ٹینک میں پانی چشمے سے لا کر بھرا جاتا تھا..... میں نے سوچا ایک آدھ دن بعد میں دو چار بالٹیاں چشمے سے بھر کر ٹینک میں ڈال دوں گا..... تاکہ پانی موجود رہے..... صاف لباس پہن کر میں نے کپڑوں میں ہلکا سا پرفیوم لگایا..... اور میز پر آ گیا..... اب افطار میں چند ہی لمحے تھے.....

عشاء کی نماز سے پہلے میں نے جاشوا کو فون کیا  
”ہلو جاش.....“

”ہائی قمر..... ہاؤ آر یو ڈونگ.....“

”آئی ایم ڈونگ گڈ.....“

”کوئی ریچھ نظر آیا.....؟“

”ہاں..... ریچھ تو کئی نظر آئے مگر ز نہیں نظر آیا.....“

”اچھا..... کہاں تک گئے.....؟“

”میں انڈی کاٹ تک چکر لگا آیا.....“

”بہت اچھے..... تم واقعی عجیب آدمی ہو.....“

”کیوں.....؟“

”پہلے جو شکاری آئے ہیں وہ اکیلے تو کبھی جاتے ہی نہیں..... اور زیادہ دور جانے کی ہمت بھی نہیں کرتے.....“

”احتیاط کرتے ہوں گے.....“

”وہ ہنسا.....“

”کیا اپنی گرل فرینڈ سے بات کرو گے.....؟“

اس کی مراد بیگم سے تھی.....

”ضرور.....“

الاسکا کے پایاب چشموں اور ندیوں میں سائنس مچھلی بکثرت ہے..... نہ صرف ریچھ پانی میں کھڑے رہ کر ان مچھلیوں کو پکڑنے اور مزے سے کھاتے ہیں بلکہ چیلیں بھی ان کو چھپٹ لے جاتی ہیں بعض سائنس مچھلیاں دو تین پونڈ تک وزن کی ہوتی ہیں..... لیکن چیل کے لیے اتنا وزن لے اڑنا بالکل آسان ہوتا ہے.....

میں رک کر اس چیل کو دیکھنے لگا..... وہ بتدریج نیچی ہو رہی تھی..... جیسے کسی شکار پر تاک لگائے ہو..... مجھ سے اس کا فاصلہ کوئی دو سو یا تین سو گزر رہا ہوگا..... ایک بار چیل نے غوطہ لگایا..... میں نے فوراً دور بین سنبھالی..... چیل زمین تک آ کر فوراً ہی بلند ہوئی..... اس کے نہایت تیز اور جاں لیوا پنجوں میں ایک خرگوش لٹک رہا تھا..... چیل کے ناخن یقیناً اس کے گوشت میں گھس گئے ہوں گے..... اب میری سمجھ میں آیا چیل کیوں اس جگہ چکر لگا رہی تھی..... حیرت کی بات..... میرے ساتھ ویڈیو کیمرہ تھا..... لیکن میں چیل کے حملے اور اس کے خرگوش اٹھا کر لے جانے کے منظر میں ایسا محو ہوا کہ کیمرہ بھول ہی گیا ورنہ ایک نہایت نادر قسم کی فلم تیار ہوتی..... بلکہ یوں کہنا چاہیے ایک نہایت عجیب اور نادر منظر فلم بند ہو جاتا.....

چیل اپنے آشیانے..... یا جائے طعام کی طرف گئی اور میں نے گھوم کر دیکھا تو شاید پانچ سو گز دور..... ایک پہاڑی کی بلند سطح پر چار ریچھ..... سب سیاہ..... کچھ بڑے کچھ چھوٹے..... ایک بہت قوی الجھ..... میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ ریچھنی تھی..... تین بچے تھے جو بڑے ہو گئے تھے لیکن ابھی تک اماں جان نے اپنے دلاروں کو عاق نہیں کیا تھا..... سب ساتھ تھے اور ان کا یکجا ہونا میرے لیے تشویش کا باعث تھا..... میں ان سے دو چار ہونا نہیں چاہتا تھا..... اسی وجہ سے ان پر میں نے دیر تک نظر رکھی اور ایسے زاویے سے چلتا رہا کہ ان سے فاصلہ زیادہ ہوتا جائے..... وہ خود بھی مجھ سے مخالف سمت کی طرف گامزن تھے.....

اس روز میں افطار کے وقت سے کسی قدر پہلے ہی واپس آ گیا..... آتشدان روشن کر کے میں نے کمرے کی واحد چوبی کھر در میز پر اپنے کھانے کا ضروری سامان

”عرشی کو امریکن ایر لائن میں جاب مل گئی ہے..... اور فوراً ہی جوائن کرنا ہے..... آپ واپس آئیں تو پھر ہم لوگوں کو کیلیفورنیا ترک کر کے ٹلسا چلنا ہے.....“

”اچھی بات ہے.....“

”اب پھر..... لیورمور سے ٹلسا تک دو ہزار میل وہی برانکو (BRONCO) ڈرائیو کرنا ہوگئی.....“

”کیا فرق پڑتا ہے..... اچھا ہے اس بار نوادا اور وائیومنگ سے ہو کر چلیں گے انشاء اللہ.....“

”راستہ اور لمبا ہو جائے گا.....“

”اچھی تفریح رہے گی.....“

دل تو چاہتا تھا کہ دیر تک بات کرتا رہوں..... اس لیے کہ سارا وقت زبان چلنے سے رکی رہتی ہے..... انسان تو بولنے والا جاندار ہے کسی انسان سے بات کر کے ہی تسکین ہوتی ہے اور اگر مخاطب بیوی کی حیثیت کا ہو تو گفتگو خود ہی طول پکڑتی ہے.....

فنون بند ہو گیا تو میں قرآن کریم لے کر بیٹھا اور نیند آنے تک تلاوت کرتا رہا..... کم از کم..... اور کچھ نہیں کیا میں نے تو اللہ تعالیٰ سبحانہ کے کلام پاک کی آواز الاسکا اور آرکنساکر میں پہنچا دی..... اللہ اکبر کی آواز ان فضاؤں میں شامل کر دی..... میں نے دو سپارے تلاوت کیے..... اس کے بعد سورہ یسین، سورہ فتح، سورہ رحمان، سورہ واقعہ سورہ تبارک الذی اور سورہ مزمل پڑھیں جو سب کی سب مجھے زبانی یاد ہیں اور آخر درود و تاج پڑھ کر اللہ تعالیٰ سبحانہ کے حضور میں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے..... اس وقت مجھے نیند آرہی تھی..... تھکاوٹ بھی تھی..... سکون بھی..... دعا بہت حضوری قلب کے ساتھ مانگی..... اور اللہ تعالیٰ سبحانہ سے التجا کی کہ اگلے روز ریکھ شکار ہو جائے..... اور اس حضوری قلب کے عالم میں کی ہوئی دعا کے بعد ایسا قدرتا محسوس ہوا جیسے دعا قبول ہوگئی ہو..... میں بستر پر آ گیا..... اور نیند آنے سے پہلے تک مجھے بار بار خیال آتا رہا کہ انشاء اللہ اگلے روز شکار ہو جائے گا.....

”ہولڈ کرو..... میں ڈائل کرتا ہوں.....“

فوراً ہی نمبر مل گیا.....

”ہلو.....“

”یکم کی آواز آئی

”کہئے صاحب..... خیریت ہے نا.....“

”الحمد للہ..... آپ سنائیے.....“

”سب ٹھیک ہے..... خوش قسمتی ہے کہ موسم خراب نہیں ہوا.....“

”ابھی ٹی وی پر بتایا ہے کہ بادل بارش کا کل امکان ہے.....“

”اللہ مالک ہے..... آج ریکھیاں نظر آئیں..... ریکھ نظر نہیں آیا.....“

”پھر کیا ارادہ ہے.....؟“

”دو روز اور کوشش کروں گا.....“

”دو روز..... میں تو یہاں بیٹھے بیٹھے تنگ آ گئی تو آج ہوٹل کی ایک عورت

سے دوستی کر لی..... اس کے ساتھ بازار کا چکر بھی لگایا..... خوب تفریح رہی.....“

”اچھا کیا.....“

”جاشوا بھی روز فون کر کے حال احوال پوچھتا رہتا ہے.....“

”کبھی آیا نہیں.....؟“

”نہیں..... کہا تھا اگر کہیں جانا چاہو تو میں آ کر پہنچا دوں..... لیکن میں نے

کہا مجھے کہیں نہیں جانا..... پھر نہیں پوچھا.....“

”کھانے پینے کی تو دشواری نہیں ہے.....؟“

”کوئی نہیں..... لیکن اب آپ واپسی کی سوچئے.....“

”انشاء اللہ جلدی ہی سوچوں گا.....“

”عرشی نے کال کیا تھا..... وہ بھی کہتا تھا اب واپس ہونا چاہیے.....“

”اچھا.....“

جوتوں میں ٹھنڈا پانی چلا جانا..... خواہ چند قطرے ہی ہو..... کس قدر تکلیف دہ اور پریشان کن ہے..... اگر زیادہ عرصہ یہ صورت قائم رہے تو فراسٹ بائٹ کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے جو نہایت خطرناک صورت حال ہوتی ہے اس سے اخباروں میں پڑھا ہے کہ فراسٹ بائٹ کی صورت میں اس عضو یا انگلیوں کو کاٹ دینا ہی واحد علاج ہے اللہ محفوظ رکھے.....

غرضیکہ جوتوں کی تلاش رہی..... وال مارٹ کے مارٹ سے گزر کر اسپورٹنگ گڈز کے بڑے اسٹورز سے جوتے خریدے..... او ہر بار بارش برف اور پانی میں جوتے بیکار نکلے لیکن امریکہ میں طریقہ یہ ہے کہ اگر کسی شے کے بارے میں ایک خوبی کا تذکرہ کیا گیا اور وہ غلط ثابت ہوئی تو خریدار کسی وقت بھی اس خریدی ہوئی شے کو واپس کر کے اپنی رقم لے لیتا ہے..... کوئی اسٹور یا دکاندار اس کام میں قطعاً تکلف یا تساہل یا سوال و جواب نہیں کرتا..... گویا یہ ایک نہ گفتہ قانون بن گیا ہے..... انتہا یہ ہے کہ دکاندار یا اسٹور میں یہ بھی نہیں پوچھا جاتا کہ تم اس شے کو کسی لیے واپس کر رہے ہو..... حتیٰ کہ چیز استعمال کرنے کے بعد بھی بہ آسانی واپس کر دی جاتی ہے..... کوئی پوچھ گچھ ضروری نہیں ہے.....

جوتے جب خریدے تو میں نے سلیز مین سے کہا

”یہ واٹر پروف ہیں.....؟“

”بالکل.....“

”مجھے ان جوتوں کو شکار کے دوران پہننا ہے..... میرا شکار زیادہ تر سرد

علاقوں کے برف اور بارش کی حالت میں ہوتا ہے.....“

”یہ جوتا پیر گرم اور خشک رکھے گا.....“

”ٹھیک ہے.....“

لیکن چار ماہ بعد میں نے وہ جوتا نارتھ ڈکوٹا میں شکار کے دوران پہنا..... اور وہی پریشانی اور اذیت پانی جوتے میں گیا..... اونچی موزے بھیگ گئے اور میں کئی گھنٹے

میں یہ سوچتے سوچتے ہی سو گیا.....  
خواب میں رات بھر میں کئی بار مجھے ریچھ نظر آتے رہے..... لیکن نیند خوب گہری آئی اور حسب معمول سحر کے وقت میں تازہ دم اٹھا..... سحر کھا کر میں پھر لیٹ گیا..... ایک گھنٹہ دوبارہ خوب نیند آئی پھر میں نے اٹھ کر وضو کیا..... فجر کی نماز پڑھی و ظائف سے فارغ ہو کر لباس زیب تن کیا..... رائفل لوڈ ہی تھی..... کیمرے لیے دور مین گلے میں لٹکائی اور اللہ تعالیٰ سبحانہ کا نام ورد کرتا باہر نکلا.....

اللہ اکبر..... بادل اتنے گہرے تھے کہ اندھیرا ہو رہا تھا..... بارش بھی ہو چکی تھی..... ہر طرف جل تھل ہو رہا تھا..... لیکن اس وقت تک بارش رک چکی تھی..... میری جب میں پلاسٹک کا پرکا تھا..... جو میں بارش کی صورت میں بہ آسانی پہن سکتا ہوں.....

ان علاقوں میں اکثر جگہیں تو پتھریلی ہیں..... پانی رکتا نہیں..... بارش ہو کر بہہ جاتا ہے کچھ زمین میں جذب ہو جاتا ہے..... کیچڑ کی صورت پیدا نہیں ہونے پاتی..... اس کے برعکس امریکہ کے دوسرے علاقوں میں زمین میٹیلی ہے..... خصوصاً اوکلاہوما میں پہاڑیاں بھی مٹی اور بجری کی ملی جلی ہیں..... نتیجتاً بارش کے بعد کیچڑ ہو جاتی ہے..... اوکلاہوما میں شکار کا موسم نومبر کے تیسرے ہفتے سے شروع ہوتا ہے..... اور وہی زمانہ ہے جب سردیوں کی بارش شروع ہوتی ہے..... میں ہرن کے شکار کے لیے نکلتا ہوں لیکن بارش تنگ کئے رہتی ہے.....

جوتوں کا مسئلہ بہت دن پریشان کن بنا رہا..... شکار کے لیے طرح طرح کے جوتے خریدے لیکن سب کے سب بارش کے پانی میں بے کار..... جوتوں میں پانی چلا جاتا..... اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ سردی، بارش اور برف سردی کا یہ عالم کہ اکثر چونتیس پینتیس درجہ فارن ہائیٹ..... جو بہت سردی ہے..... اگر اس سے اور کم ہو تو برف جننے لگتی ہے یا بارش کے بجائے پھر برف ہی گرنے لگتی ہے..... شکار کے دنوں میں بہت نمپرینچ گر کر میس ڈگری فارن ہائیٹ آ جاتا ہے..... ایسی سخت سردی میں شکار کے دوران

واپس آ کر میں نے گینڈا ماؤنٹین فون کیا..... اور انھوں نے مجھے ہدایت کی کہ جوتا واپس کر دوں میں نے وہ جوتا واپس کر دیا..... اور انھوں نے مجھے میری رقم واپس کر دی.....

چند روز بعد انھوں نے مجھے فون کیا

ابھی تک جو جوتے خریدے گئے تھے ان کی قیمت تیس سے چالیس ڈالر تک رہی تھی..... اب جو انھوں نے فون کیا تو ایک ایسے جوتے کا تذکرہ کیا جو گارنٹی کے ساتھ وائر پروف جوتا تھا..... اور اس کی قیمت ایک سو ساٹھ ڈالر تھی..... یہ پنڈلیوں تک جاتا تھا..... یعنی دس انچ بلندی تھی..... میں نے اس جوتے کا آرڈر دے دیا.....

یہ جوتا واقعتاً نہایت موثر وائر پروف ہی نہیں بلکہ نہایت گرم ثابت ہوا..... گرم موسم میں تو میں اس کو پہن ہی نہیں سکتا..... پیر ضرورت سے زیادہ گرم ہو کر تکلیف کا باعث بن جاتا ہے.....

میں شیک سے نکل کر سیدھا اسی علاقے کی طرف چلا جدھر ریچھ کے ہونے کا گمان تھا..... مطلع اب آلود تو تھا ہی..... گمان غالب یہ تھا کہ بارش ہوگی لیکن حیرت اس وقت ہوئی جب کوئی ڈیڑھ گھنٹے بعد بادل چھٹنے لگے اور جا بجا سے سورج جھانکنے لگا.....

سورج کا بھی عجیب حال ہوتا ہے..... الاسکا کے جنوب میں رہنے والا سورج اس فلک پر اپنی کرنیں برساتا ہے تو ان کی تمازت کہیں اور رہ جاتی ہے..... میں نے تو جب اس سورج کو دیکھا یہ جنوب میں لٹکا ہی نظر آیا..... نہ مغرب کی طرف گیا..... نہ مشرق سے نکلا..... بس سارا وقت جنوب میں.....!

بادلوں کا چھٹنا میرے لیے بہت حوصلہ افزا تھا..... زمین نم ضرور تھی..... لیکن کچھ نہیں تھا..... کہیں کہیں برف گری نظر آئی..... مجھے گمان تھا کہ صرف بارش ہوئی ہے..... لیکن اب اندازہ ہوا کہ شمال مشرق میں برف بھی گری تھی..... گو زیادہ تر پگھل گئی تھی..... لیکن ٹیلوں کے شمالی جانب..... جدھر سورج کی گرمی نہیں پہنچتی برف کی دبیز تہہ موجود تھی.....

اذیت اٹھانے کے بعد شکار چھوڑ کر کمپ واپس آیا..... کینوس کے معمولی جوتے یعنی (SNEEKERS) پہنے جس میں پیر خشک تو ضرور رہتا ہے لیکن ٹھنڈا ہو جاتا ہے..... اور پھر..... اسکرز شکار کے جوتے نہیں ہیں.....

شکار سے واپس آ کر میں جوتے کی رسید اور جوتا اس اسٹور میں لے گیا جہاں سے خریدا تھا.....

”یہ جوتا میں واپس کرنا چاہتا ہوں.....“  
”اوکے.....“

اس نے رسید لے کر کمپیوٹر میں نمبر بیچ کئے..... اور چند لمحوں میں ہی رقم مجھے واپس کی

”یہ جوتے میں نے اس لیے واپس کیے کہ یہ وائر پروف نہیں ہیں..... مجھے بہت اذیت ہوئی.....“

کس قدر مہذب اور قابل قدر رواج ہے.....

بہر حال ہر طرف سے مایوس ہو کر میں نے شکار کے آؤٹ فٹرز سے رجوع کیا..... یہ لوگ میل آرڈر (MAIL ORDER) سپلائرز ہیں.....

میں نے گینڈر ماؤنٹین (GANDER MOUNTAIN) کو منتخب کیا..... اور ان کو ٹول فری نمبر پر کال کیا..... ٹول فری نمبر وہ ہوتا ہے جس کی فیس کمپنی خود ادا کرتی ہے کال کرنے والے کو ادا نہیں کرنا ہوتی..... یہ ساری لائگ ڈسٹینس کال ہوتی ہے.....

گینڈر ماؤنٹین کے نمائندے سے میں نے ایک منتخب جوتے کے بارے میں بات کی اور اس نے یقین دلایا کہ وہ جوتا وائر پروف ہے..... میں نے آرڈر کر دیا..... چار روز بعد جوتا آپہنچا..... اس کو پہن کر میں روزانہ اپنے معمول کے مطابق تین میل کی WALKING کرتا رہا..... کئی ماہ بعد پھر شکار کا موقعہ آیا..... وہی بارش اور پانی..... اور وہی شکایت کہ جوتے میں پانی چلا گیا.....

عیش و عشرت میں بڑا لطف ہے..... اور عیش..... جس کے بارے میں کہا گیا ہے.....

دیا ہے اور کو بھی تا اسے نظر نہ لگے  
بنا ہے عیش تجل حسیں خان کے لیے

وہ صرف دولت کے ذریعے حاصل ہوتا ہے..... انسان عیش کا دیوانہ ہے.....  
ادھر دولت حاصل ہوئی ادھر عشرت کے دروازے کھلے..... ان عشقوں میں انسان کی  
بہترین عشرت عورت ہے اس کی یہ ہوس کبھی کم نہیں ہوتی..... عمر زیادہ ہو جاتی ہے تو اس  
ہوس میں اور اضافہ ہو جاتا ہے..... بلکہ جیسے جیسے عمر بڑھتی ہے ویسے ویسے کم عمر عورتوں  
کی خواہش زیادہ ہو جاتی ہے..... انگریزی میں مثل ہے

THE OLDER YOU GROW, THE YOUNGER YOU LIKE

یہی سبب ہے کہ بعض متمول بوڑھے اپنی نواسیوں اور پوتیوں کے برابر عمروں  
کے دو شیرازوں سے شادیاں کرتے ہیں..... یا ان کو حرم میں شامل کر لیتے ہیں..... میں  
جن دنوں شارجہ اور العین وغیرہ میں مقیم تھا ان دنوں عرب متحدہ امارات میں عربوں کے  
ہندوستان جا کر شادیاں کرنے کی خبریں خوب گرم تھیں..... ان کا خصوصی ہدف حیدر آباد  
دکن تھا..... کہا جاتا تھا کہ دکن کے غریب مسلمان اور ہندوؤں کی لڑکیوں کو یہ لوگ دس  
پندرہ ہزار ہندوستانی روپیہ کے عوض خرید لاتے تھے..... پندرہ ہزار ہندوستانی روپیہ ایک  
ایسے شخص کے لیے معمولی رقم ہے جس کی آمدنی درہم میں ہوتی ہے بعض عربوں کے لیے  
یہ رقم معمولی ہے..... میں نے لفظ ”بعض“ استعمال کیا..... سارے عرب امیر نہیں  
ہیں..... مفلس ہیں..... چند ہی امیر ہیں..... اور وہ بھی امیر اس لیے ہیں کہ ان تک تیل  
کی دولت کا عشر عشریر پہنچتا ہے..... وہی اتنا کثیر ہوتا ہے کہ ان کو دس بارہ لڑکیوں سے  
شادیاں رچانے کا موقعہ عطا کر سکے.....

جن دنوں یہ کتاب مکمل کی جا رہی تھی ان ہی دنوں میرے ڈس فورٹ ورتھ  
کے بعض احباب نے میری ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر ایک محفل مشاعرہ

میں اسی علاقے میں تین روز سے گشت کر رہا تھا..... میری مراد ہے کہ تقریباً  
اسی علاقے میں..... اس لیے کہ وہ علاقہ تو نجانے کتنا وسیع ہوگا..... جو کسی قدر آشنا ہو  
گیا تھا..... ویسے بھی جنگل میں کبھی میں راستہ نہیں بھولتا..... سبز اور نرم فرش پر چلتے  
ہوئے کتنا اچھا لگتا ہے..... جھاڑیاں بھی ہر طرف ہی تھیں..... لیکن ان جھاڑیوں میں  
کوئی ایسا درخت یا پودا نظر نہیں آیا جس کے پھل کھائے جانے کے قابل ہوں.....

الاسکا میں بالعموم سیب ہی ہوتے ہیں..... دوسرے پھلوں کا مجھے اندازہ  
نہیں..... دشواری یہی ہے..... الاسکا کا موسم اتنا سخت اور سرد ہے کہ نہ فصلیں ہو سکتی  
ہیں نہ پھل..... کھانے پینے کا وہ سامان جو روزمرہ کی ضرورت کا ہے اس کی بھی کوئی  
نوع الاسکا میں نہیں بنتی..... سارا سامان امریکہ کی MAIN LAND سے آتا  
ہے..... نقل و حمل بھی ایک دشواری ہے..... الاسکا کا الحاق امریکہ سے زمینی راستے سے  
نہیں ہے..... کینڈا سے گزر کر ہی وہاں پہنچا جاسکتا ہے..... اس راہ کا فاصلہ اتنا زیادہ  
اور راستے کی دشواریاں اتنی ہیں کہ سامان ٹرک کے ذریعے سے بہت کم..... بلکہ شاذ و  
نادر ہی جاتا ہے..... نتیجہ یہ کہ ضرورت کا سارا سامان..... بحری جہاز اور فضائی جہاز کے  
ذریعے الاسکا آتا ہے..... اسی لیے الاسکا میں اشیاء کی قیمتیں نسبتاً زائد ہیں..... خود  
الاسکا میں کوئی پیداوار نہیں..... اس کے باوجود الاسکا امریکہ کا سب سے متمول علاقہ ہے  
..... جس کی بنیادی وجہ پٹرول ہے..... جو آرکٹک ARCTIC SEA سے نکلتا  
اور ایک عجیب وغریب پائپ لائن کے ذریعے اسکرینج لایا جاتا ہے..... تیل کی قیمت  
زیادہ ہوتی ہے اس لیے کہ اس کی نقل و حمل پر مصارف زیادہ ہیں.....

پٹرول کا زمین سے نکلتا بڑا سود مند ہے..... وہ سارے ممالک جن کو اللہ تعالیٰ  
نے اس معدنی نعمت سے سرفراز فرمایا ہے وہ بہت دولت مند ہیں..... اگرچہ دولت کا  
بیشتر حصہ ملک کے فرمانروا کے ذاتی مصرف میں آتا ہے اور ان کے جوا کھیلنے بین  
الاقوامی گھوڑوں کی دوڑ میں شرکت ذاتی جہاز خریدنے اور بے شمار نو عمر دو شیرازوں سے  
کھیلنے پر خرچ ہوتا ہے..... لیکن ملک کو بھی بہر حال کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچتا ہے.....



ریچھنی..... اور اس کے ساتھ دو بچے..... لیکن وہ بہت دور تھے..... اتنے کہ دور بین ان کو بہت قریب نہیں لاسکی..... میں اسی خاندان کو پہلے بھی دیکھ چکا تھا..... اور ان سے دور رہنے کے لیے دوسری طرف نکل گیا تھا..... بچوں والی ریچھنی کی تو میں شکل تک دیکھنا گوارا نہیں کرتا..... میرے خیال میں یہ خاندان ادھر سے گزر کر کسی اور جانب غذا کی فکر میں جا رہا تھا.....

ایک بار میں اوکلاہوما والٹڈ لائف کنسرویشن کے ایک بایولوجسٹ KODIAK ISLAND سے بات کر رہا تھا..... الاسکا کے..... اس کا ذکر یہ لگا.....

”کوڈیک کے ریچھ انہائی خطرناک اور بد مزاج ہیں.....“

”میرا وہاں جانا نہیں ہوا..... لیکن کیا کسی پر کسی ریچھ نے حملہ کیا.....؟“

”ہاں..... اکثر ایسا ہوتا رہا ہے.....“

”جانا تو ایسی بات نہیں.....“ وہ بولا ”کہیں مشکل یہ ہے کہ ریچھ کو دیکھ کر لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگتے ہیں..... اور ریچھ حملہ کر دیتا ہے.....“

”ہاں.....“

”ریچھ تقریباً اندھا ہوتا ہے.....“

”اندھا ہوتا ہے.....؟“

میں نے متعجب ہو کر پوچھا

”بالکل..... اس کو دھندلا سا ہولنا نظر تا ہے..... وہ نہیں جانتا کہ یہ انسان ہے کہ موز ہے..... یا الک ہے اگر انسان ڈر کر بھاگتا ہے تو ریچھ یہ نہیں جانتا کہ وہ انسان ہے یا جانور..... اس کی حیوانیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ حملہ کر دے..... بس وہ دوڑ پڑتا ہے..... لیکن اگر انسان کھڑا رہ جائے تو ریچھ ہرگز حملہ نہیں کرتا.....“

”اچھا.....“

میں اس کی اس بات سے متفق نہیں تھا.....

منعقد کی..... اس میں بہت سے شعراء نے شرکت کی..... کچھ احباب نے کتبی شرکت کی..... اس کے بعد میں نے اپنے نہایت محترم اور محسن دوست مقبول الہی صاحب کو خط لکھا تو اس میں یہ بھی تذکرہ کیا کہ میں رات کو دو ڈھائی بجے اپنے ہوٹل واپس آیا اور سب سے پہلے وضو کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا..... تہجد کی نماز پڑھی اور دیر تک سر سجدہ رہ کر اس اللہ کی عنایات و نوازشات کے لیے شکر ادا اور تسبیح کرتا رہا..... انھوں نے اس کے جواب میں جو خط لکھا اس کی چند سطور کی نقل کر دینا برا نہیں ہے..... یہ بھی عیش و عشرت کی عادت کا مظہر اور بعض لوگوں کی سرشت کا تبصرہ ایک ایسے شخص کی قلم سے جس کا ثقہ ہونا اور نہایت معتبر اور معقول ہونا مسلمہ ہے.....

اس موضوع پر میرا مفصل تبصرہ میری کتاب ”پانچواں درویش“ میں دیکھا جائے گا انشاء اللہ مجھے جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ دیا..... اور مجھ سے کہیں زیادہ مقبول صاحب نے کہہ دیا.....

بادلوں کا چھٹ جانا اور دھوپ چھاؤں کا کھیل شروع ہو جانا بڑی حوصلہ افزا بات تھی..... میں اس علاقے میں چار روز سے تنہا بسر کر رہا تھا..... کسی ہم کلام..... کسی ساتھی..... کسی معاون کا نہ ہونا انسان کے ذہن اور اعصاب پر عجیب اثر پیدا کرتا ہے..... چار روز ہو گئے تھے.....!

میں نے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر دور بین سے دوبارہ کام لیا..... دور کے مناظر میرے قریب آ گئے اتنے قریب کہ میں ہاتھ بڑھا کر ان کو چھو سکتا تھا..... یا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں ہاتھ بڑھا کر ان کو چھو سکتا ہوں.....

نظر کا دھوکہ..... بعض چیزیں کیسی نظر فریب ہوتی ہیں..... میری ایک مقبول غزل کا شعر بڑا دلچسپ ہے

کیسے دل کو سمجھاؤں ہے نظر کا دھوکا سب

چاند میں جو ہالہ ہے کان میں جو بالی ہے

وہی مناظر..... سبزہ پھول جھاڑ..... درخت..... پہاڑی ٹیلے..... اور.....؟

”لیکن..... ہر انسان ریچھ کے مقابل کھڑے رہنے کی ہمت نہیں رکھتا.....“  
میں نے کہا

”کھڑے رہنا ضروری ہے.....“ اس نے اصرار کے ساتھ کہا..... ”ریچھ سے جان بچانے کا اور کوئی طریقہ نہیں.....“

یہ ضرور ہے کہ ریچھ انسان پر حملہ کرنے کے بعد ثانی ( AFTER THOUGHT ) یا مابعد الخیال کی کیفیت میں اکثر مبتلا ہو کر اپنا ارادہ بدل دیتا ہے..... مجھ پر ریچھ نے دو تین بار ہی حملے کی کوشش کی ہے..... ایک بار تو محض میرے پیچھے چلانے اور ڈانسنے سے ہی ہوش میں آ گیا..... دو بار میں نے ان کو فنا کا مقام عطا کیا.....

سنا ہے..... اور پڑھا بھی ہے کہ بعض انسان ”فنا فی اللہ“ کا مقام حاصل کر لیتے ہیں اور لوگ ان کو بڑا ولی اور بزرگ خیال کرتے ہیں..... میں اس فکر میں ہوں کہ یہ صحیح تحقیق کر سکوں آخر مسلمان میں ولیوں کا رواج کیسے ہوا..... اور ان کا بھوم صرف ہندوستان و پاکستان ہی میں کیوں رہا جبکہ اسلامی ممالک اور بھی تھے..... یہ سب لوگ فنا فی اللہ ہوا کرتے تھے..... ویسے پاکستانیوں اور ہندوستانیوں کے علاوہ دنیا کی کوئی قوم پیر پرست اور ولی پرست نہیں ہے..... عرب ممالک میں تو چونکہ اکثر اقوام وہابی ہو گئی ہیں..... اس لیے اگر کوئی شیخ ولایت یا پیری مرشدی کا ڈھونگ رچائے تو پولیس مداخلت کر کے اس کا کھیل ختم کر دیتی ہے..... اس قسم کی بازی گری کا کام بھی عرب تو کرتے ہی نہیں..... پاکستانی یا ہندوستانی شخص ہی کوئی یہ ڈھکوسلا لے بیٹھنے کی کوشش کرتا اور وہاں سے نکالا جاتا ہے.....

میں جن دنوں العین میں کوآپریٹو سوسائٹی کا کمرشل مینجر تھا ان دنوں ایک پاکستانی وہاں تشریف لائے..... العین کی ایک مسجد میں جمعے کی نماز میں بھی ایک بار نظر



دو علاقہ جہاں ریچھ کی بار نظر کیا اور اسی علاقے کے آس پاس کھانے میں مشغول رہا۔  
نظر آ رہے ہیں

”نہیں..... میں ایسے لوگوں پر اعتقاد نہیں رکھتا.....“

میں نے جواب دیا.....

لیکن حیرت کی بات تھی کہ اس شخص کی آمد..... اس کی حرکات اور منصوبوں کا ان کو علم تھا..... بات وہیں ختم ہو گئی..... تیسرے روز مجھے معلوم ہوا کہ اس شخص کو عرب امارات سے نکال دیا گیا..... ویزا منسوخ کر دیا گیا..... سنا ہے اس نے جاتے وقت بہت بددعائیں دیں..... لیکن ان کا کوئی نتیجہ تو نہیں ہوا..... وہ جو مثل مشہور ہے..... کوؤں کے کونے سے ڈھونڈیں مارتے ہیں..... وہی ہوا.....

دراصل وہ شخص پیر وغیرہ تو محض کاروباری طور پر بنا تھا..... اس نے سوچا ہوگا عرب امارات میں مقیم پاکستانیوں کو ہندوستانیوں کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے اگر پیری مریدی کی دکان چل گئی تو کاروبار بہت منافع بخش رہے گا..... لیکن یہ دکان کھلنے سے پہلے ان کو چلتا کیا گیا.....

میں تقریباً سارے اسلامی ممالک میں جا چکا ہوں..... کہیں نہ پیروں کی خبر ملی نہ کسی ولی کی..... نہ مقابر و مزارات ہیں جہاں عرس ہوتے ہوں اور تو الیاں منعقد کی جاتی ہوں..... البتہ ایران میں حضرت موسیٰ رضا کا مزار ایک عظیم زیارت گاہ ہے..... اور ہر شہر میں امام زادگان کے مزارات ہیں.....

اس ضمن میں مفصل تذکرہ میری تالیف ”پانچواں درویش“ میں ہے.....!

تذکرہ ریچھ کے حملے کا تھا.....

البتہ امریکہ میں ہر شے ساری دنیا سے مختلف مزاج رکھتی ہے..... ممکن ہے ریچھ کا سلوک بھی مختلف ہوتا ہو..... لیکن خود بروں کے بیان کے مطابق اکثر ریچھ اپنا ارادہ بدل لیتا ہے..... اور یہی میرا موقف بھی ہے..... حملہ تو کر بیٹھتا ہے جو اس کی جلد باز طبیعت کا خاصہ ہے..... لیکن جب انسان اس کو ڈانٹتا ڈپٹتا ہے یا دھمکاتا ہے تو اس کو احساس ہوتا ہے کہ وہ غلط کام کر رہا ہے اور فوراً پسپا ہو جاتا ہے..... لیکن کسی انسان کے روئے کے بارے میں کوئی یقینی پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی چہ جائیکہ حیوان..... اتفاق

آئے..... چالیس سال کے قریب عمر..... داڑھی..... بال بڑھائے ہوئے تاکہ زلفیں نظر آئیں..... ہری لباس زیب تن..... شانے پر ایک رومال عطر لگائے..... سر پر سبز رنگ کا عمامہ.....

کہتے ہیں سرکارِ دو عالم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبز عمامہ باندھتے تھے..... لاہور کی شاہی مسجد میں جو تبرکات زیارت کے لیے رکھے ہیں ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ بھی ہے جو سبز رنگ کا ہے چنانچہ کچھ لوگ سنت رسول کا ثواب حاصل کرنے کو سبز عمامہ باندھتے ہیں.....

غرضیکہ یہ بزرگ بھی سبز عمامہ باندھے..... نظریں نیچی کیے..... تسبیح کے دانے چلا رہے تھے..... ان کے گرد تین چار معتقدین..... شلوار قمیص پہنے..... مودب و خاموش..... معلوم یہ ہوا کہ پیر صاحب ہیں پاکستان سے آئے ہیں..... بڑی تعداد میں لوگ ان کے مرید ہیں..... اور العین و دینی میں بھی لوگوں کی ہدایت و تزکیہ روح و تن کی تعلیم و تربیت کا اہم کام انجام دینے کے لیے سفر کی زحمت برداشت کی ہے..... کسی کے مہمان تھے اور اسی شام ان کی قیام گاہ پر..... وہ کسی پاکستانی رکن معتقد کے ساتھ مقیم تھے..... محفل ذکر ہے..... مجھے بھی مدعو کیا گیا کہ میں بھی شرکت کر کے ”تصفیہ روح“ کا عمل شروع کروں اور ”ثواب دارین“ حاصل کروں.....

کو اپرینٹو سوسائٹی کے نائب صدر..... جمعہ خلقان تھے..... جمعہ خلقان ریاست ابوظہبی کی سیکرٹ سروس کے سربراہ بھی تھے..... اور نہایت اہم ریاستی شخصیت تھے..... شیخ زائد بن سلطان سے براہ راست تعلق اور رابطہ رکھتے تھے..... سہ پہر کو میرے دفتر کا دورہ کرتے تھے تاکہ اہم کاغذات اور چیک وغیرہ پر دستخط کر سکیں.....

وہ جو آئے تو مجھ سے پوچھا

”تم فلاں شخص سے ملے.....؟“

ان کی مراد اس مکار پیر سے تھی..... اور مجھے حیرت ہوئی جب جمعہ نے کہا..... ”کیا تم اس کی شام کی محفل میں جاؤ گے.....؟“

پسند کرتے ہیں جہاں صبح سے دوپہر تک سورج اپنی کرنوں کی براہ راست بارش کرتا رہے..... دھوپ چھاؤں کا جو کھیل سورج اور بادلوں نے کھیلنا شروع کیا تھا اب وہ ست ہو گیا تھا کیونکہ بادل تھک کر کسی اور طرف نکل گئے تھے..... اکا دکا آوارہ گرد قسم کے ٹکڑے رہ گئے تھے..... اور سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ کھیل کے میدان میں جما ہوا تھا..... اور زمین بتدریج خشک ہوتی جا رہی تھی..... یہ بھی تعجب خیز ہی ہے کہ ان علاقوں میں بارش کے بعد زمین نہایت تیزی سے خشک ہوتی ہے..... کمالاً خشک تو نہیں ہوتی لیکن بڑی حد تک خشک ہو جاتی ہے زمین پر بھی کسی قدر نرم اور نرم رہتی ہے..... لیکن..... بادی النظر میں خشک.....!

روزہ میرے شکار میں قطعاً ہارج نہیں تھا..... میں تو روزے کی حالت میں..... سخت گرمیوں میں شکار پر جاتا رہا ہوں..... الاسکا میں تو نہ پیاس نہ گرمی..... تکلیف صرف پیاس کی ہو سکتی ہے..... اور الاسکا کی ٹھنڈی آب و ہوا میں پیاس کم ہی لگتی ہے.....

میں نے پیچھے گھوم کر دیکھا..... شیک تین میل پیچھے رہ گئی تھی اب اس کے نظر آنے کی کوئی وجہ نہیں تھی درمیان میں سیکڑوں ٹیکریاں، درخت، جھاڑیاں..... اور پھر زمین کوئی سیدھی سطح تو ہے نہیں..... گول ہے..... فاصلہ بڑھے تو سب سے پہلے زمین کی گولائی ہی سد نگاہ بن جاتی ہے..... میرے گھوم کر دیکھنے کا مقصد شیک کو دیکھنا نہیں تھا..... میں عادتاً اپنے عقب کی خبر رکھتا ہوں..... کسی بھی جنگل میں شکار کے لیے یا اسکاؤنگ کے لیے گھومتے ہوئے میں ہمیشہ ہر طرف دیکھتا رہتا ہوں..... خواہ وہ خطرناک درندوں کا جنگل ہو یا نہ ہو..... احتیاط اور عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ اپنے پیس و پیش سے باخبر رہا جائے.....

سفید لومڑی بڑی خوبصورت ہوتی ہے.....

الاسکا میں دو قسم کی لومڑی ہے.....

سفید..... اور

اور موقع کی بات ہے.....! حالات کی البتہ دو صورتیں ایسی ہوتی ہیں جب ہر حیوان انتہائی دہشت ناک رویہ اختیار کرتا ہے.....

اول..... بچوں والا درندہ.....

ریچھ ہی نہیں..... شیر، چیتا، بھیڑیا، حتیٰ کہ گیدڑ..... کتا، بلی، اور بعض پرندے بھی اپنے بچوں کی حفاظت کے خیال سے حملہ کرنے یا قریب آنے والے کو ڈراتے دھمکاتے ہیں..... اس حملے یا دھمکانے میں نہ تو کوئی مخاصت کا عنصر ہے نہ خونخواری کا..... بعض بچوں کی حفاظت کے خیال سے کارروائی ہوتی ہے.....

دوم..... درندوں کے جنسی شباب کا چند روزہ دور.....

ان دنوں بھی درندے بہت زیادہ قلندز کی وجہ سے بد مزاج ہو جاتے ہیں..... اور ان کے نام میں مداخلت کرنے والا اس بد مزاجی کا شکار ہو سکتا ہے..... ریچھ محض اپنی محبوبہ کو اپنی بہادری دکھانے اور جوان مردی کا سکہ بٹھانے کے لیے ہر جانور یا آدمی پر حملہ کر سکتا ہے.....

اس بچوں والی ریچھنی کا اور میرا فاصلہ بھی بہت تھا..... اور راستے بھی مختلف..... میں اپنی فکر میں وہ اپنی فکر میں.....

صلاح کار کجا و من خراب کجا

بہ ہیں تفاوت رہ از کجاست تا کجا

وہ سبز فرش کا جھاڑیوں والا علاقہ جو اس جگہ سے حد نظر تک پھیلا ہوا تھا میرے لیے قابل توجہ اس لیے تھا کہ اس کے ایک جانب کسی قدر ڈھلان..... اور اس ڈھلان پر وہ گلپوش درخت تھے جو غالباً ریچھ کی مرغوب غذا ہوتے ہوں گے..... سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس ڈھلان پر سورج کی کرنیں سیدھی پڑتی تھیں جو ریچھ کے لیے اور بھی دلچسپی کا باعث تھا.....

اکثر جانور..... خصوصاً سرویوں میں..... یا سرد مقامات پر..... وہ نگھیں زیادہ

سرخ.....!

دونوں بڑی خوبصورت معلوم ہوتی ہیں..... میں نے گھوم کر دیکھا تو تقریباً سو گز پر دوسفید لومڑیاں..... ایک جھاڑی پر تاک لگائے تھیں..... یقیناً انھوں نے جھاڑی کے اندر کوئی شے دیکھی جس میں انھیں دلچسپی رہی ہوگی.....

میں ٹھہر کر انھیں دیکھتا رہا..... لیکن میرے رکنے کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوا..... مجھے بھی ان میں مزید دلچسپی نہیں تھی اس لیے میں بھی آگے بڑھ گیا.....

ایک بارٹی وی کے ڈسکوری چینل DISCOVERY CHANNEL پر لومڑیوں کے متعلق فلم دکھائی گئی..... خصوصاً الاسکا کی لومڑیاں جو برف کے زمانے میں شکار کی تلاش میں دور دور تک سفر کرتی ہیں..... اس فلم میں ایک لومڑی کو برف کی موٹی تہہ کے اندر سے چوہے پکڑتے دکھایا تھا..... برف کی تہہ کم از کم دو ڈھائی فٹ گہری ضرور ہوگی..... لومڑی بغور برف کے خاص ایک نقطے پر نظریں مرکوز کر کے دیکھتی رہتی ہے..... دوسرے ہی لمحے بچوں سے برف کھودتی اور چوہا پکڑ لیتی تھی..... حیرت انگیز بات تھی..... اتنی برف کی تہہ کے نیچے کس طرح لومڑی چوہے کی بوسونگھ لیتی تھی..... یا آواز سن لیتی تھی اور جس جگہ کھودتی اس جگہ چوہا ضرور نکلتا.....!

قدرت کا عجیب نظام ہے.....!

میں اور ایک میل شمال مشرق کی طرف گیا..... اب کوہستان انڈی کاٹ نظر آنے لگا تھا جو مغرب کی جانب آسمان کی رفتوں کی طرف سراٹھائے کھڑا تھا..... بادلوں کے لشکر اس کی بلند چوٹیوں پر یلغار کئے ہوئے تھے.....

بادل یوں تو بھاپ ہوتے ہیں..... مجھے اس کا یقین کبھی نہیں تھا تاہم ان ہوائی جہازوں کا رواج ہوا جو بادلوں سے زیادہ بلندی پر پرواز کرتے ہیں اور بادلوں کے نہایت گہرے پردوں سے بہ آسانی گزر جاتے ہیں البتہ اب بھی یہ بات واضح نہیں کہ گرج کس وجہ سے ہوتی ہے..... جتنی تاویل میں کی جاتی ہیں وہ سب میرے لیے ناقابل قبول ہیں..... بہر حال یہ اس بحث کا موقعہ نہیں.....!

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہا تھا..... مولا اب تو شکار کرا دے.....! واقعہ یہ ہے کہ الاسکا میں چار روز قیام ایک بالکل نیا تجربہ تھا..... ایسا پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ میں قطعاً تنہا شکار گاہ میں اقامت پذیر رہا ہوتا..... شکار کی مدت تو اکثر حالات میں طویل ہوتی ہے..... بعض آدم خوروں کے شکار میں مجھے دو دو ماہ شکار گاہ میں مقیم رہنا ہوا ہے..... لیکن ہمیشہ قیام کسی نہ کسی آبادی میں ہوتا رہا..... جہاں چاروں طرف انسان ہوتے تھے..... اکثر کوئی نہ کوئی ساتھ بھی ہوتا رہا..... الاسکا میں قطعاً تنہائی تھی..... آس پاس..... برف اور سکوت و خلوت..... کسی گیڈر کا واویلا..... کسی پرندے کا نغمہ..... یا بادلوں کی گرج..... یا..... ہوا کی سسکیاں.....!

اور نہ کوئی آواز نہ ساتھی.....!

میں واقعی غیر شعوری طور پر تنگ آ گیا تھا..... تنہائی اور سکوت کا مجھ پر گہرا اثر تھا گو اس وقت یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی..... اب یاد آتا ہے کہ مجرموں کو سزا کے طور پر قید تنہائی میں بھی رکھا جاتا تھا..... یقیناً ان لوگوں کو بھی بڑا ذہنی کرب اٹھانا پڑتا ہو گا.....

میں ذرا دیر آرام کی غرض سے ایک ٹیلے کی بلندی پر جھاڑیوں کے درمیان بیٹھ گیا..... دور دور کا منظر نظروں کے سامنے تھا..... میں نے دور بین اٹھائی.....

کوئی میل ڈیڑھ میل..... یا اس سے بھی زیادہ فاصلے پر..... کیربوز کا ایک بہت بڑا مندا نظر آیا..... اس مندے میں یقیناً ڈیڑھ دو سو جانور ضرور رہے ہوں گے..... یہ مندا گھاس کے ایک بہت وسیع و عریض میدان میں کھانے میں مشغول تھا..... میں نے اس ریچھنی کو بھی دیکھنے کی کوشش کی لیکن وہ کسی اور جانب نکل گئی ہو گی..... نظر نہیں آئی.....

دور بین سے میں نے چاروں طرف اچھی طرح دیکھا..... اور تقریباً بیس منٹ اس جگہ قیام کے باوجود کوئی ریچھ نظر نہیں آیا..... میں اس ٹیلے سے اترا..... اور پھر کسی قدر مغرب کی طرف رخ کئے آگے ہی بڑھتا گیا.....

شکار کی تلاش میں جنگل جنگل گھومنا بظاہر تو بہت آسان معلوم ہوتا ہے..... لیکن ہر شخص کو اس صورت حال کی سنگینی کا اندازہ نہیں ہو سکتا..... کسی کو کیا معلوم الا سکا کے اس ویران علاقے میں تنہا اس طرح ریچھ سے نبرد آزما ہونے کی حسرت لیے اونچے نیچے ٹیلوں، جھاڑیوں..... درختوں کے جھنڈوں اور سبزہ زاروں میں پھونک پھونک کر قدم رکھتے گھنٹوں چلتے رہنے اور ہوش و ہواس کو قائم رکھنے کے لیے کس قدر قوت ارادی کی ضرورت ہوتی ہے.....

میں جانتا تھا..... اور ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے..... ایسے ارضی نشیب و فراز جو مناظر کے بیشتر حصوں کو نظر سے پوشیدہ کر سکتے ہوں..... ان کے درمیان چلنے کا یہ مطلب بھی ہو سکتا تھا کہ کسی بھی موڑ..... کسی بھی جھاڑی..... کسی نشیب سے اچانک ریچھ برآمد ہو اور نجانے کیا صورت حال پیدا ہو جائے.....

مجھ سے میرے ایک بے تکلف دوست نے ایک دفعہ پوچھا  
 ”آپ یہ نہیں سوچتے کہ کسی جھاڑی سے شیر نکلے گا اور دبوچ لے گا.....؟“  
 میں نے جواب دینے سے پہلے ذرا توقف کیا.....  
 ”بات یہ ہے.....“  
 میں نے کہا  
 ”یہ اندیشہ تو مجھے بھی رہتا ہے.....“  
 ”تو پھر کیوں اس خطرے میں پڑتے ہیں بھائی.....؟“  
 ”اس کا جواب میرے پاس نہیں ہے..... بس ایک خطبہ ہے“  
 ”ہونہ ہو.....“ وہ جڑ بڑھ کر بولے ”ایسا بھی کیا خطبہ.....“  
 ”میں یہ ضرور جانتا ہوں.....“ میں نے کہا..... ”میرے ہاتھ میں بھری ہوئی رائفل ہوتی ہے..... اپنی طبیعت پر مجھے قابو ہے..... شیر ہو یا چیتا..... اس طرح بے خبری میں مجھ پر حملہ نہیں کر سکتا.....“  
 ”کیوں.....؟“

”اس لیے کہ میں ہوشیار بھی رہتا ہوں..... میری چھٹی حس بھی مجھے اطلاع دیتی ہے..... اور سب سے بڑی بات کہ مجھے اللہ تعالیٰ پر اعتماد کامل ہے.....“  
 ”اللہ تعالیٰ کو کیا ضرورت ہے کہ وہ آپ کو شیر سے بچائے.....؟“  
 ”میں ہنس دیا.....“  
 ”عزیز گرامی..... اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت و حفاظت تو ہوتی ہی ہے..... اس کی عنایت کے بغیر کوئی محفوظ نہیں رہ سکتا..... وہی بچاتا ہے.....“  
 ”میں اس سب کا قائل نہیں ہوں.....“  
 ”ہو سکتا ہے.....“  
 ”اگر صرف دو گز پر..... جھاڑی سے شیر نکل آئے.....؟“  
 ”ممکن نہیں.....“  
 ”کیوں.....؟“  
 ”میں اپنے آگے پیچھے تیس چالیس گز کے اندر اس خوبی کے ساتھ ہر ممکن زاویے کو دیکھ رہتا ہوں کہ کسی درندے کا اتنے قریب آنا ممکن نہیں.....“  
 ”غلطی بھی تو ممکن ہے.....“  
 ”اسی وقت اللہ تعالیٰ کی اعانت ہوتی ہے..... غلطی سے بچا لیتا ہے.....“  
 لیکن میرے استدلال ان کو قائل نہیں کر سکے..... ان کے خیال میں شکار میں وقت بھی ضائع ہو رہا تھا اور میں خود اپنے کو ہر وقت خطرات میں ڈال رہا تھا.....

الحمد للہ کہ تقریباً پچاس سال کے شکار اور مہمات کے باوصف میں بقید حیات..... صحیح سالم اور صحت و طاقت کی قابل رشک حالت میں ہوں..... چونٹھ سال کی عمر ہو جانے کے باوجود لوگ مجھے چالیس پینتالیس سالہ جوان سمجھتے ہیں.....

مجھے قدرتنا یقین تھا کہ اس روز ریچھ شکار ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ..... اور اللہ تعالیٰ سبحانہ نے بادلوں کی یورش کو پسپا کر کے دھوپ نکال دی تھی..... تاکہ میں با فراغت شکار کی مہم جاری رکھ سکوں.....



ہے ٹلسا کی مسجد کے ارباب حل و عقد نے اس کے حلال ہونے کا فتویٰ دے دیا ہے۔ تاہم میں ان کے فتوے سے متفق نہیں ہوں۔ اس لیے کہ مسجد میں عربی حضرات اقتدار سنبھالے ہیں۔ یہ لوگ حلال و حرام کے معاملے میں بہت پیشرفتہ حضرات ہیں۔ عرب میں تو پوہا بھی کھالیا جاتا تھا۔ اور شاید وہ بڑی چھپکلی اور گرگٹ بھی جن کو ”گوہ“ کہتے تھے۔ غالباً اس کو ”سانڈا“ بھی کہا جاتا ہے۔ پاکستان میں سڑکوں کے کنارے کپڑا بچھا کر بیٹھنے والے دوا فروش سانڈے کا تیل بیچتے نظر آتے تھے اور عام خیال تھا کہ سانڈے کا تیل مردانی جنسی کمزوری کو رفع کرنے کے کام میں آتا ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ جہلا عام لوگوں کی صحت و زندگی کے شدید دشمن ہوتے ہیں اور لوگوں کو قبرستان کے قریب پہنچانے کا کام انجام دیتے ہیں۔

جنسی طاقت کے اضافے کی کوشش صرف ہندو پاکستان تک ہی محدود نہیں۔ ساری دنیا میں لوگ اس خط میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ہانگ کانگ اور جاپان میں زندہ سانپ کا خون اور عرق صرف جنسی طاقت میں اضافے کے لیے پیا جاتا ہے۔ بندر کا مغز، گینڈے کے سینگ کا سفوف، شیر کے فوطوں کا سفوف۔ جن سنگ پودے کے خشک کردہ تنے کا سفوف۔ اور خدا جانے کیا کچھ۔ لیکن بالآخر یہ سارے خربے صحت کو نقصان پہنچا کر کام اور خراب کر دیتے ہیں۔ اور مرد جو کچھ کر سکتا ہے اس سے بھی بڑی حد تک محروم ہو جاتا ہے۔

امریکہ میں اس کام کے لیے دواؤں کے انجکشن لیے جاسکتے ہیں۔ جو انتہائی مضر رساں ثابت ہو سکتے ہیں۔ اور کئی حالات میں انجکشن لینے والوں کی جان پر بن جاتی ہے!

میں اس خرگوش کو دلچسپی کے ساتھ دیکھتا ہوا گزرا جو اپنی معصومیت کے پیش نظر یہ سمجھ کر جھاڑی میں دبک گیا تھا کہ مجھے چکمہ دے سکے گا۔ اگر میں اس کا دشمن ہوتا تو یہ آسانی اس کی زندگی کا چراغ بجھا کر اپنے دسترخوان پر ایک اور ڈش کا اضافہ کر سکتا تھا۔ دسترخوان تو خیر اب صرف اصطلاح رہ گئی ہے۔ کھانے کی میزوں کا رواج ایسا

میں جن کو نیلے کہہ رہا ہوں۔ وہ کوئی اتنے چھوٹے بھی نہیں تھے۔ لیکن پہاڑ نہیں تھے۔ پہاڑی اور نیلے میں فرق تو سب کو ہی معلوم ہے۔ البتہ ان ٹیلوں کی بلندی کم تھی۔ مسطح زیادہ تھے اور ان پر خوب سبزہ اور جھاڑیاں بھی تھیں۔ بعض جھاڑیوں میں مجھے گول سرخ رنگ کے نہایت چھوٹے پھل جیسے گوندنی یا مکو لگے نظر آئے۔ میں نے چند پھل جیب میں ڈال لئے اس خیال سے کہ افطار کے بعد ان کا ذائقہ معلوم کروں گا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ پھل ریچھ کی خوراک میں ضرور شامل رہے ہوں گے۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ انسان کے کھانے کے لیے صحیح ہیں یا نہیں۔

امریکہ کے کسی بھی جنگل میں کوئی پھل دار درخت میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ اور۔۔۔ امریکہ کا کوئی ایسا قابل ذکر جنگل نہیں ہے جو میں نے نہ دیکھا ہو۔ ہندوستان کے جنگلوں میں بکثرت پھل دار درخت ہوتے ہیں۔ میں کئی بار ان کا تذکرہ کر چکا ہوں۔ پاکستان میں بھی کم از کم سرخ رنگ کے جنگلی بیر تو ہوتے ہی ہیں۔ میں اکثر یہ بیر جیب میں بھر لیتا اور گاہ بہ گاہ کھاتا تھا۔ گو اس کے کھانے سے پیاس بہت لگتی ہے لیکن خوش ذائقہ کھٹا میٹھا بیر ہوتا ہے۔ امریکی آب و ہوا اتنی فرحت افزا اور صحت بخش ہونے کے باوجود پھل دار درختوں کا جنگل میں فقدان ہے۔

ایک جھاڑی میں خرگوش مجھے آتا دیکھ کر رک گیا بھاگا نہیں۔ میں مسکراتا ہوا اس کے قریب سے گزر گیا۔ خرگوش بہت معصوم جانور ہے۔ اس کی صورت دیکھ کر ہی رحم آتا ہے۔ میں خرگوش نہیں کھاتا۔ بڑی وجہ یہ بھی کہ اکثر خرگوش ایک زمانے میں کسی خاص بخار میں مبتلا ہوتے ہیں جو اس کا گوشت کھانے والے کے لیے نقصان کا باعث ہو سکتے ہیں۔

امریکہ میں گلہری کے شکار میں بھی خاص دلچسپی ہوتی ہے۔ سڑکیوں میں اس کے شکار کی اجازت ہوتی ہے اور امریکی شکاری اس کا گوشت کھا لیتے ہیں۔ سنا

چند روز کے اندر ہی میں نے ان کو خرگوش پیش کیا..... نہ صرف یہ کہ وہ بہت خوش ہوئے بلکہ مجھے دعائیں بھی دیں میرے والد صاحب قبلہ کے دوست تھے..... میں ان کا بہت احترام کرتا تھا..... لیکن اس دوا پر اعتقاد نہیں تھا.....

حیرت انگیز بات یہ کہ چند ماہ بعد انھوں نے مجھے بتایا کہ وہ دوا جس میں انھوں نے خرگوش کی آنت کا سفوف شامل کیا تھا نہایت موثر ثابت ہوئی اور ان کی تکلیف قطعاً رفع ہوگئی..... میں نے ان سے اس سلسلے میں مزید بات نہیں کی..... بعض ادویہ واقعی عجیب لیکن بہت کارآمد ہوتی ہیں.....

جہلم کے جنگلوں میں ایک قسم کی جنگلی درخت کی جڑ جیسی ہوتی ہے جو وہاں کے لوگ جانتے ہیں اس کا ذائقہ کسی قدر مولیٰ سے ملتا جلتا ہوتا ہے لیکن شیریں تر..... وہ مولیٰ جیسی تیزی نہیں ہوتی..... اس میں خاصی غذائیت تو ہوتی ہی ہے..... لیکن خشکی دور کرنے کے لیے بہت موثر ہے..... البتہ اس کے کھانے سے خشکی بڑھتی ہے..... اور پیاس معلوم ہوتی ہے.....

میں نے کئی بار تجربہ کیا..... اس کے کھانے کے بعد تقریباً تازہ دم ہو گیا..... اشرف..... جو پوٹھا میں رہتا تھا..... اور کئی بار مختلف شکاروں میں میرے ساتھ رہ چکا ہے وہ شکار پر ہمیشہ دو تین ٹکڑے اس جڑ کے ضرور کھاتا..... اور سارا دن پہاڑوں میں ہڑیال کی طرح جستیں لگاتا رہتا.....

چترال میں بھی ایک جھاڑی کا پھل..... ہلکے زرد رنگ کا..... نہایت شیریں..... بھوک اور تھکاوٹ دور کرتا ہے..... دس بارہ کھالینے سے بھوک رفع ہو جاتی ہے..... گویا ان میں اتنی غذائیت ہوتی ہے کہ تین چار گھنٹے کچھ اور کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی..... کہ ان پھلوں کی جسامت مکئی سے زیادہ نہیں ہوتی..... البتہ یہ بھی پیاس پیدا کرتی ہیں.....

اور جہاں تک مجھے یاد ہے سارے جنگلی پھل پیاس پیدا کرتے ہیں..... بھوپال، حیدرآباد، ریوا..... انارسی..... جہاں جہاں میں شکار کے لیے جاتا رہا ہوں وہاں

ہوا کہ دسترخوان متوسط اور اعلیٰ طبقے سے غائب ہی ہو گیا..... اور اچھا بھی ہے..... میز پر کھانے میں جو صفائی اور باقاعدگی ہے وہ دسترخوان میں پیدا نہیں ہوتی.....

خرگوش بھی کسی قدر متوحش نظروں سے مجھے دیکھتا رہا..... تاہم میں دس بارہ قدم آگے نکل گیا..... اور وہ جھاڑی سے نکل کر دو لمحے مجھے دیکھتا رہا..... یہ یقین کرنے کے لیے کہ میں واقعی جا ہی رہا ہوں..... پھر غرا کی فکر میں کسی طرف نکل گیا..... ایک بار لاہور میں ایک صاحب نے مجھ سے فرمائش کی کہ ان کو جنگلی خرگوش کی آنت چاہیے اس لیے ان کو ایک خرگوش مار کر دوں.....

”خرگوش کی آنت.....؟“

میں نے متعجب ہو کر سوال کیا  
”جی.....“

”آنت کا کیا مصرف ہے.....؟“

”وہ مسکرائے..... ایک لمحہ توقف کیا..... پھر بولے“

”دوا کے لیے چاہیے.....“

میں جانتا چاہتا تھا کہ آخر اس آنت سے کیا دوا بنے گی..... لہذا ان کو کریدنے

کے لیے میں نے پھر سوال کیا.....

”کس قسم کی دوا.....؟“

وہ پھر خاموش ہوئے..... غالباً کوئی راز کی بات تھی یا کوئی ایسا خفیہ نسخہ تھا جو وہ

بتانا نہیں چاہتے تھے لیکن میں مصر تھا.....

”دراصل.....“ ”وہ مجبوراً بولے اس کی آنت صاف کر کے اور خشک کر کے

بعض اور ادویہ میں ملا کر بواسیر کے لیے استعمال کرتا ہے..... ایک صاحب نے بتایا ہے

کہ نہایت زود اثر اور مستقل علاج ہے..... بواسیر کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جاتا

ہے.....“

”اچھا.....“ مجھے اطمینان ہو گیا ”ضرور لاؤں گا انشاء اللہ.....“

ہے..... تیز جیسا ہی ہوتا ہوگا بھلا الاسکا جانے کے بعد تیز کی فکر کسے ہو سکتی ہے..... وہاں تو جو جائے گا وہ کیر بورچھ..... الگ یا موز کی فکر کرے گا.....

دور..... انڈی کاٹ پہاڑ سے بھی آگے..... بادلوں کا ایک لشکر کسی علاقے کو اپنے نرغے میں لئے ہوئے تھا.....

الاسکا اتنا بڑا ملک ہے کہ اس کی وسعت کا اندازہ دشوار ہوتا ہے..... اور پھر آبادی اتنی کم..... تقریباً نہ ہونے کے برابر.....

میں سوچ رہا تھا اگر کوہستان انڈی کاٹ میں شکار کی اجازت ہوتی تو اب تک ریچھ مار لیا ہوتا.....!

سورج بدستور جنوب کی طرف اسی حالت میں تھا جس حالت میں اس کو ابتدا میں دیکھا تھا اس کی کرنیں البتہ گرم تو معلوم ہو رہی تھیں..... میں خوب گرم ہو گیا تھا..... کچھ تو دھوپ اور کچھ میرے گرم کپڑے پھر بھی یہ خیال رکھنا ہوتا ہے کہ زیادہ پسینہ نہ نکلے..... ان دنوں تو کچھ ایسی سردی نہیں تھی لیکن ان سرد علاقوں میں یہ احتیاط ضروری ہوتی ہے کہ زیادہ پسینہ نہ نکلنے پائے ورنہ اکثر شدید سردی کے مقامات پر پسینہ نکل کر جسم پر جم جاتا ہے اور کپڑوں کے اندر جسم پر برف کی تہہ جم جاتی ہے جس کی وجہ سے فوری نمونہ ہو جانے کا امکان ہے اور بعض حالات میں یہ نمونہ مہلک بھی ہو سکتا ہے.....

میں اس وقت ٹیک سے تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر ضرور تھا..... اور یہ فاصلہ جس رفتار سے میں چلتا ہوں اس کے پیش نظر کوئی دو گھنٹے کا سفر تھا..... بشرطیکہ رکے بغیر مسافت کی جائے البتہ اگر تیز قدم اٹھائے جائیں تو ڈیڑھ گھنٹہ لگتا ہے..... تین سو پچھتر ہالینڈ ہالینڈ کا وزن بھی خاصا ہوتا ہے..... چلنے میں اس کی وجہ سے بھی کسل ہوتا ہے..... اتنی وزنی راکفل لے کر چلنے کی مجھے عادت ہے اس لیے زیادہ احساس نہیں ہوتا.....

بعض اوقات تھوڑا سا غیر ضروری وزن بھی بہت زحمت کا باعث ہوتا ہے..... ہوا یوں کہ میں نے ایک بار واٹر پروف جوتوں کی جستجو کے دوران ایک جوڑا جو تے بہت

کے پھل کھا کر پانی کی خواہش ضرور بڑھ جاتی ہے..... صرف شریفہ ایسا پھل ہے کہ وہ نہ صرف تقندے میں مکمل ہے بلکہ پیاس کو بھی تسکین دیتا ہے.....

الاسکا کے اس علاقے میں کوئی پھل والا درخت ایسا نظر نہیں آیا جس کا تذکرہ کیا جاسکے..... حقیقت یوں بھی ہے کہ اس قدر شدید سردی اور شب و روز کا اتنا مستقل تغیر..... نہ زراعت کی اجازت دیتا ہے نہ شجر کاری کی.....!

میں نے ایک ٹیلا سر کیا..... اس کی بلندی سے دور بین لگا کر دور نزدیک کے مناظر میں چھپے جانوروں کا مشاہدہ کرتا رہا..... بلندی پر اڑتی ہوئی سفید چیلیں..... شکرے..... اور.....

سفید چکور..... یا چکور کی شکل..... یا تیز کی صورت کا پرندہ..... میں جہاں کھڑا تھا اس ٹیلے کے نیچے ہی..... جھاڑیوں میں سے دو عدد چکور تیز کی طرح پھڑ پھڑا کر اڑے..... مجھے نجانے کیوں بہت عرصہ بعد کاظمی یاد آ گئے..... کاظمی کو تیز کے شکار کا بڑا شوق تھا اور ان کو مشق بھی ہو گئی تھی..... اکثر تیز مار لیتے تھے..... لیکن یہ بات ۱۹۶۳ء کے بعد کی ہے..... ان دنوں تیز بکثرت ہوا کرتے تھے..... اور سردیوں میں جب ان کے شکار کی اجازت ہوتی تو کاظمی وقفاً وقفاً تیز کے شکار کے لیے جاتے رہتے تھے..... ایک بار مجھے بھی مجبور کر کے ساتھ لے گئے ان کے پاس ان دنوں فیٹ (FAIT) تھی..... چھوٹی والی..... نہایت مختصر کار جو وہ امریکہ سے ٹریننگ سے واپسی پر لائے تھے..... مجھے اس گاؤں کا نام یاد نہیں جہاں وہ گئے تھے..... لیکن ہم دونوں اپنے سردی کے بستر ساتھ لے گئے تھے جو انھوں نے اپنی کار کی چھت پر لگے کیریر پر رکھے اس لیے کہ کار کے اندر جگہ نہیں تھی..... ہم نے رات گاؤں میں کاظمی کے میزبان کے کمرے میں گزار دی..... صبح ان کے کھیتوں میں تیز کا شکار کیا..... اور سہ پہر کو واپس گھر.....! کاظمی نے سات اور میں نے چار تیز شکار کیے.....!

الاسکا میں تیز..... یا چکور..... سفید رنگ کا ہے..... تیز کے برابر ہی جسامت..... میں نے ابھی تک شکار نہیں کیا..... لیکن سنا ہے گوشت سفید اور اچھا ہوتا

عہدہ خریدے جو خاصے وزنی تھے..... ان کو پہن کر اکثر احساس ہوتا تھا کہ پیروں میں وزن جیسا ہے لیکن میں نے توجہ نہیں دی اور حسب معمول لافار چون پارک (LAFORTUNE PARK) میں ورزش کے لیے ہر دوسرے تیسرے روز تین میل کا چکر لگانے کے لیے گیا تو چلنے کے بعد مجھے کسل معلوم ہوا..... میں نے بیگم سے اس کا تذکرہ کیا انھوں نے مشورہ دیا کہ آرام کروں..... تین چار بار اس کی تکرار ہوئی تو گھٹنوں میں درد محسوس ہوا..... میں جسمانی طور سے کچھ شیم نہیں ہوں..... درمیانے قد اور اوسط جسم کا آدمی ہوں..... پہلے بھی میں کوئی غیر معمولی طاقتور شخص نہیں تھا اور اب جبکہ عمر تسٹھ سال کو پہنچی میری قوتیں یقیناً کم ہو گئی ہوں گی اگرچہ ابھی تک مجھے اس کا احساس کوئی نہیں ہے..... درد ہوا تو مجھے معاً خیال آیا کہ یہ جوتے کے وزن سے ہو سکتا ہے..... میں نے جوتا تبدیل کیا..... ہلکا جوتا پہنا..... تین چار دن میں کسل جاتا رہا اور گھٹنوں کا درد بھی..... میں نے وہ جوتا جس اسٹور سے لیا تھا اسی کو واپس کر کے اپنی رقم جیب میں رکھی.....

میں دور بین سے بغور ہر مقام کا جائزہ لے رہا تھا..... اس وقت مجھے پرندوں اور ایک دو خرگوشوں کے علاوہ کچھ نظر نہیں آیا..... میں نیلے سے اتر..... اور نشیب کی طرف جاتے ہوئے ایک جگہ گھاس پر پیر پڑا تو وہاں زمین نرم تھی پیر ایک گڑھے میں گھس گیا میرا توازن بگڑا اور سنبھلتے سنبھلتے میں گر گیا..... پیر پر ضرب آئی..... معاً مجھے سانپ کا خیال آیا..... گڑھے میں سانپ.....!

لیکن ان علاقوں میں سانپ قطعاً نہیں ہوتا..... سرد علاقے میں سانپ کا کیا کام..... مجھے عادتاً ہی سانپ کا خیال آیا..... سرد علاقوں میں اور سردی کے دنوں میں شکار اس لحاظ سے ضرور محفوظ ہے کہ سانپ ان دنوں نہیں ہوتے..... ورنہ امریکہ کے مختلف علاقوں میں بعض نہایت زہریلے اور خطرناک سانپ پائے جاتے ہیں جن میں ریٹلر اور ڈائمنڈ بیک بہت زہریلے اور خطرناک سانپ ہیں اور سارے امریکہ میں ہوتے ہیں..... سردیوں میں سانپ کبھی نہیں نکلتا..... ہندوستان کے جنگلوں میں

کو برا..... کریٹ اور کئی اقسام کے سانپ بکثرت ہوتے ہیں..... لیکن سخت سردیوں کے دنوں میں دبک جاتے ہیں..... اس کے باوجود مجھے کئی بار کوبرا سے سردیوں میں دو چار ہونا پڑا ہے.....

میں اٹھا..... کپڑے بھاڑے..... رائفل کا معائنہ کیا..... سب ٹھیک تھا..... لیکن ٹانگ میں ضرب ضرور آئی تھی..... لیکن نہ اتنی کہ مجھے کوئی خاص تکلیف ہوتی..... اس گرنے کا تذکرہ اس لیے ضروری تھا کہ تنہا شکار کے خطرات کو واضح کیا جاسکے..... ہمیشہ کسی کا ساتھ ہونا مفید اور بہتر ہے..... ایسے ویران جنگلوں میں ہمیشہ کوئی ساتھی ہونا چاہیے..... گڑھے میں پیر کا گھس جانا کسی بڑے حادثے کا موجب بھی ہو سکتا ہے..... اور ایسی حالت میں کہ آس پاس نہ کوئی رفیق نہ مددگار..... حادثے کی صورت میں نہایت تکلیف دہ صورت حال پیدا ہو سکتی تھی.....

مجھے چند قدم چل کر ہی ٹھہرنا پڑا..... ٹانگ کو کسی قدر آرام کی ضرورت تھی..... میں ایک اور نیلے پر ٹھہرا..... پیر پھیلا دیا تاکہ عضلات درست ہو جائیں..... اور..... دور بین سے دوبارہ کام لینا شروع کیا.....

ابھی CELLULAR PHONES کا زیادہ رواج نہیں ہوا تھا لیکن مجھے خیال ضرور آیا اگر ایسا کوئی ٹیلیفون ہو جو جیب میں رکھ کر ہر جگہ لے جایا جاسکے تو بہت کارآمد ہو سکتا ہے لیکن ان دنوں ایسا فون نہیں تھا.....

اب نومبر ۱۹۹۵ء..... جبکہ یہ کتاب تکمیل کو پہنچ رہی ہے سیلولر فون کا اتنا عام رواج ہے کہ تیس فیصد لوگوں کی کاروں میں بھی فون ہے اور بے شمار لوگ اپنی جیب یا پرس میں بھی فون رکھتے ہیں.....

میں نے پاکستان میں دسمبر ۱۹۹۳ء کے دورے میں کئی حضرات کو اسی قسم کے ٹیلیفون لئے لاہور اور کراچی میں دیکھا ہے..... غالباً وہاں بھی ان ٹیلیفونوں کا عام رواج ہو گیا ہوگا.....

میری کار میں بھی فون ہے محمد لہ اور ایک پورٹیبیل سیلولر فون میرے شکار کے

جمادی..... جنبش نہایت واضح تھی..... اور اسی ایک جگہ پر ہو رہی تھی..... مجھے یقین تھا کہ ریچھ ہی ہوگا..... کیربو تو ممکن نہیں تھا..... اول تو یہ تنہا نہیں ہوتے دوم ان کے سینک ضرور نظر آتے رہتے ہیں.....  
ریچھ.....؟“

چند منٹ ہی گزرے تھے کہ ریچھ نظر آ گیا..... نہایت عظیم الجثہ..... بہت بڑا..... سیاہ گولا.....  
فاصلہ.....؟! کوئی چھ سات سو گز..... نہایت زیادہ فاصلہ..... یا ممکن ہے ایک میل.....!

میں نے سب سے پہلے تو ہوا کے رخ کا اندازہ کیا..... اور یہ مشکل پیش آئی کہ ہوا میرے موافق نہیں تھی..... اگرچہ براہ راست مجھ پر سے ریچھ کی طرف نہیں جا رہی تھی لیکن اس کا رخ ایسا بھی نہیں تھا کہ میں اس پر یقین کامل کر سکتا.....

میرا فوری اقدام تو یہ تھا کہ میں اس جگہ سے ہٹا اور جس راہ پر آیا تھا اسی طرح واپس ہوا کہ ہوا کا رخ مختلف ہو جائے..... شکار کو دیکھ لینے کے بعد جسم و جان کی خبر نہیں رہ جاتی..... ریچھ کو دیکھنے کے بعد مجھے اپنی ٹانگ کی چوٹ کا قطعاً احساس نہیں تھا اور وہ ضرب اتنی تھی بھی نہیں کہ میں اس کی فکر کرتا..... اب معاملہ ہی کچھ اور تھا..... مجھے اب ریچھ کے علاوہ کسی قسم کا خیال نہیں تھا..... تھوڑی ہی دور جا کر میں رکا اور اس جگہ کا پھر جائزہ لیا..... یہاں سے بھی وہ جگہ نظر آ رہی تھی..... میں اب خوب اچھی طرح اطراف و جوانب کو ذہن نشین کر لیا تاکہ وہ مقام گم نہ ہو سکے..... اب میں دوبارہ ایسے زاویے سے چلا کہ جس کا رخ جنوب مشرق کی طرف تھا..... میں ویسے بھی دو تین سو گز چل کر ہی ایسی جگہ آ گیا تھا جہاں سے ہوا میری بورچھ تک نہیں لے جاسکتی تھی..... تاہم میں نے اس رخ پر مزید تین سو گز کے قریب فاصلہ طے کیا..... اب ہوا کی طرف سے کوئی احتمال نہیں رہ گیا.....

میں نے اندازہ کیا کہ اس وقت میں ریچھ سے ایک میل کے فاصلے پر

تھیلے میں بھی رہتا ہے گذشتہ دنوں جبکہ میں اوکملگی (OKMULGEE) میں ہرن کے شکار پر تھا..... کوئی دس بجے دن کے فون کی گھنٹی اس وقت بجی جب میں جنگل میں ایک جھاڑی کے اندر چھپا بیٹھا ہرن کی آمد کا منتظر تھا..... بیگم کا فون تھا.....  
”ہلو.....“

”فرمائیے.....“  
”آپ نے صبح سے فون ہی نہیں کیا..... برف پڑ رہی تھی اس لیے فکر ہوئی تو گھبرا کر فون کیا ہے.....“

”اچھا بی بی..... سب خیریت ہے..... بس یہ ہے کہ سردی ہے.....“  
”ہاں..... آپ کی آواز لرز رہی ہے.....“  
”ہاں سردی ہے..... میں جو کوٹ پہنے ہوں یہ برف کے درمیان بیٹھے رہنے کی حالت میں کارآمد نہیں ہے.....“  
”دوسرا کوٹ نہیں لے گئے.....“

”لایا ہوں..... کار میں ہے..... اچھا خدا حافظ.....“  
وقت کتنا بدل گیا..... زمانہ کس قدر پیشرفت کر گیا..... اب تو جنگل میں تنہا ہونے میں بھی نہ خطرہ رہ گیا نہ پریشانی..... جہاں سے جب دل چاہے بہ آسانی میں گھر فون کر لیتا ہوں..... خواہ کار میں سے کرنا ہو..... خواہ جنگل میں سے.....!

الاسکا کے اس شکار کے دنوں میں سیلولر فون کا عام رواج نہیں ہوا تھا.....! نیلے پر بیٹھنے کے دس منٹ کے بعد میں نے یقین کر لیا کہ ٹانگ کو کافی آرام مل چکا اور دوبارہ روانگی کا ارادہ کیا..... روانگی سے پہلے میں نے دور بین سے مشرق کی جانب ایک اور نظر ڈالی..... اور ایک جگہ پر نظر ٹھہر گئی.....

ایک جگہ جھاڑیوں میں حرکت ہو رہی تھی..... میں بغور اس کو دیکھتا رہا..... یقیناً کوئی جانور تھا..... جھاڑیوں میں ذرا جنبش ہوتی اور رک جاتی..... پھر کسی قدر جنبش ہوتی اور رک جاتی..... میں نے رائفل جھاڑی سے لٹکا کر رکھی اور اس نقطے پر دور بین

میرے اور ریچھ کے درمیان نہایت عمدہ دیوار بن گیا مجھے اب مزید مشرق کی جانب حرکت کرنے کی حاجت بھی نہیں تھی..... البتہ..... کیربوز کی تیز نگاہوں سے بچنا ضروری تھا.....

اب قدم قدم حرکت کا موقعہ تھا.....!

ہر جھاڑی جو آڑ کا کام دے سکتی ہو اس کا سہارا..... ہر ٹیلے کے پیچھے پیچھے رہنے کی ضرورت..... ہر رکاوٹ سے استفادے کا موقعہ..... اب وہ وقت تھا جب شکار کے لیے سارے تجربے اور معلومات سے استفادہ کیا جائے.....

اسی کو اسٹالنگ (STALKING) کہتے ہیں.....!

اسٹالنگ..... شکار کا مشکل ترین حصہ ہے..... یہی وہ کام ہے جس میں شکاری کی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ ہوتا ہے..... کبھی چھپتا..... کبھی آڑ لیتا..... کبھی لیٹ کر بڑھتا..... کبھی بیٹھ کر..... اور ان تمام حالتوں کے دوران اپنے شکار پر بھی نظر رکھتا.....

میرا کام اس وقت آسان نہیں تھا..... ریچھ تو نظر آتا نہیں تھا..... وہ مقام جہاں ریچھ کو دیکھا تھا اس کا اب اندازہ ہی ممکن تھا..... اور پھر جس وقت میں نے اس کو دیکھا تو اب کوئی ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا تھا..... ضروری نہیں کہ وہ اتنی دیر اسی ایک مقام پر رہا ہو..... ریچھ تو خوراک کی تلاش میں حرکت کرتا رہتا ہے..... تاہم مجھے یقین تھا کہ وہ حرکت کر کے دو چار میل نہ گیا ہو گا..... سو گز دو سو گز تین سو گز..... بس یہی کچھ ہونا چاہیے.....

میری پیش قدمی کی رفتار اب بہت سست تھی..... اس لیے کہ ریچھ تو علیحدہ پہلے تو مجھے کیربوز کو چمکے دینا تھا جو کثیر تعداد میں تھے اور میرے اور ریچھ کے درمیان میں حائل تھے..... ابھی تک میری موجودگی کی ان کو خبر نہیں تھی..... لیکن ذرا سی غلطی ان کو نہ صرف ہوشیار کر دیتی بلکہ فرار پر مجبور کر دیتی اور ان کے فرار کا مطلب یہ ہوتا کہ ریچھ بھی ہوشیار ہو کر جان لیتا کہ کوئی نہ کوئی خطرہ ضرور ہے..... جانوروں کا یکبارگی بھاگ پڑنا

ہوں.....!

یہاں سے میں نے اپنا رخ پھر تبدیل کیا..... اب میں شمال مشرق کے زاویے سے حرکت کر رہا تھا.....

لیکن جیسے جیسے پیش قدمی ہوتی ویسے ہی ویسے مجھے زیادہ احتیاط کی ضرورت محسوس ہوتی جاتی..... ہوا اب مغرب سے مشرق کی طرف ہو گئی تھی..... لیکن مجھے اب بھی یہ خیال تھا کہ مجھے ریچھ کے مشرق میں ہونا چاہیے..... جہاں ہوا کے ذریعے اس کے ہوشیار ہونے کا احتمال نہ ہو..... اور میں نے اس پر ہی عمل کیا..... اپنا رخ مشرق کی طرف ہی رکھا تاہم مجھے یقین ہو گیا کہ ریچھ اب مغرب میں ہے میں نے یہاں ہی ٹھہر کر دور بین سے اس مقام کا جائزہ لیا..... یہاں سے ریچھ تو نظر نہیں آیا لیکن وہ مقام ضرور نظر آیا جس کے نزدیک ہی ریچھ کو ہونا چاہیے تھا.....

میں ریچھ سے جنوب میں تھا..... یہاں سے بھی میں اگر سیدھا ریچھ کی طرف ہی حرکت کرتا تو مضائقہ نہیں تھا..... لیکن مجھے جلدی کوئی نہیں تھی..... مجھے یقین تھا کہ ریچھ کافی دیر اسی علاقے میں شکم پروری کرتا رہے گا.....

لیکن..... یہ کوئی مشکل بات تو نہیں تھی.....!

ریچھ تو نہایت متلون مزاج جانور ہے..... ممکن ہے یکبارگی اس پر کسی اور جگہ جانے کا دورہ پڑے اور وہ اپنی جگہ سے حرکت کرے..... میں کسی قدر بے چین ہو گیا.....

ایک ٹیلے پر سے جھاڑی کی آڑ لے کر میں نے دور بین سے اس مقام کا جائزہ لیا..... اب وہ جھاڑیاں..... یا نیلے نظر نہیں آتے تھے..... مجھے اور مشرق کی طرف حرکت کرنے کی ضرورت تھی..... میں ٹیلے سے اتر اور اس بار مشرق رخ چلا.....

اور پھر مجھے کیربوز کا وہ مندا نظر آ گیا جو میری موجودگی سے بے خبر کوئی آدھے میل پر بے فکری کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا..... مجھے ان کو دیکھنے سے بڑی خوشی ہوئی اس لیے کہ اب میری بو کسی حالت میں بھی ریچھ تک نہیں پہنچ سکتی تھی..... یہ مندا.....



اس علاقے کے سب جانوروں کے لیے انتباہ کا درجہ رکھتا ہے..... ممکن ہے کیربوز بھاگتے وقت کوئی آواز بھی کرتے ہوں جو دوسروں کو ہوشیار کر سکے..... ریچھ بھی آواز کو ضرور سمجھتا ہوگا.....

بعض جنگلوں میں مینائیں اور کوئے بکثرت ہوتے ہیں اور دونوں کی عادت ہے کہ کسی انسان..... خصوصاً شکاری کو دیکھ کر خاص قسم کی آوازیں کرتے ہیں جو جنگل کے دوسرے جانور بھی جانتے ہیں اور ان آوازوں کو سننے کے بعد سب ہی ہوشیار ہو کر محفوظ تر علاقوں کی طرف حرکت کر جاتے ہیں..... اسی طرح شیر اور چیتے یا ریچھ کو دیکھ کر بھی یہ پرندے بڑا غل مچاتے ہیں..... کئی دفعہ ان کے شور کی آوازوں کی مدد سے میں شیر چیتے یا ریچھ کو پالینے میں کامیاب ہوا ہوں.....!

ایک جھاڑی کی آڑ میں ذرا دیر کھڑے رہ کر میں دوسرا قدم بڑھانے سے پہلے یہ اطمینان کر لیتا کہ مزید پیش قدمی کیربوز کو ہوشیار نہیں کرے گی..... لیکن وہ دوسرا قدم پچھلے قدم سے بھی زیادہ احتیاط سے اٹھانا پڑتا تھا.....

آخر وہ مرحلہ آ گیا جب میں مجبور تھا کہ ریچھ تک جانے کے لیے کیربوز کے مندے کے درمیان سے گزروں..... اس وقت قریب ترین کیربوز مجھ سے صرف ساٹھ ستر گز پر تھا..... اور میری موجودگی سے بے خبر.....

یہاں میں چاہتا تھا کہ کیربوز بھاگ جائیں..... لیکن یہ بھی گوارا نہیں تھا کہ وہ بدک کر بھاگیں میں ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ سامنے..... عین میرے سامنے کوئی تین سو ساڑھے تین سو گز پر ایک نیلے کے سرے پر ریچھ نمودار ہوا..... وہی عظیم الجثہ..... کیم و شیم..... خوفناک.....!



اللہ اکبر..... کتنا بڑا ریچھ تھا..... میں نے واقعی اس سے پہلے اتنا بڑا ریچھ نہیں دیکھا تھا..... اس کو دیکھ کر اس کی ہیبت کا اندازہ ہوتا تھا.....!

ہے..... گویا اس طرح وہ مداخلت بے جا کے مرتکب کو سبق سکھا کر اپنا راستہ لیتا ہے..... اگر یہ صورت حال انسان کے ساتھ پیش آجائے تو انسانی جسم کی ناطقہ اور نزاکت کے پیش نظر نہایت تکلیف دہ اور مہلک زخم آسکتے ہیں.....

امریکہ میں یہ صورت حال اکثر پیش آتی رہتی ہے..... یہاں لوگوں کو سیر تفریح کا بھی شوق ہے اور مہم جوئی کا بھی..... لوگ ایسی جگہوں پر جیسے YELLOW WHITE RIVER NATIONAL PARK STONE PARK وغیرہ جاتے ہی اور محض مہم جوئی یا قدرتی مناظر کے مشاہدے کے لیے بالکل ویران اور اندرونی جنگلوں میں جانا پسند کرتے ہیں..... ایسی جگہوں پر تنہا جانا خطرے سے خالی نہیں ہوتا اس لیے کہ ان خصوصی نیشنل پارکس اور قدرتی حالت کے مقامات پر ہر قسم کے جانور آزادانہ گھومتے ہیں..... یہی ان مقامات کی خصوصیت ہے.....

ان آزاد جانوروں میں ریچھ بھی ہوتے ہیں..... کسی ویران علاقے میں ریچھ سے تصادم ہو سکتا ہے انسان قوت جسمانی کے ذریعے ریچھ کا مقابلہ ہرگز نہیں کر سکتا..... ایسے تصادم کی صورت میں انسان کو ہی نقصان پہنچتا ہے..... اکثر لوگ بچ تو جاتے ہیں..... لیکن خاصے زخمی ہو کر.....

YELLOW STONE کا ہی ایک واقعہ اخبار میں آیا تھا کہ ایک شخص پر ریچھ نے حملہ کیا اور اس نے سوچا مقابلہ کا فائدہ کوئی نہیں کیوں نہ خاموش پڑے رہنے کا بہانہ کیا جائے..... چنانچہ وہ مردہ بن کر زمین پر پڑا رہا..... ریچھ نے اس کو حسب مرضی نوچا..... کاٹا..... زخمی کیا..... اور آخر کار مایوس ہو کر کسی اور طرف نکل گیا..... یہ شخص زخمی تو بہت ہوا..... لیکن زندہ رہا..... بچا لیا گیا.....

البتہ..... اتنی ہمت..... اتنی قوت برداشت..... اور موت کے امکانات کا اس طرح استقبال بہت غیر معمولی اعصاب کا نتیجہ ہو سکتا ہے..... ہر شخص یہ کیسے برداشت کر سکتا ہے کہ ریچھ اس کا گوشت نوچ رہا ہو..... اسے کاٹ رہا ہو اور وہ انسان درد کی تکلیف خاموشی سے سہہ لے..... اور بالکل ساکت و جامد پڑا رہے..... کم از کم میں تو

کیربوز نے بھی اس کو اسی وقت دیکھا..... اور دیکھتے ہی فرار کو قرار پر ترجیح دیتے ہوئے ایک دفعہ جو غرانا بھرا تو سارے سوڈیڑھ سو کیربوز ہوا ہو گئے.....

ریچھ نے گردن اٹھا کر ان کو بھاگتے دیکھا..... ذرا دیر دیکھتا رہا..... اور پھر اپنے کام میں مشغول ہو گیا..... میرے لیے کھلی جگہ سے اسی وقت تیزی سے گزرنے کا بہترین موقعہ وہی تھا اس لیے کہ کیربوز تو بھاگ ہی پڑے تھے اب ریچھ کو یہ شک نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ خود اس کے علاوہ کسی اور وجہ سے بھاگے ہیں.....

میں نے اپنی جگہ سے حرکت کی..... اور کسی رکاوٹ یا کمیں گاہ کا لحاظ کئے بغیر جس قدر تیزی سے ممکن ہوا تقریباً پندرہ گز کا فاصلہ طے کر کے ایک گھنے جھنڈ میں آ گیا..... کیربوز مجھے دیکھ کر بچکے ضرور لیکن وہ تو بھاگ ہی رہے تھے..... صرف یہ کہ رفتار اور بڑھ گئی.....

ریچھ اب بھی نظر آ رہا تھا اور جھاڑیوں کو نوچنے میں مصروف تھا.....! فاصلہ تین سو گز سے زائد..... میں تین سو پچتر میگنم اتنی دور سے اتنے بڑھے ریچھ پر فائر کرنا ہرگز مناسب نہیں سمجھتا..... اگرچہ تین سو گز اس رائل کے لیے زیادہ نہیں ہیں لیکن میری احتیاط کا تقاضا یہی تھا..... اکثر اتنی دور کے فائر سے جانور فوری مرتا نہیں ہے..... اور میں وہاں ریچھ کو صرف زخمی کرنا پسند نہیں کرتا تھا.....

ریچھ کی نظر کمزور ضرور ہوتی ہے..... لیکن اس کو نابینا تصور کر لینا محض حماقت ہے..... دراصل ریچھ جو انسان پر حملہ کرتا ہے وہ یکبارگی جوش و غضب کی وجہ سے..... یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ریچھ ایک مغلوب الغضب جانور ہے..... اپنے معاملات میں کسی کی دخل اندازی گوارا نہیں کرتا..... اگر وہ یہ دیکھے کہ اس کی خلوت میں کوئی اور دخل ہوا ہے تو اسے فوری سخت غصہ آتا ہے..... اور وہ حملہ کر بیٹھتا ہے..... لیکن..... اگر مقابلہ ڈر کر راہ فرار اختیار نہیں کرتا تو پھر وہ خود ہی پسپا ہو لیتا ہے..... یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ اس کا حملہ محض ڈرانے کے لیے ہوتا ہے..... لیکن یہ ضرور ہے کہ اکثر ڈر کر بھاگنے والے کا وہ تعاقب کرتا ہے..... اگر پکڑ لے تو ضرور نوچ کھسوٹ کرتا ہے اور چھوڑ کر چل دیتا

کے اندرونی حصوں میں نمی ہونے کی وجہ سے زمین پر گھسٹتے ہوئے میرے لباس کا سامنے کا حصہ بھگ گیا..... لیکن وہ خاک کی شرٹ اور اس پر جیکٹ جو میں پہنتا ہوں بیشتر وائر پروف یا کم از کم ضد آب ہیں..... اس لیے نمی اندر تو نہیں گئی..... رائفل بھی محفوظ رہی.....

میں نے ذرا سا اٹھ کر پیچھ کی طرف دیکھا.....

وہ وہیں پر تھا جہاں اکثر نظر آتا رہا

میں ہی ایسا تھا کہ جو اس سمت کم جاتا رہا

البتہ اس نے اس دوران حرکت کی تھی اور کسی قدر نشیب میں تھا..... کیونکہ

اس کے جسم کا بالائی حصہ نظر آ رہا تھا..... سر جھکا ہوا..... اور جسم متحرک.....!

میں نے دوبارہ حرکت کی..... اور حتی الامکان تیزی سے دس بارہ گز کھلا قطعہ

طے کر کے دوبارہ ایک جھنڈ کی آڑ میں آ گیا..... اب فاصلہ غالباً کوئی دو سو گزرہ گیا.....

یا اس سے کچھ زائد..... یہاں سے میں پیچھ کو قطعہ مار سکتا تھا.....

اس وقت مجھ پر وہ کیفیت طاری تھی جو غالباً ہر شکاری کی حیوانی جبلت کی

تکمیل کے وقت طاری ہوتی ہوگی..... شیر جب اپنے شکار کو دبوچنے کو تیار ہوتا ہوگا.....

میں اکثر سوچتا ہوں..... انسان کی فطرت میں شکار شامل ہے..... قدیم

انسان صرف گوشت پر ہی گزارا کرتا تھا اور اس کے لیے اسے جانور شکار کرنا ہوتا تھا.....

اس انسان کی کیفیت شکار کے دوران کیا ہوتی ہوگی..... وہ زمانہ تو کاملاً آزادی..... بلکہ

حیوانیت کا تھا..... اس وقت انسان کے جذبات کیا ہوتے ہوں گے.....

لیکن..... ان دنوں میں شکار ایک مجبوری تھی..... ایک ضرورت تھی..... ایسی

شدید ضرورت جو زندگی کے لیے لازمی تھی..... اس کے بعد شکار انسان کی ضرورت نہیں

رہا..... ہر دور میں محبوب مشغلہ رہا..... اس کا یہ مطلب ہوا کہ انسان اپنی فطرت کے کسی

نہ کسی گوشے میں شکار کا شوق ضرور رکھتا ہے..... اسی شوق کی تکمیل کی خواہش انسان کو

شکار پر مجبور کرتی ہے.....

اس کا تصور نہیں کر سکتا.....

حیرت اس آدمی پر ہے جو اس شخص کو پیچھ نے..... گہرے زخم پہنچائے بہت سے زخموں کے باوجود زندہ..... بقیہ ہوش و حواس اور ساکت و جامد..... مردہ بنا پڑا رہا.....

اس سمت سے دو ایک اور لوگ گزرے تو انھوں نے اس شخص کو دیکھا اور فوراً شور و غل مچ گیا..... وارڈن اور فارسٹ گارڈز کو اطلاع کی گئی..... ذرا دیر میں ہی PARA MEDICS آ گئے..... ہیلی کوپٹر آ گیا..... اور جائے وقوعہ پر ہی زخمی کو ابتدائی طبی امداد دی گئی پھر ہیلی کوپٹر کے ذریعے ہاسٹیل لے جایا گیا.....

ایسے واقعات شاذ و نادر ہی ہوتے ہیں.....!

پیچھ تین سو گز پر تھا..... یا اس سے بھی کچھ زائد..... میں جھاڑی کی آڑ سے اس کو دیکھ رہا تھا..... اس کی حرکت کا زاویہ ایسا تھا کہ چند قدم چل کر وہ آڑ میں آتا تھا..... میں یہی چاہتا تھا کہ وہ یا تو رخ بدلے یا کسی قدر آڑ میں آ جائے تاکہ میں اپنی کمین گاہ سے نکل کر آگے بڑھوں..... چند منٹ اس طرح گزرے..... ایک بار پیچھ نے تھوٹھنی میری طرف اٹھا کر ہوا میں ملی جلی بو کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی لیکن اس کو کیربوز کی بو کے علاوہ اور کیا ملنا تھا..... اس حالت میں تقریباً چھ منٹ گزرے..... لیکن پیچھ نے نہ اپنا رخ بدلانا وہاں سے ہٹا..... میرے لیے پیش قدمی لازمی..... میں نے ادھر ادھر دیکھا..... میں جن جھاڑیوں میں تھا اس کے ساتھ ہی سبز گھاس کا قطعہ تھا جس میں تقریباً فٹ ڈیڑھ فٹ اونچی گھاس تھی..... خوب سبز اور شاداب اب یہی صورت تھی کہ میں لیٹ کر اس گھاس میں سانپ کی طرح رینگوں اور کم از کم میں پندہ گزرینگنے کے بعد ایک کسی قدر بلند زمینی قطعے کی آڑ میں آ جاؤں.....

میں نے یہی کیا..... نہایت آہستگی کے ساتھ میں اس گھاس میں پھیل گیا..... رائفل آگے آگے اور میں اس کے تعاقب میں کھسکتا ہوا..... پندرہ یا دس گز کا یہ فاصلہ میں نے تقریباً بیس منٹ میں طے کیا..... تب میں اس ارتقاء کے پاس آیا..... گھاس

شکار..... ہر دور میں انسان کی بہادری، شرافت اور عزت کا باعث رہا ہے.....  
 بائبل میں سمیسن کی بہادری اور شکار کا تذکرہ ہے.....  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار..... سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب.....  
 مشہور شکاری تھے اور ان کے اس شوق کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ لوگ ان کی عزت کرتے  
 تھے بلکہ ڈرتے بھی تھے!.....

ہندوستان کے مغل دور میں نور جہاں کا پہلا شوہر ”شیر افکن“ کے نام سے ہی  
 مشہور تھا تو تاریخ میں اس کا یہی لقب نام کی طرح لکھا گیا.....

اس دور میں بھی عام طور سے لوگ شکاری کا خاصا لحاظ کرتے تھے.....  
 ویسے..... فن کوئی بھی ہو اگر اس میں حقیقت اور واقعاً نمایاں حیثیت حاصل  
 ہو تو کوئی نہ کوئی اس کا قدرداں ضرور پیدا ہوتا ہے..... جس گراں قدر ہو تو خریدار مل ہی  
 جاتا ہے.....

میری رائفل پر ایک کم طاقت کی اسکوپ بھی لگی ہے..... جو فولڈنگ  
 (FOLDING) ہے..... اگر ضرورت ہو تو استعمال کرتا ہوں..... ضرورت نہ ہو تو ہٹا  
 دیتا ہوں..... یہ فولڈ ہو کر ایک جانب ہو جاتی ہے اور مجھے سائٹ خالی ملتی ہے میں نے  
 اس وقت اسکوپ سے دیکھا..... لیکن چونکہ اب صرف 4X ہے اس لیے کوئی خاص  
 فائدہ نہیں ہوا.....

میں اور آگے بڑھنا چاہتا تھا.....

میں جہاں تھا اس سے آگے دائیں جانب ایک ٹیلہ تقریباً دس گز پر تھا..... اس  
 وقت ریچھ نشیب میں تھا اور گھاس کھانے کی صورت میں اس کا سر بھی جھکا ہوا تھا چنانچہ  
 وہ مجھے دیکھ بھی نہیں سکتا تھا..... میں نے ایک بار پھر حرکت کی..... اور بہ آسانی ٹیلے کی  
 آڑ میں آ گیا..... جو غالباً چھ فٹ بلند رہا ہوگا..... میں بہ آہستگی اس پر چڑھا اور لیٹ کر  
 رائفل باہر نکالی پھر جھانکا..... ریچھ نظر نہیں آیا اس لیے کہ دو اور ٹیلے درمیان میں حائل  
 تھے..... میں سرعت کے ساتھ وہاں سے ہٹا اور ایک ٹیلے کو چھوڑ کر دوسرے پر چڑھا.....

جو فاصلہ میں نے اب تک طے کیا ہوگا وہ غالباً چالیس پچاس گز تو ضرور رہا ہوگا.....  
 اب میں غالباً ریچھ سے سو ڈیڑھ سو گز پر تھا.....  
 ٹیلے پر میں لیٹ کر بہت آہستگی سے سر کتا ہوا اوپر آیا..... حسب معمول.....  
 پہلے رائفل باہر نکالی..... پھر سر.....

اور..... ریچھ سامنے تھا!.....

اللہ اکبر..... اتنا جسیم ریچھ!.....

وہ میری موجودگی سے آگاہ نہیں تھا!.....

اسے اپنی موت کی خبر نہیں تھی!.....

موت کی خبر ہوئی بھی کسے ہے..... جو شخص زندہ ہے وہ تو یہ سمجھتا ہے کہ موت  
 اب آنا ہی نہیں..... زندگی ہمیشہ کے لیے ہے..... خصوصاً پاکستان میں تو ہر فرد خواجہ خضر  
 کا رشتہ دار ہے..... فنا کا کوئی تصور ان کے ذہنوں میں نہیں..... کچھ حضرات و خواتین کا  
 تو فرعون کے مزاج و عقائد پر عمل ہے.....

جو بھی سانس آئے غنیمت جانا

زندگانی لوٹ کر آئی نہیں

زندگی کی بے حقیقت اور اختصار کے موضوع پر دانشور کیا کچھ کہتے رہتے  
 ہیں..... ہر شخص کو اس کے اختصار کا شکوہ رہتا ہے..... یہ صرف انسانوں تک محدود  
 نہیں..... جانوروں کی زندگی بھی اسی بے یقینی کا شکار ہے..... ان کو بھی عمر کے طول کا علم  
 نہیں..... ہر وہ شے جو اس روئے زمین پر ہے..... اسی بے یقینی کے حال میں..... فنا  
 کی منتظر ہے.....

ریچھ سامنے تھا..... ڈیڑھ سو گز..... یا سو گز پر..... اس کا رخ میرے موافق  
 نہیں تھا..... صرف دونوں پچھلی ٹانگیں اور دم میری طرف اور سر دوسری طرف.....  
 لیکن..... میں اب انتظار کر سکتا تھا..... اب وقت تھا کہ میں انتظار کروں..... خواہ اس  
 کے نتیجے میں شکار کا معاملہ طول ہی کیوں نہ کھینچ جائے.....

نہیں ہے اور یہ درندے سکون کی حالت میں ہیں..... بیٹھے ہیں..... حرکت کر رہے ہیں یا شکاری کی تاک میں ہیں..... تو پھر فائر کرنے میں احتیاط ہی دانشمندی کا تقاضا ہے..... نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ اسی وقت فائر کرنا چاہیے جب قوی امید ہو کہ جانور مارا جائے گا..... کسی بھی نشانے پر گولی کے صدر و صد گنگے کا یقین کوئی نہیں کر سکتا خواہ کتنا ہی قادر انداز کیوں نہ ہو..... میں نے بڑے ہی تجربہ کار اور کہنہ مشق شکاریوں کے نشانے خطا ہوتے دیکھے ہیں..... ان میں خود میں بھی شامل ہوں..... بے شک اکثر نشانہ خطا نہ ہوتا ہو..... لیکن نجانے کب خطا ہو جائے..... نجانے کون سی گولی نہ لگے.....

میں..... صرف اس وقت فائر کرتا ہوں جب مجھے کامل یقین ہو کہ اب نشانہ صحیح گنگے کے قوی امکانات ہیں اور جانور واقعی گر جائے گا.....

میں ایک شکاری کی کتاب پڑھ رہا تھا..... انھوں نے لکھا تھا..... سرکاری کام سے وہ اپنے اہلکاروں کی جماعت کے ساتھ دکن کے ایک گھنے جنگل سے گزر رہے تھے..... سفر کے دوران ان کا شکار بھی جاری تھا..... ایک جگہ ٹھہرے..... نظر اٹھی تو دور..... کوئی چار پانچ سو گز پر ایک چٹان پر شیر بیٹھا نظر آیا..... انھوں نے اپنی دونالی پانچ سو ایکسپریس اٹھائی اور بہت باریکی کے ساتھ نشانہ لے کر اس شیر پر فائر جھونک دیا..... شیر اپنی جگہ سے ہٹ کر جھاڑیوں میں غائب ہو گیا..... ان صاحب کو خود یقین نہیں کہ گولی لگی..... لیکن..... تحریر یہ فرمایا..... نجانے گولی لگی کہ نہیں..... شیر تو بہر حال بھاگ لیا.....

اب اگر شیر کے گولی لگی..... جس کا امکان بہت کم ہے..... تو وہ ہلاک نہیں ہوا..... زخمی ہوا..... نجانے کتنے عرصے تک وہ اس زخم کا کرب برداشت کرتا رہا..... نجانے اس زخم نے اسے کس حد تک ناکارہ کئے رکھا..... نجانے وہ آدم خور ہو گیا..... نجانے کتنی انسانی جانیں آدم خور ہونے کے بعد اس نے تلف کیں..... اس قسم کے بے شمار سوالات پیدا ہوتے ہیں..... شیر پر ہی موقوف نہیں بے شک ہرن ہو..... لیکن غلط

اس وقت..... ریچھ کو میں اسکوپ کے ذریعے دیکھ رہا تھا..... صاف نظر آ رہا تھا..... لیکن ابھی صرف ”تشریف“ ہی نظر آ رہی تھی.....

میں نے ایک چکارا بے شبہ مارا کہ وہ مجھے دیکھ کر سیدھا واپس ہوا اس طرح کہ صرف ”تشریف“ ہی نظر آتی تھی میں نے اس کے عین دم کے نیچے فائر کیا..... گولی صحیح نشانے پر لگی اور چکارہ گر گیا..... جب اس کا پیٹ چاک کیا تو ہنسی آئی..... مقعد سے نشانوں کے جوٹ تک گولی کو روکنے کی کوئی چیز نہیں تھی..... سارے اندرونی اعضاء کو جلا کر گولی شانوں کے عین وسط میں رک کر پھیل گئی تھی.....!

ہے نامصنکہ خیر فائر.....!

میں ریچھ پر یہ فائر کرنا نہیں چاہتا تھا.....!

درحقیقت..... بات یہ ہے کہ میں فائر صرف اس وقت کرتا ہوں جب مجھے نشانے کے صحیح ہونے اور جانور کے مارے جانے کا یقین کامل ہو..... غلت میں کیا ہوا فائر اکثر جانور کو زخمی کر کے چھوڑنے یا گولی کے گنگے کے امکانات زیادہ رکھتا ہے..... میں اس کو RANDOM SHOT کہتا ہوں..... بہت لوگ ایسے ہیں جو فائر کرنے میں اتنی غلت کرتے ہیں کہ صحیح طرح یہ بھی فیصلہ نہیں ہو سکتا جانور ہے یا انسان..... امریکہ میں ہرن کے شکار کے دوران اس قسم کے حادثات ہوتے ہیں..... اگرچہ ایسے حادثات کی تعداد زیادہ نہیں..... لیکن ہر موسم میں دو چار واقعات ضرور سننے میں آتے ہیں جس میں کوئی غلت پسند شکاری کسی دوسرے شکاری کی بے صبری کا ہرن سمجھ کر فائر کر دیتا ہے..... اور شکاری زخمی یا ہلاک ہوتا ہے..... ہرن گھاس جھاڑی اور گھنے جنگل میں چھپا رہتا ہے..... کچھ ایسے شکاری ہوتے ہیں جو گھاس اور جنگل میں ہرن کی تلاش میں سرگرداں ہوتے ہیں..... یہ وہ لوگ ہیں جو غلت کے ساتھ فائر کرنے پر مجبور ہیں..... اور ان ہی کو دھوکا بھی ہوتا ہے.....

ایسی صورت میں کہ مقابلہ شیر یا ریچھ سے ایسی صورت حال میں ہو کہ یہ حملہ کر بیٹھے ہوں تب تو فوری فائر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے..... لیکن اگر ایسی صورت



میں فار اس وقت کرتا ہوں جب مجھے جانور کو مار لینے کا یقین ہو..... اگر شک ہو تو میں فار نہیں کرتا.....! یہ میری اس تربیت کا نتیجہ ہے جو بچپن سے ہی دی گئی..... وہ دور تربیت اس زمانے پر محیط تھا جب شکار میں شیر چیتے، تیندوے اور ریچھ عام طور سے ملتے تھے..... اس زمانے میں شیروں کی کثرت تھی.....

میرے عزیز دوست جعفر علی سید صاحب..... جو بھوپال کے سابق وزیر اعظم سید منصب علی صاب کے پوتے ہیں بتاتے تھے وہ اور ان کے پھوپھی زاد بھائی ضمیر میاں مرحوم..... جیپ میں شہر سے کوئی دس بارہ میل کے فاصلے پر ایک کچی سڑک پر سے گزر رہے تھے..... ایک دفعہ جیپ کی لائٹ میں سڑک کے کنارے شیر دہکا ہوا نظر آیا..... جب تک جیپ روکیں تب تک کوئی دس بیس فٹ آگے نکل گئے..... ضمیر میاں نے جیپ واپس کی..... شیر اس وقت تک وہیں دہکا رہا..... لیکن ان کی جیپ نزدیک رکی تو وہ اٹھ کر قریب کے نشیب میں اتر گیا.....!

میرے ساتھ بارہا ایسا اتفاق پیش آیا کہ جنگل میں نکلتے ہی کسی موڑ..... کسی نالے کسی پہاڑی کے دامن پر شیر یا چیتا نظر آیا..... اور خلاف توقع.....!

مجھے اس زمانے میں بتایا گیا..... اور ذہن نشین کرایا گیا..... جانور پر فار اسی وقت کرو جب کامل یقین ہو کہ اس کو مار لو گے..... ورنہ فار نہ کرو..... دوسرے موقعے کا انتظار کرو..... ان دنوں دوسرا موقعہ یقینی آتا تھا..... اس کے بعد عادت ہی ایسی ہو گئی..... اور پھر وقت گزرا تو مجھے والد صاحب قبلہ اور دوسرے اغراء نے اس تامل کی مصلحتوں سے بھی آگاہ کیا..... پھر میں اس شعور کو پہنچا جہاں میں خود فیصلہ کر سکوں..... اور اس نتیجے پر پہنچا کہ فار پختہ اور یقینی ہی کرنا چاہیے..... مشکوک فار کرنا مبتدیوں یا ایسے شکاریوں کا کام ہے جن کی عقل کمزور..... اور شکاریانہ حیثیت مشتبہ ہو.....!

میں ایسا فار ہرگز نہیں کرتا جو یقینی نہ ہو..... اس سے خواہ کوئی نتیجہ بھی اخذ کیا جائے.....!

ریچھ..... کھانے میں مشغول تھا..... میں ٹیلے کے ڈھلان پر بہ آرام لیٹا

فار کر کے ہرن کو زخمی کرنا بھی شکاری کے اخلاق اور انسانیت کا تقاضا نہیں..... شکار کا مقصد بہترین طریقے سے ایک ایسے جانور کو ہلاک کرنا جس کو زانی بنایا جاسکے..... زخمی کر کے جانور کو اذیت میں مبتلا کرنا اچھے شکاری کا کام نہیں ہے.....

نشانہ خطا جانے کا قصہ میں اپنی کسی تالیف میں لکھ چکا ہوں..... لیکن دوبارہ اس جگہ بیان کر دینا برا نہیں.....

کاظمی اور میں جہلم کے کوہستان نمک میں شکار پر تھے..... ہڑیال کا شکار تھا..... ایک جگہ ہمیں ہڑیال نظر آیا..... اس طرح کہ ہم لوگ ایک پہاڑی کے دامن پر تھے..... اس کے نیچے ایک تنگ درہ تھا..... دوسری طرف پہاڑی..... اس پہاڑ کے دامن پر ایک نر ہڑیال..... فاصلہ یہی کوئی دو سو گز.....

کاظمی نے اپنی رائفل مجھے دی کہ آپ فار کیجیے..... میں نے رائفل لی..... یہ ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ ایک اجنبی ہتھیار کو یکبارگی فار کرنا مشکل ہے..... ہر شخص اپنی رائفل کے بارے میں جانتا اور سمجھتا ہے.....

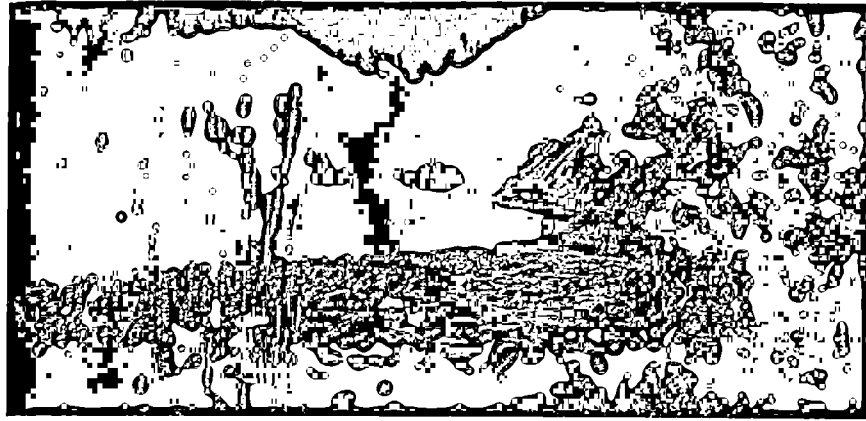
بہر حال..... میں نے فار کیا..... گولی خطا ہوئی..... ہڑیال چند قدم چل کر رک گیا..... اس لیے کہ شاید وہ آواز کے رخ کا تعین نہیں کر سکا.....

میں نے دوسرا فار کیا..... وہ بھی خطا..... ہڑیال اب بھی بھاگا نہیں.....

میں نے رائفل کاظمی کو واپس دی اور کہا وہ خود فار کریں..... انھوں نے فار کیا..... اور ہڑیال اپنی جگہ پر گر گیا.....

مجھے ان دو گولیوں کے خطا ہونے کا افسوس کئی روز رہا..... پھر میں نے اس کی توجہ اسی طرح کی..... رائفل میرے لیے اجنبی تھی میں نے اس کے زاویے کا صحیح تعین نہیں کر سکا.....!





ہے..... کھانا، کپڑا، مکان، موٹر کار وغیرہ..... جس کو یہ سب نصیب نہیں اس کے لیے اور بہت سے غم ہیں..... کوئی انسان اس سے مبرا نہیں.....

ریچھ..... اچھا تھا..... انسان کے سوا اس کا کوئی دشمن نہیں ہو سکتا..... سب پر اس کا رعب..... کھانے اور رہنے کے علاوہ اسے کوئی فکر نہیں.....!

وہ ریچھ..... اسی رخ پر تھا..... اور ایسا اندازہ ہوا جیسے وہ اسی سمت سیدھا آگے کی طرف بڑھ رہا ہے..... جدھر نشیب تھا..... اور اگر وہ نشیب میں اتر گیا..... تو پھر مجھے تلاش کا کام از سر نو جاری کرنا پڑے گا..... لیکن..... میں اسے کیسے روکتا.....!

اور وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا..... وہ ظالم اپنی دم ہلاتا نشیب میں اتر گیا..... اور نظر سے غائب.....! قریب تھا کہ میں رائفل اپنے سر پر مار لوں.....! لیکن..... وہ شکاری ہی کیا جو مایوس ہو جائے.....!

میں تو اکثر شکار سے خالی ہاتھ واپس آتا ہوں اور بیگم صاحبہ کی ناراضگی اور بچوں کی زیر لب مسکراہٹ کا خود شکار ہوتا رہتا ہوں..... البتہ یہ سب جانتے ہیں کہ میں جانور ارادنا شکار نہیں کرتا..... یعنی جانور نظر آتا ہے اور اس پر فائر نہیں کرتا..... بیگم کا کہنا ہے.....

”پھر شکار پر جانے اور اس قدر پیسہ ضائع کرنے کا کیا فائدہ.....“

”بی بی..... شکار کا یہ مطلب نہیں کہ جو جانور نظر آئے مار دوں.....“

”پھر..... وہ جنت کا پرندہ..... یا چرندہ کب اترے گا جسے آپ ماریں گے.....“

ہے ناہمی کی بات..... اب ان کو کس طرح سمجھایا جائے کہ میں صرف ٹرائی کے لیے جانور کو مارتا ہوں..... گوشت شہر میں خاصا ارزاں ہے..... لیکن یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی.....

”تو پھر جانور کو مارنے کی کیا ضرورت.....؟“

وہ بولیں

تھا..... رائفل سامنے لگی ہوئی..... ٹیلے کے سرے پر رکھی..... ٹیلیہ سکوپ کا کراس ریچھ پر مرکوز..... نشانہ قطعاً درست اور یقینی..... رائفل کو ذرا سی جنبش بھی نہیں تھی..... بس ریچھ کے ذرا سا رخ بدلنے کی دیر تھی.....

سیفٹی کیچ کھلا تھا..... انگلی ٹریگر پر تھی اور بس اتنی ہی دیر تھی کہ میری انگشت شہادت..... ٹریگر پر ذرا سا دباؤ بڑھائے..... اور تین سو گرین نرم سیسے کی گولی..... آگ کا سرخ انگارہ بھی ریچھ کے جسم میں پیوست ہو جائے.....!

زمین کی ٹھنڈک مجھے لباس کے اندر بھی محسوس ہو رہی تھی.....!

نجانے کدھر سے دو تین تتلیاں اڑتی ہوئی آگئیں..... ایک میرے سر پر بیٹھی..... ایک رائفل کی نال پر اور ایک ساتھ کے پھول پر..... اگر کوئی مجھے خصوصیت کے ساتھ دیکھ بھی رہا ہوتا تو ان تتلیوں کی موجودگی اس کے شک کو رفع کرنے کے لیے کافی تھی.....

ریچھ تو میری طرف متوجہ ہی نہیں تھا.....!

انسان اور جانور سب کا اہم ترین کام ”پیٹ بھرنا“ ہے..... جانور کو تو کھانے اور پینے کے علاوہ تولید کا کام ہی کرنا ہوتا ہے..... لیکن انسان نے پیٹ بھرنے کے کام کے ساتھ اس قدر اضافی امور وابستہ کر لیے ہیں کہ زندگی ایک مشکل بن کر رہ گئی

”کیا مطلب.....؟“ میں نے پوچھا

”آپ گھر میں آرام سے ٹی وی پر ٹرافیات دیکھ لیا کیجیے..... میں چائے بھی پلاؤں گی اور پان بھی کھلاؤں گی انشاء اللہ..... جنگل میں جانے کی ضرورت ہی کیا جب جانوروں کو صرف دیکھنا ہی ہوا.....“

معاملہ ختم..... ان کے ذہن میں ٹرافی کا تصور ہی نہیں تھا.....

اب یہ کہ مجھے جانور مارنے کا شوق کیوں نہیں ہوتا.....!

شوق بہت پورا ہو چکا..... میں جس قدر شکار کر چکا اور دنیا کے جن جن ممالک میں شکار کر چکا وہ شاذ و نادر ہی کسی کو نصیب ہو سکتا ہے..... میرا جیسا جہاں گرد بھی کم ہی ہوتا ہے..... اس لیے کہ میں تو ہوں ہی جہانگردوں کی نسل سے..... میرے مورث اعلیٰ..... میرے خاندان کے موسس..... حضرت میراں سید جلالی الدین جہانیاں جہاں گشت رحمتہ اللہ علیہ تھے..... جن کا روضہ اچھ شریف میں اب بھی مرکز برکات ہے..... مجھے تو نسل جہاں گرد ہونا ہی چاہیے..... اور..... سارے جانوروں کو شکار کر لیا..... اب کیا رہ گیا.....؟

اور جو کچھ رہ گیا..... اب اس کی زیادہ تمنا نہیں ہے.....!

اتنے شیروں..... اتنے چیتوں اور اتنے ریکھوں کے شکار کے بعد..... اب کیا حسرت رہ گئی..... کوئی نہیں..... اب میں شکار پر عادت جاتا ہوں..... تفرینا جاتا ہوں اس لیے کہ میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا..... میں شکار کے بغیر نہیں رہ سکتا..... یہ کام میرے خون میں شامل ہے..... میری فطرت کا ایک حصہ ہے..... میری طبیعت ثانی ہے.....!

اور..... اب وہ ریکھ تھا..... میں وقت صانع کے بغیر اپنی جگہ سے بلند ہوا..... ریکھ نظر نہیں آتا تھا..... لیکن اس مقام پر وہ جگہیں جو شمال کی جانب تھیں..... یعنی ٹیلوں کی اور پہاڑیوں کی شمالی ڈھلانیں..... ان پر برف موجود تھی..... اور برف کی اچھی دیزر تہہ تھی.....

ابھی میں اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ریکھ کی جھلک نظر آئی..... میں سرعت کے ساتھ دوبارہ اپنی جگہ چھپ گیا..... پھر وہی حالت..... (PRONE) راتقل سامنے.....!

ریکھ اب پھر سامنے آ گیا.....

جیسا کہ میں نے کہا..... اس ٹیلے کے شمالی ڈھلان پر بھی برف ہوگی..... اسی لیے وہ واپس اس طرف آیا..... ٹیلے کے سرے پر آیا اور پھر جنوبی جانب..... گویا میری طرف..... دو قدم اترا..... اور ذرا سا ترچھا ہوا.....

اس وقت اس کا سینہ سارا میرے سامنے تھا.....

اسکوپ کا باریک راس اس کے سینے کے وسط پر شانے سے تین انچ پیچھے..... مرکوز تھا.....

ٹرگر پر دباؤ بڑھا..... اور بڑھا..... اور.....!

تین سو پچھتر میگنم نے شانے پر دھکا دیا..... ساتھ ہی زبردست دھماکا..... تین سو گرین کی گولی نے اس کو پیچھے پھینکا اور وہ ٹیلے پر لڑھک کر رہ گیا..... اس طرح کہ آدھا جسم میری جانب تھا..... آدھا جسم دوسری طرف..... ذرا سا تشنج..... پھر جسم ڈھیلا ہو گیا.....!

میں نے فی الفور بولٹ چلا کر دوسرا کارتوس چیمبر میں لگا دیا..... لیکن مجھے دوسرے فائر کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی..... تاہم میں ریکھ کا نشانہ لیے اسی جگہ کوئی بیس پچیس منٹ قائم رہا..... پھر اٹھ کر وہیں بیٹھ گیا..... دس منٹ اور..... اب وقت تھا کہ میں ریکھ کے پاس جاؤں..... اور میں راتقل کی نال اسی کی طرف کیے..... آہستہ قدم رکھتا..... اس کے پاس آ گیا.....

اللہ اکبر..... کس قدر عظیم ریکھ تھا..... میں نے کیمرہ نکال کر اس کے فوٹو کھینچنے..... کوشش کی کہ اسے کھینچ کر صبح کر دوں تاکہ فوٹو زیادہ صحیح آ سکے لیکن مجھ سے تو وہ ہلایا بھی نہ جاسکا..... ذرا ذرا سا سر کا بہر حال میں نے اسے ٹیلے کے ڈھلان سے نیچے

کھینچ ہی لیا.....

اطراف سے جھاڑیاں جمع کر کے میں نے اس کی لاش اچھی طرح چھپا دی..... پھر ایک لمبی شاخ زمین میں مضبوط گاڑ کر اس پر اپنا سفید رومال سرے پر لگا دیا..... بلکہ مضبوط باندھ دیا اس طرح کہ ہوا میں وہ سفید پرچم کی طرح لہراتا رہے..... یہ نشانی تھی تاکہ میں جب واپس آؤں تو بہ آسانی اس کو تلاش کر سکوں.....

میں کوئی تین گھنٹے بعد شیک واپس پہنچا..... افطار کا وقت ہونے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا..... میں نے آتشدان روشن کر دیا..... ٹنکی میں پانی کم تھا..... میری اتنی ہمت نہیں تھی کہ چشمے سے پانی لا کر ٹنکی بھرتا..... لہذا میں نے غسل کے بجائے تولیہ گرم پانی میں بھگوایا اور اس سے سارا جسم خوب اچھی طرح پونچھ لیا..... پہلے صابن سے ہاتھ منہ خوب دھوئے پھر وضو کر کے لباس تبدیل کر لیا.....

پھر میں نے وائرلیس کا سوچ آن کیا.....  
”ہلو.....“

دوسری طرف سے آواز آئی

”ہلو..... کیا جاشوا ہے.....؟“

میں نے پوچھا

”جاشوا تو باہر گیا ہے..... کوئی پیغام دینا ہے.....؟“

”ہاں..... میں قمر ہوں..... اس کو بتانا ہے کہ میں نے ریچھ مار لیا ہے.....“

اوہ تم نے اکیلے.....؟“

”ہاں.....“ تعجب خیز..... کیا بڑا ریچھ ہے.....؟“ اس نے پوچھا

”ہاں..... بڑا ریچھ ہے.....“

”گڈ..... اچھا میں اس کو جلد از جلد پیغام دوں گا.....“

”میں اپنی وائف سے بات کرنا چاہتا ہوں..... کیا تم ملا سکتے ہو.....؟“

”ضرور..... ہولڈ کرو.....“

دو لمحے بعد بیگم کی آواز ابھری  
”ہلو.....“

”کہئے صاحب خیریت ہے.....؟“

میں نے پوچھا

”الحمد للہ..... الحمد للہ ریچھ مار لیا.....“

”مار لیا..... مبارک باد..... کب آرہے ہیں.....؟“

”جاشوا کو فون کیا..... وہ کہیں گیا ہے..... آئے گا تو بات کروں گا..... غالباً

آج ہی آ جاؤں گا انشاء اللہ.....“

”اچھا.....“

ذرا دیر بات کر کے فون بند کیا..... افطار کا وقت ہو رہا تھا..... میں نے اپنا کھانے پینے کا سامان نکال کر رکھا..... چائے کے لیے پانی کیتلی میں ڈال کر آتشدان میں لٹکایا..... اور بیٹھ کر کلمہ توحید پڑھتا رہا..... تاہم افطار کا وقت ہو گیا.....

میں مغرب کی نماز سے فارغ ہی ہوا تھا کہ وائرلیس جاگ اٹھا.....

”ہلو.....“

میں نے کہا

”ہلو..... قمر..... ریچھ مار لیا.....؟“ یہ جاشوا تھا

”ہاں.....“

”گڈ..... مجھے معلوم تھا تم مار لو گے..... اچھا میں کوئی گھنٹہ دو گھنٹہ بعد آ رہا

ہوں.....“

”اوکے.....“

الحمد لله الذي بحمده ونشرک ونستعينک

وصلی اللہ تعالیٰ علی خاتم النبیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم